

جاسوسی دنیا

ابن صفی

24- پھر کی چیخ

25- خوفناک ہنگامہ

26- دو ہرا قتل



پیش لفظ

یہ ناول ایک بالکل ہی انوکھی اور نئی کہانی پیش کرتا ہے۔ جرم کرنے والوں میں Sadist یا اذیت کوش آج کل نمایاں نظر آتے ہیں۔ آئے دن آپ نے اخباروں میں کم عمر لوگوں اور لڑکوں کے اغوا اور بعد میں ان کے بے رحمانہ قتل کے بارے میں پڑھا ہوگا۔ آپ اسے یقین مانیں کہ ایسے بھی انک جرام کے پیچھے ایسی معموم صورتیں بھی ہوتی ہیں جن کی طرف کسی کا گمان بھی نہیں جاسکتا۔ یہ اپنے جنسی دباؤ سے مجبور ہو کر اس حد تک خطرناک، مریضانہ اور بھی انک شکل اختیار کر لیتے ہیں کہ انہیں انسانی ہڈیوں کے چھوٹنے میں رسیلی جلپیوں کا مزہ آتا ہے۔

ایسا ہی ایک کرادار آپ کو اس ناول میں طے گا۔ میاں حمید بھی اس مرتبہ کافی چاق و چوبندر ہے۔ انہوں نے محض باتیں نہیں بنا کیں بلکہ کچھ کیا بھی ہے۔

آئندہ شمارہ جو بلی نمبر ہوگا۔ ”خوفناک ہنگامہ“ کی کہانی کے لئے میں زیادہ نہیں لکھ سکتا۔ لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اب تک جتنے ناول میں نے چیلنج کے ساتھ لکھے ہیں انہیں آپ سب نے پسند کیا ہے۔ جو بلی نمبر بھی اُسی اعتاد کے سہارے لکھ رہا ہوں اور آپ یقین بھیج کر پڑھنے کے بعد آپ اُسے زندگی بھر نہیں بھول سکتے۔

”خوفناک ہنگامہ“ میں آپ کو ایک بار پھر آپ کے محبوب کرادار انور اور رشیدہ میں گے۔ حمید نے تو اس بار کمال ہی کیا ہے۔ یقیناً اُس کی سمجھی گئی آپ کو چونکا دے گی۔ فریدی کو اس بار ایک عجیب و غریب عورت سے ملکر لینا پڑی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یورپ کے تین نامور جاسوس فریڈک، شلائر اور گارسیاں سے فریدی کی مدد بھیڑ..... بھی انک ہڈیوں کے پتھر، عجیب و غریب مچھلی اور دوسری دلچسپیاں آپ کو ملیں گی جن کے لئے ”جاسوسی دنیا“ مشہور ہے۔

ایسے صفحے

تمار خانہ

”لوسو نیرے بھائیو!“ سرجنت حمید نے ہانک لگائی۔ ”یہ وہ ساتھ ہے کہ پھر پر پھن مارتا ہے تو پھر را کھہ ہو جاتا ہے۔ پانی پر پھن مارتا ہے پانی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے۔ آگ کھاتا ہے انگارے ہگتا ہے۔ صندل دبپ میں پایا جاتا ہے۔ اسے آتش خر کہتے ہیں۔“

”وہ ایک پیشہ دوافروش کی طرح اول فول بک رہا تھا۔ صرف پندرہ منٹ میں اُس کے گرد اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی۔ اُس نے کھنکی اور چڑھی ہوئی سفید نعلیٰ موچھیں لگا کر کھی تھیں میک اپ اتنا شاندار تھا کہ سر کے بال کچھڑی معلوم ہو رہے تھے۔ بہر حال وہ ایک انتہائی تندرست بوڑھے دوافروش کے بھیں میں فٹ پاتھ پر مجھ لگا رہا تھا۔ اُس کے سامنے بہت سے مر جانوں میں مردہ اور زندہ ساتھ تھے۔ ایک بڑے سے صندوق پر دو اُس کی شیشیاں چتی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے کسی میں نقری گولیاں تھیں اور کسی میں طلائی۔ اکثر میں کوئی سیال شے بھی تھی۔

یہ جرکت محض اُس کی افتاد طبع نہیں تھی۔ اس مرتبہ شاید زندگی میں پہلی بار انپسکر فریدی نے ایک اہم کام اُس کے پرداز کیا تھا۔ اور وہ اُس سے کسی قسم کا مشورہ لئے بغیر اس کام کو سرانجام دیئے کی کوشش میں مشغول تھا۔ پہلے فریدی نے وہ کیس اپنے ہی لئے رکھا تھا لیکن اس دوران میں وہاں کچھ عجیب قسم کی وارداتیں ہوئی شروع ہو گئیں اور فریدی پہلا کیس حمید کے پرداز کے

اُن کے متعلق چھان بین میں مشغول ہو گیا۔

وہ وارد اتیں واقعی عجیب اور وحشت ناک تھیں۔ شہر کے مختلف حصوں میں تین نو خیز اور خوبصورت لڑکوں کی لاشیں ملی تھیں جنہیں کسی دشی درندے نے بڑی بے دردی سے مار ڈالا تھا۔ اسکے فریدی تقریباً ایک ہفتے سے پریشان تھا لیکن اُس خوفناک راز کی ایک کڑی بھی ہاتھتے گئی تھی۔ اس سے پہلے اُس کے پاس ایک بہت بڑے گروہ کا کیس تھا جو بہت ہی منظم طریقے پر شہر کے مختلف حصوں میں جواہکھاتا تھا۔ لیکن ابھی تک اُس کا ایک رکن بھی گرفتار نہ ہوا تھا۔ دوسرا کیس اس سے بھی زیادہ اہم تھا اس لئے پہلا کیس سرجنٹ حید کے ہے میں آیا۔ حید نے اسے سر انعام دینے کے سلسلے میں کافی لاٹ و گزاف کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ اُس نے دوران تفتیش میں کبھی فریدی کو ڈھنگ کی روپرٹ نہیں دی۔ نہ اُسے اپنے پروگرام ہی سے متعلق پکھتا یا۔۔۔ شہر کے ایک حصے میں اُس نے ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا جہاں غریب طبقے کے لوگ آباد تھے۔ اپنی داؤں کا بکس اور سانپوں کے مرتبان وہ وہیں رکھا کرتا تھا۔

وہ تین دن سے اسی جگہ پر مجھ نگارہ رکھتا تھا۔ اُسے دراصل تقریب کی ایک عمارت پر شبہ ہو گیا تھا۔ یہ شہر کی ایک مخصوص متمول طبقے کی تقریب گاہ تھی۔ یہاں صرف اُسی طبقے کے افراد شادی بیاہ یا دوسرا تھاریب کے انتظامات معاوضہ لے کر کئے جاتے تھے۔ حید متواتر تین دن سے دیکھ رہا تھا کہ وہاں دن اور رات ایک نہ ایک تقریب برپا رہتی تھی اور اُس میں حصہ لینے والے بھی زیادہ تر مختلف نہیں ہوا کرتے تھے۔ اُس طبقے کے رسم و رواج کے مطابق کوئی غیر اُس عمارت میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ حید کا شہری یقین کی حد تک پہنچتا جا رہا تھا کہ وہ جس عمارت کی تلاش میں ہے وہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ آج بھی صحیح سے کئی بار یہاں مجھ اکٹھا کر چکا تھا اور وہ اس وقت آخی مجھے کے سامنے اپنے بار بار دہراتے ہوئے جملے دہرا رہا تھا۔ اُس ساتھ کی جربی کا کیا پوچھنا۔۔۔ صاف صاف تعریف خلاف تہذیب ہے۔۔۔

اُس نے رک کر ایک شیشی اٹھائی اور مجھ کو دکھا کر کہنے لگا۔ ”اُس میں آتش خور ساتھ کی چربی افی یعنی کوبرا کا لے ساتھ کی چربی، ساغرے کی چربی، اود بلا کی ٹکنی کا پتہ۔۔۔ رو ہو چھلی کا پتہ شامل ہے۔۔۔ بچلی ہے بچلی۔۔۔ نہ پان کی ضرورت نہ پتے کی حاجت۔۔۔ نہ چھالا ڈالتا ہے۔۔۔

آبلہ، پانچ منٹ میں اثر دکھاتا ہے۔ آزمائش کرو۔ اگر غلط نکلتے تو کل یہیں آکر گریبان پکولیں۔ پندرہ دن آپ کے شہر میں قیام کروں گا۔ دلی، آگرہ، کانپور اور لکھنؤ ہوتا ہوا آپ کی شہر میں آیا ہوں اور آپ کے شہر سے کہیں اور چلا جاؤں گا۔ اس طرح آپ کی خدمت بھی کروں گا اور مرشد کا حکم بھی بجا لاؤں گا۔“

پھر اُس نے دوا کی قیمت بتائی اور اُسکی اپنے گروں میں سے ایک نے سب سے پہلے جیب میں ہاتھ ڈالا پھر پندرہ بیس منٹ کی اندر اندر مٹن کے صندوق پر چتی ہوئی شیشیاں صاف ہو گئیں۔ اس دوران میں حید کی توجہ اُس عمارت کی طرف بھی مبذول ہوتی رہی تھی اور اُسے اُس میں داخل ہونے والوں میں شہر کا ایک مشہور جو اری بھی دکھائی دیا تھا اور وہ اُس طبقے سے متعلق نہیں تھا۔ مجھ ختم کرنے کے بعد حید نے سامان سمیٹنا شروع کیا۔ اس وقت اس کا ارادہ عارضی قیام گاہ کی طرف جانے کا نہیں تھا۔ اُس نے ایک تانگے پر سامان بار کرایا اور فریدی کی کھنی کی طرف چل پڑا۔

ایک سائیکل سوار اُس کا تعاقب کر رہا تھا۔ حید نے پہلے تو اُس کی طرف دھیان نہیں دیا لیکن وہ ایک بار اُسے تانگے سے آگے نکلتے اور پھر رفارم کم کر کے تانگے کے پیچے لگتے دیکھ کر لٹک گیا۔ حید اُس کا صورت آشنا تھا۔ اُس نے اسے اکثر اُس مشتبہ عمارت کے سامنے والے ریسٹوران میں دیکھا تھا۔

”بھائی۔۔۔ اُس نے تانگے والے کو بلند آواز میں مخاطب کیا۔ ”شاید میں راست بھول رہا ہوں۔۔۔“
”کیوں۔۔۔ آپ ہی نے تو۔۔۔“

”ہاں ہاں۔۔۔ حید اُس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”وہ جو کلاک تاوار ہے تا۔۔۔ اُس کے سامنے والی سڑک پر پڑوں پہپ والی گلی میں۔۔۔“

”مگر آپ۔۔۔“ تانگے والے کے لبھ میں جھلاہٹ تھی۔ ”آپ نے تو۔۔۔“

”میاں بگڑو نہیں۔۔۔ پر دیسی ہوں بھول ہوئی۔۔۔ جو نی زیادہ لے لیتا۔۔۔“
تانگے والی بڑی تارہ۔۔۔ پھر اُس نے اگلی سڑک پر حید کی عارضی قیام گاہ کی طرف تانگہ موز دیا۔ سائیکل سوار اب بھی تانگے کے پیچے لگا ہوا تھا اور حید ایسا بے تعلق نظر آ رہا تھا جیسے کوئی

بات ہی نہ ہو۔ اُس نے جیب سے نسوار کی شیشی تکالی اور دو چکلیاں تاک کے دونوں تنخنوں میں بچھا کیا لیکن پھر اسے اپنی حمایت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ اس بھیس کے دوران میں اپنی جیب میں نسوار کی شیشی ضرور رکھتا تھا۔ لیکن آج تک استعمال کرنے کی بہت نہیں پڑی تھی۔ تنخنوں میں جلن اور تاک میں تیز قسم کی سرسری ہوتے ہوئے گلی لیکن وہ حتی الامکان چھینک روکنے کی کوشش کر رہا تھا کیونکہ چھینکیں شروع ہوتے ہی انہی پن فوراً ظاہر ہو جاتا۔ اُس کے جسم کے سارے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی کھال گوشت چھوڑ رہی ہو..... آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ بہر حال وہ چھینک نہ روک سکا۔ البتہ اسے کھانی میں چدیل کرتے وقت جیب سے رومال نکال لیتا پڑا اور پھر وہ تجھے اُس طرح کھانے لگا جیسے دورہ پڑا ہو۔ اس طرح طلق میں خراش ضرور آگئی لیکن تاک کی تکلیف دہ سرسری ہتھ سے نجات مل گئی۔

تعاقب برادر جاری رہا۔

حیدرہائش گاہ پر پہنچ کر سامان اٹارنے لگا اور تعاقب کرنے والا آگے بڑھ گیا۔ حیدر سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ اب تو اُسے سونی صدی یقین ہو گیا تھا کہ اُس کی اتنے دنوں کی محنت بیکار نہیں گئی۔ اُس نے سوچا کہ فریدی کو فوراً اُس کی اطلاع دے دے لیکن دوسرے ہی لمحے میں خود نمائی کی جلت نے اُبھر کر اس خیال کا گلا گھونٹ دیا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اسکے ہی یہ معمر کر کرے۔ اس طرح وہ فریدی کے اس خیال کا مٹھکہ اڑا سکے گا جس کی رو سے وہ عملی اعتبار سے گلما تھا۔ حیدر اندھیرا چھیلے کا انتظار کرنے لگا۔ اُس نے تھیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح عمارت میں ضرور داخل ہو گا۔ مجھ لگانے کے دوران میں اُس نے اس عمارت میں داخل ہونے کا طریقہ بھی دیکھ لیا تھا۔ آنے والے دربان کو دعویٰ کارڈ دکھا کر اندر داخل ہوتے تھے۔ حیدر نے اچھی طرح اندازہ لگایا تھا کہ وہ دراصل کسی تقریب کے دعویٰ کارڈ، ہی کا ڈھونگ تھا۔ اسی طرح صرف انہیں لوگوں کی رسائی دہاں تک ہو سکتی تھی جو معتبر تھے۔ یعنی وہ کارڈ ایسے ہی لوگوں میں تقسیم کیے جاتے تھے جن کے متعلق اس کے گروہ کو پورا پورا اطمینان تھا کہ وہ اس راز کو ظاہر نہیں کریں گے۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد حیدر اُسی عمارت کی طرف واپس جا رہا تھا۔ لیکن اس بار اُس نے امیر اوباشوں کی سی وضع اختیار کی تھی۔ کچھ دور پل کر اُس نے ٹیکی کی اور اُس عمارت

کے سامنے والے ریسٹوران کے قریب جا کر آتی۔ ریسٹوران میں بھیڑ کم تھی۔ البتہ باہر والا حصہ کچھ کم جھ بھرا ہوا تھا۔ حیدر چائے خانے میں گھس گیا۔ اتفاق سے ایک کھڑکی کے قریب کی میز خال تھی۔ وہ اسی پر جم گیا۔ یہاں سے اُس عمارت کا چھانک زیادہ دوڑنیں تھیں۔ حیدر ارادہ کر کے ادھر نکل تو آیا تھا مگر عمارت میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر ابھی تک نہیں سمجھی تھی۔
وہ کافی دیر تک مخفی چائے کی چکلیاں لیتا رہا لیکن بے سود۔ عمارت میں داخل ہونا آسان کام نہیں تھا۔ اگر وہ کسی دیر ان جگہ پر ہوتی تو وہ دیواریں بھی چھلانگ جاتا۔ اگر اس پر بھی بس نہ چلتا تو وہ نقشبندی کے امکانات پر غور کرتا لیکن یہاں بھرے پرے بازار میں اُن کا خیال ہی احتمانہ تھا۔

وہ دنیا و مفہوم سے بے خبر چھانک کی طرف ٹکلکی لگائے بیٹھا تھا حتیٰ کہ وہ اُس نامعلوم آدمی کے وجود سے بھی بے خبر تھا جو اُس کی قیام گاہ سے اُس کے پیچے لگا ہوا یہاں تک چلا آیا تھا۔ وہ اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھا شام کا اخبار دیکھ رہا تھا لیکن یہ وہ آدمی نہیں تھا جس نے آج شام کو اُس کا تعاقب اُس کی قیام گاہ تک کیا تھا۔

دفعہ حیدر کو اس عمارت کے چھانک پر دو آدمی دکھائی دیئے۔ دونوں نے اپنے جیبوں سے کارڈ نکالے لیکن ایک نے پھر اپنا کارڈ جیب میں رکھ لیا۔ اُس کا ساتھی تو اندر چلا گیا مگر اس کا رخ ریسٹوران کی طرف تھا۔ پھر حیدر نے اُسے بارہ والے حصے میں داخل ہوتے دیکھا۔ حیدر نے جلدی جلدی چائے ختم کی بل ادا کیا اور ریسٹوران سے باہر نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں ایک تدبیر ابھر تو آئی تھی لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ بارہ میں جائے یا نہ جائے۔

اُس آدمی نے اندر پہنچ کر ادھر اور ہر نظر ڈالی اور سیدھا پیشافتخاروں کی طرف چلا گیا۔ حیدر بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس حصے میں جہاں پیشافتخارے تھے اندر ہر ایسا۔ البتہ پیشافتخاروں کے اندر وہندی وہندی روشنی تھی۔ حیدر دبے پاؤں اُسی لیٹرین میں داخل ہو گیا جس میں وہ آدمی گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کا ایک ہاتھ اسکے منہ پر تھا اور دوسرًا اُس کی گردن دبارہ تھا۔ پھر اُس نے اُس کا سر دیوار سے مکڑا دیا۔ وہ لہر اکر زمین پر آ رہا۔
پھر حیدر نے جھرت اگنیز پھرتی کے ساتھ اُس کے کوٹ کے اندر ورنی جیب میں ہاتھ ڈالا کارڈ

موجود تھا۔ اُس نے اُسے اپنی جیب میں ڈالا اور بے ہوش آدمی پر اچھتی نظر ڈالتا ہوا باہر نکل گیا۔

دہاں سے وہ ایک دوسرے ریستوران میں پہنچا اور بیرے کو کافی کا آرڈر دیتا ہوا ایک خالی کیبن میں گھس گیا۔ قیام گاہ سے یہاں تک تعاقب کرنے والا اب بھی اُس کے پیچے لگا ہوا تھا۔ لیکن وہ کسی کیبن میں بیٹھنے کی بجائے کھلے ہاں ہی میں بیٹھ گیا تھا۔

حید نے کارڈ نکالا۔ اُس میں کسی جیسی بھی کو اپنے بیٹھے کی شادی کے سلسلے میں مدعو کیا تھا۔ حید نے متین خیر انداز میں سر ہلا کر کارڈ پھر جیب میں رکھ لیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب وہ رسم جی کارول ادا کرے گا اور اسے اس بات کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہ تھی کہ اُس آدمی کے ہوش میں آنے پر اُس کی اس حرکت کا کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔ میں اُس کے سر پر اُس عمارت میں داخل ہونے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔

اس نے گرم گرم کافی طلق میں انٹیلینی شروع کر دی۔

پھر کچھ دیر بعد وہ عمارت کے چھانک پر کھڑا دربان کو کارڈ دکھارا ہتا تھا اور اُس کا تعاقب کرنے والا اپنی موڑ سائکل اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اور حید نے عمارت میں قدم رکھا اور وہ کسی طرف روانہ ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بہت جلدی میں ہو۔

حید ایک کافی وسیع ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ یہاں چاروں طرف بے شمار چھوٹی چھوٹی میزیں پڑی ہوئی تھیں اور اعلیٰ پیانا نے پر مختلف قسم کا جواہر ہتا تھا۔ حید نے ان جام سے بے پرواہ ہو کر دل ہی دل میں ایک زور دار قیچہ لگایا کہ اس بار فرییدی کو اس کی ذہانت کا قاتل ہونا ہی پڑے گا۔

اندر چکنچت پر ایک آدمی نے پھر اس کا کارڈ دیکھا اور بلند آواز میں ”رسم جی“ کی ہاں لگائی اور پھر ایک طرف اشارہ کر کے آہستہ سے بولا۔

”میز نمبر اٹھائیں.....!“

حید اس میز کی طرف بڑھا۔ اُس پر تین آدمی تھے اور چوتھی کرسی خالی تھی۔ اسی میز کا ایک آدمی اُسے تحریر آمیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ حید کوطمینان تھا کہ وہ جو اکھیل سکے گا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے اُس کے لئے تیار ہو کر آیا تھا۔

وہ خالی کرسی پر بیٹھنے ہی جا رہا تھا کہ وہ آدمی کھڑا ہو گیا جو اسے گھور رہا تھا۔

”آپ کی تعریف.....!“

”رسم جی.....!“ حید نے لاپرواں سے کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے کسی نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا پڑا۔ وہ اسے پہچان رہا تھا۔ یہ آدمی وہی تھا جو رسم جی کے ساتھ تھا۔

”بابا کا نام.....؟“

”کیوں.....؟“ حید اسے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ آدمی نہ س کر بولا۔ ”میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔“

پھر وہ اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ اُس میز کے بقیہ دو آدمی نئے میں بُری طرح دھت تھے۔

”اوی چل گیا۔“ ان میں سے ایک منہ میں انگوٹھا ڈال کر بولا۔ ”ہم بھی جائیں گا۔“

”نہیں جانی تم بیٹھے گا۔“ دوسرا اس کے کانٹھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”تم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔“

”نہیں ہام تمہارا جورو کا بھائی ہے۔“ پہلے نے کہا۔

”ہاٹ سالا، ہم تمہارا جورو کا بھائی ہے۔“ دوسرا قیچہ لگا کر بولا۔

”کیوں بابا.....؟“ پہلے نے حید سے پوچھا۔

”تمہاری جورو.....!“ حید بھناہت میں گالی بکتے بکتے رہ گیا۔ اگر کوئی اور موقعہ ہونا تو وہ ان دونوں میں کافی دلچسپی لیتا۔ مگر فی الحال تو اس کا ذہن اٹھ کر جانے والے میں الجھ کر رہا گیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اُسے شہہر ہو گیا ہے۔

”ہاں ہاں..... ہمارا جورو بڑا جور دار ہے۔“ وہ حید کے کانٹھے پر ہاتھ رکھ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بھی ابھی لوٹا ہے۔ ہمارا جورو تم کو آم کاماںک.....!“

حید اُس کا ہاتھ بھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں نے قیچہ لگایا۔

”ڈور گیا ڈر گیا.....!“ دوسرا تالیاں بجا کر چینا۔ ”پچھے ہے..... ٹاہ۔ ٹاہ۔“

حید پھر بیٹھ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ رسم جی کا ساتھی نہ جانے

طرح دکھر تھی۔ وہ کراہ کر انٹھا اور دیوار سے نیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی تک آنکھوں کے سامنے ہلکی ہلکی دھنڈ چھائی ہوئی تھی۔

تموڑی دری بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ایک جھوٹے سے کمرے میں قید ہے۔ کافنوں کی سنناہٹ ختم ہوتے ہی اسے کمرے کے باہر شور سنائی دینے لگا۔ ایسا معلوم ہوا رہا تھا جیسے کہ ایسا اور میز میں ٹوٹ رہی ہوں۔ لوگ ایک دوسرے پر گر رہے ہوں۔ بہر حال تو چھوڑ کی آواز اور لوگوں کی چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر دروازے کے قریب آیا اور اسے دنوں ہاتھوں سے پہنچنے لگا۔ یہ اس کا قطعی اضطراری فعل تھا۔ پھر جیسے چیزیں اُس کا ذہن صاف ہوتا گیا اُس کے ہاتھ رکتے گئے۔ اول تو اُس شور و شغب میں اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور پھر دروازہ پہنچنے سے کیا حاصل۔ بہر حال اسے اپنی حمایت پر افسوس ہوا تھا کہ اُس نے فریدی کا مشورہ لئے بغیر یہ حرکت کیوں کر دی۔

پھر وہ باہر کے شور کے متعلق سوچنے لگا۔ آخر یہ شور کس قسم کا تھا۔

دنخنا کسی نے اُس کمرے کے دروازے پر ٹھوکر ماری اور حمید چونکہ کر پہنچے ہٹ گیا۔ دروازے پر متواتر ضربیں پڑ رہی تھیں۔ تموڑی دری بعد چڑھا ہٹ سنائی دی اور دروازہ ٹوٹ کر زمین پر آ رہا۔ حمید اگر بجلی کی سرعت کے ساتھ ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو اُس کا زخم ہو جانا یقینی تھا۔

اور پھر اُس کے منہ سے خوشی کی چیز نکل گئی۔ یہ پولیس والے تھے۔

”حضرت مل گئے۔“ انپکڑ جلدیش چینا۔

حمدیڈوٹے ہوئے دروازے پر سے جست لگا کر باہر نکل آیا۔ انپکڑ فریدی ایک میز پر کھڑا گرفتار شدگان کا جائزہ لے رہا تھا۔ حمید اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر پکڑے جانے والوں کی بھیڑ میں گستاخلا چلا گیا۔ وہ اُس لمبوترے چہرے والے کو تلاش کرتا پھر رہا تھا لیکن وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

پھر کسی نے اُس کے کامنے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونکہ کر پلٹا۔ فریدی طنزیہ انداز میں مکرا رہا تھا۔

کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اگر وہ باہر گیا تھا تو حمید کا راز فاش ہونے میں دریثہ لگے گی۔ وہ یقیناً اُسے تلاش کرنے کے لئے بار میں جائے گا۔ وہ دونوں ساتھ ہی آئے تھے۔ اس نے رسم ہی نے اُسے وقت علیحدگی کے متعلق ضرور بتایا ہو گا۔ ممکن ہے اس نے اس سے کہا ہو کہ وہ دو ایک پیگ پی کر واپس آجائے گا۔

”کیوں بیٹھا ہوتی ہے۔“ ان میں سے ایک حمید کے منہ کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

”ہوتی ہے۔“ حمید نے ناش کی گذی انھا کر میز پر ٹھنڈی دی۔

اسنے میں ایک اور آدمی آ کر خالی کری پر بیٹھ گیا۔ یہ پستہ قد مر گھٹھیلے جسم کا آدمی تھا۔ چہرہ لمبورہ اور مٹھکہ خیز تھا۔ چہرے کی مناسبت سے ناک بہت چھوٹی تھی کان دیکھ کر حمید کو خچر کے کان یاد آگئے۔

”آپ بہت دنوں کے بعد دکھائی دیجے۔“ اُس نے حمید سے کہا۔

”میں باہر چلا گیا تھا۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”چھلی بار.....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک کر اپنی داہمی آنکھ مسلسلے لگا پھر بولا۔ ”زراد کیجئے کچھ پڑ گیا ہے۔“

حمدیڈ اُس کی آنکھ میں دیکھنے کے لئے جھکا ہی تھا کہ اُس کے جبڑے کی ہڈیاں کو کڑا گئیں اور وہ کری سے اچھل کر دیوار سے جاٹکرایا۔ فبل اس کے کہ وہ سنبھالا لمبورے چہرے والے نے اُس کا گریبان پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ اس بار اُس کی داہمی آنکھی پر گھونسا پڑا اور زمین پر گرتے ہی اُس نے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر ایک ٹھوکر بھی محسوس کی۔ پھر وہ وسیع ہال اپنے ساز و سامان سمیت تیزی سے گردش کرنے لگا۔ فانوس کی ٹھنڈی روشنی آگ انگلے لگی اور پھر..... تاریکی کی گہری چادر نے اسے اندر ہوں میں سلا دیا۔

درندگی

وہ نہ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ پھر ہوش میں آتے ہی اُس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا جو ہڑی شدت سے دکھ رہا تھا۔ چہرے اور داہمی آنکھ پر ورم آ گیا تھا۔ پیٹھ بھی بُری

”بہت اچھے۔“ اُس نے کہا۔ ”خاصے کارٹون لگ رہے ہو۔“
حید جیپ کر بلیں جھائکنے لگا۔

”اوپر بھی دیکھ لیں۔“ فریدی نے کوتولی انچارج جگدیش سے کہا۔
پھر وہ تیوں کچھ کاشیلوں کے ساتھ اوپری منزل میں چلے گئے۔ فریدی قطبی خاموش تھا۔
اس نے پھر حید سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن حید بھی طرح جانتا تھا کہ گھر پہنچنے ہی شامت آجائے گی۔
اوپر کے بیتیرے کمرے مغلل تھے۔

سارے قفل ایک ایک کر کے توڑے جانے لگے۔ ایک کمرے میں ایک خوبصورت اور
نو جوان عورت ملی جس کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ پولیس والوں کو دیکھ کر وہ
بے تعاشر روپڑی۔ استفسار پر اُس نے بتایا کہ تین دن قبل سینما سے واپسی پر چند بدمعاشوں نے
اُسے پکڑ لیا تھا اور اُس سے ایک کشیر قم کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اُس کے بیان سے معلوم ہوا کہ وہ
شہر کے ایک بہت بڑے تاجر کی بیوہ تھی۔ حید نے اُسے رسیوں سے آزاد کرتے وقت محبوس کیا
کروہ بخار سے بھن رہی ہے۔

اُسے فوراً ہسپتال بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔ وہ تو اپنے گھر جانے پر مصحتی لیکن باقاعدہ
بیان لیے بغیر یہ چیز ناممکن تھی۔

اُس کی سرخ سرخ شیلی آنکھیں دیر جمک حید کے ذہن پر چھائی رہیں لیکن اسی کے ساتھ
ہی ساتھ وہ لمبترے چہرے والے کے لئے بھی بے چین تھا۔ حید کو اس کا گمان بھی نہیں تھا کہ وہ
اس طرح دھوکے میں رکھ کر اُس پر حملہ کر دے گا۔ ورنہ شاید وہ اس بُری طرح مارنے کھاتا اور اب
رہ رہ کر اُس کا خون جوش مار رہا تھا۔ اگر وہ اس وقت میل جاتا تو وہ اُس کی بویاں اڑادیتا۔ اُس کا
ذہن اس بُری طرح الجھا ہوا تھا کہ اُس نے فریدی سے یہ بھی نہ پوچھا کروہ یہ کیا پہنچ
کیے گیا۔

”کیا تم کسی کی تلاش کر رہے ہو.....؟“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔
”ہاں مجھے ایک لمبترے چہرے والے کی تلاش ہے۔“ حید دانت پیس کر بولا۔
”وہ نکل جانے میں کامیاب ہو گیا۔“ فریدی نے کہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”کیا اُسی نے

تمہاری یہ درگت بنائی ہے؟“

”بس زیادہ تاؤ نہ دلائیے مجھے۔“ حید بڑا بڑا۔

”خیر خیر.....!“ فریدی کچھ اور کہتے کہتے رک گیا۔ اُس کی نظریں کاریڈور میں پڑے ہوئے
کپڑوں کے ایک ڈھیر پر جم کر رہے گئیں تھیں۔ ایک کاشیل نے آگے بڑھ کر اُسے پیر سے سر کایا۔
اور پھر ان سب کے منہ سے جھیں نکل گئیں۔

یہ ایک خوبصورت اور تدرست لڑکے کی لاش تھی جسے بڑی درندگی کے ساتھ نوجاگیا تھا۔
فریدی بے ساختہ اُس پر جھک پڑا۔ تھوڑی دیر تک بغور اُسے دیکھا رہا پھر سر اٹھا کر آہستہ سے
بولा۔ ”حید اب مجھے تمہاری اس حمافت پر ذرا برا بر بھی افسوس نہیں۔“

حید کچھ نہ بولا۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جگدیش اور اُس کے
ساتھیوں کے ہونٹ نکل ہو گئے تھے شہر میں یہ ایک عین نوعیت کی پانچویں لاش تھی۔ اس سے پہلے
والی لاشیں کسی مکان یا پارشیدہ جگہ سے رآئیں ہوئی تھیں۔

فریدی نے جیب سے محدب شیشہ نکلا اور دیر تک لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا رہا۔ پھر
زمیں سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”کوئی نشان نہیں..... لاش انہوادو۔“

پولیس نے ایک لاکھ پچین ہزار روپے اپنے قبضے میں کیے اور تہر قیدیوں کو لاریوں میں بھر
کر کوتالی کی طرف روانہ ہو گئی۔

فریدی خاموش تھا۔ حید سمجھا تھا کہ تمہاری نصیب ہوتے ہی اُسے نہ جانی کتنی کڑوی کیلی
باتیں طلق سے اتنا رنی پڑیں گی۔ لیکن خلاف توقع فریدی کچھ نہیں بولا۔ تقریباً بارہ بجے رات کو
کوتالی سے فرست ملی۔ اُس عورت کا پیان قلم بند کرنا دوسرا صبح تک کے لئے متوی کر دیا گیا۔
فریدی کا خیال تھا کہ بخار کی شدت کی وجہ سے اُس کا دماغ قابو میں نہ ہو گا۔
ایک بجے وہ دونوں گھر پہنچے۔

فریدی اب بھی خاموش تھا۔ حید کو الجھن ہونے لگی۔

”آپ دہاں پہنچنے کس طرح تھے؟“ حید نے اُس کی خاموشی سے اکتا کر پوچھا۔

”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اُس اڑے سے واقف نہیں تھا۔“ فریدی نے پچھلی مسکراہٹ کے

ساتھ کہا۔

”تو کیا آپ کو میری گرفتاری کی اطلاع ہو گئی تھی۔“

”نہیں..... لیکن تم نے اندر داخل ہونے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا تھا اُس کی اطلاع

ملے ہی میں چل پڑا تھا۔“

حیدر اے پر خیال نظر وں سے دیکھتا رہا۔ فریدی تھوڑے توقف کے بعد پھر بولا۔ ”وہاں

آن کے جانے بیچانے آدمی ہی داخل ہوتے ہیں اس لئے میں نے سوچا کہ تم پر کوئی نہ کوئی

صیبیت ضرور ناصل ہو گی۔“

”لیکن آپ کو اطلاع کیسے ملی تھی؟“

”میں تمہاری طرف سے بے خبر نہیں تھا،“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میرا ایک آدمی تمہارے

ساتھ برابر لگا رہتا تھا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم نہ جانے کہاں ہوتے۔“

”جب آپ پہلے ہی سے اُس اڑے سے واقف تھے تو آپ نے کوئی کارروائی کیوں نہیں

کی؟“ حیدر جھنگلا کر بولا۔ ”خواہ مخواہ مجھے اس طرح ذمیل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اچھا جی.....!“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”میں نے کچھ کہا نہیں تو آپ شیر

ہو رہے ہیں۔“

” بتائیے نا آخر..... یہ کوئی تصوف کا مسئلہ تو تھا نہیں۔“

”میں اُس گروہ کے سراغنہ کے چکر میں ہوں۔ جس کی خصیت آج تک پرده راز میں

ہے۔ میرا خیال ہے کہ جتنے لوگ پکڑے گئے ہیں ان میں سے ایک کا بھی تعلق اُس گروہ سے نہ

ہو گا۔ گروہ والے سب نکل گئے۔ یہ تو بے چارے بد نصیب کھلاڑی تھے۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔

”مجھے انہوں ہے کہ وہ لمبورٹے چہرے والا نکل گیا۔“ حیدر نے کہا۔

”پھر سکی۔“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔ ”اب تو تم مار دھاڑ اور سراغ

رسانی پر آمد ہی ہو گئے ہو خیر تم میں زندگی تو پیدا ہوئی لیکن نہیں ابھی کوئی عورت مل جائے.....

پھر تم ایک کچھے کی طرح حقیر ہو جاؤ گے۔“

”مگر ایسے نہیں۔“ حیدر جل کر بولا۔ ”اگر کسی کے ریوال کا نشانہ بننا تو دیوار سے سرگرا کر جان دے دوں گا۔“

”اب خود ہی عورتوں کی طرح ہونے لگے۔“

حیدر نے بیزاری سے منہ پھیر لیا۔ اُس کی چوٹیں بُری طرح دکھر ہی تھیں اور آج رات تیند آنے کے امکانات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے وہ گفتگو کو طول دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن فریدی نے ایسا مسئلہ پھیر دیا..... کہ قہر درویش پر جان درویش کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا۔ بہر حال وہ اس موضوع کو ختم ہی کر دینا چاہتا تھا۔

”ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”کیا.....؟“

”جو لوگ بلا کسی خوف و خطر ان لاشوں کو پیک مقامات پر لا سکتے ہیں وہ انہیں کسی دیرانے میں لے جا کر دفن بھی کر سکتے ہیں۔“

”یقیناً.....!“

”پھر آخروہ انہیں شہر میں چھینکے کا خطرہ کیوں مول لیتے ہیں؟“

”ڈھنگ کا سوال ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تمہیں یہ سن کر جنت ہو گی کہ ان میں سے اکثر قتل دیران مقامات ہی پر ہوئے ہیں لیکن لاشوں کو شہر میں لا ڈالا گیا ہے اور اس وقت جو لاش ملی ہے وہ بھی کہیں سے لائی ہی گی ہے۔“

”یا آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

”اگر آنکھیں کھلی رکھو تو اتنے بچکا نے سوالات نہ کرنے پڑیں۔“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”اُس عمارت میں ہمیں کسی جگہ اتنی مقدار میں خون نہیں ملا کہ تم ایسا سوچ سکیں۔ خود لاش کے نیچے خون کے معمولی دھبے ملے ہیں لاش پر پائے جانے والے کپڑوں کے ڈھیر میں بھی خون نہیں تھا۔“

حیدر خاموش ہو گیا۔ بات بالکل سامنے کی تھی لیکن وہ باتوں کی رو میں ایک احقانہ سوال کر بیٹھا تھا۔ بہر حال وہ اب بھی فریدی کی طرف جواب طلب نظر وں سے دیکھ رہا تھا۔

کرنے کے بعد میں جھریاں کی طرف گیا۔ پھر اُس گاؤں میں بھی چلا گیا۔ وہاں تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شکل و شباهت کے لڑکے کو کسی نے وہاں نہیں دیکھا تھا۔ میں پھر جھریاں لوٹ آیا۔“
فریدی خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیریک خاموش رہا پھر بولا۔

”تم نے کبھی جھریاں کی پہاڑیوں کی سیر کی ہے؟“
حید نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”دیچپ جگہ ہے۔ مگر پنک پر جانے والے انہیں عموماً نظر انداز کرتے ہیں۔ میں بھی اس سے پہلے کبھی ان پہاڑیوں پر نہیں چڑھا تھا۔ باہر سے تو وہ بالکل خشک اور بے جان پھر وہ کی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان کے درمیان میں بڑی ہریاں ہے۔“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔ حید سونپنے لگا کہ شاید فریدی پر نیند نے حملہ کیا ہے تھی وہ موضوع سے بھٹک رہا ہے۔ قتل کی بات کرتے کرتے پہاڑیوں کی ہریاں پر آگیا۔ لیکن اُس نے اُسے نوکا نہیں۔ بعض اوقات اُسے کچھ فریدی پر حرم آنے لگتا تھا۔ پس ہر وقت کام کی دھن۔ کبھی کبھی کھانا پینا تک بھول جاتا تھا اور فرصت کے اوقات میں یا تو مطالعہ یا کتوں اور دوسرے جانوروں کی دلکھ بھال یا پھر کسی نئے کیمیاوی تجربے کا چکر۔ حید کے خیال نکے مطابق وہ ایک مظلوم آدمی تھا جو خود پر ظلم کر رہا تھا۔ اپنی جنسیت کو بے دردی سے پکل رہا تھا۔ حید سوچ رہا تھا کہ کیا واقعی اُسے کبھی عورت کا پیار نصیب نہ ہو سکے گا۔ عورت کے خیال پر اُس کے ذہن نے اُس عورت کی طرف جست لگائی جو اُسے عمارت میں مل تھی۔ کتنی حسین تھی وہ۔ پھر یکاک اُسے لمبورٹے چہرے والا یاد آگیا اور اُس کا خون کھولنے لگا۔

”یہ مٹھیاں کیوں بھینچ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”اُوں.....!“ حید چوک پڑا۔ ”کچھ نہیں..... ہاں تو اُن پہاڑیوں پر بڑی ہریاں ہے۔“

”تم اُلوہو۔“ فریدی نہیں پڑا۔ ”تمہیں اُس لمبورٹے چہرے والے پر غصہ آ رہا ہے۔“

”نہیں تو۔“ حید کھلیاں نہیں کے ساتھ بولا۔ ”آپ اپنی تحقیقات کے متعلق بتا رہے تھے۔“

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں نے ان پہاڑیوں میں ایک جگہ خون کے بڑے بڑے دھبے دیکھے تھے۔ کچھ کپڑوں کے چیڑھرے بھی۔ ان میں سے ایک دھی

”تمہارا پہلا سوال یقیناً لچکپ تھا۔“ فریدی پھر بولا۔ ”یہ حقیقت ہے کہ لاشوں کو بے آسانی ذُن بھی کیا جاسکتا تھا یا پھر اس کے ملنے کوڑ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے آخ رج مر اپنے جرام کو منظر عام پر کیوں لارہا ہے۔“ فریدی خاموش ہو کر کچھ سونپنے لگا۔

”آپ کا کیا خیال ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”عقلی گداں کر کیا کرو گے۔ جو کچھ بھی کہوں گا اس کے لئے فی الحال کوئی منطقی دلیل نہ پیش کر سکوں گا۔ ویسے میری دانست میں مجرم کوئی انہا پسند قسم کا اذیت کوش (sadist) ہے۔ وہ حصول لذت کے لئے محض مارڈالا ناہی کافی نہیں سمجھتا بلکہ لاشوں کے ذریعہ شہر میں سننی پھیلا کر اُس سے بھی لطف انداز ہوتا چاہتا ہے۔“

”لیکن آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مجرم کا جنون وحشیانہ پن کی حد تک پہنچ گیا ہے۔“

”قطی..... ہمیں ابھی تک جتنی بھی لاشیں ملی ہیں وہ کم عمر لڑکوں کی ہیں کسی کی عمر پندرہ سو لے سے زیادہ کی نہیں تھی۔ بھی وجہ ہے کہ میں اس تینجے پر پہنچا ہوں۔ ویسے حقیقت خدا ہی جانے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور بات بھی ہو۔“

”لیکن میں پھر کہوں گا کہ آخ رلاشوں کو منظر عام پر ڈالنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟“

”اذیت پسندی کی انہا۔“ فریدی بولا۔ ”مجرم لاش کے وارثوں کی گریہ وزاری اور پیلک کی خوفزدگی سے بھی لطف انداز ہوتا چاہتا ہے۔ اذیت پسندی کی درجنوں قسمیں ہیں اور شاید ہم انہائی قسم سے دوچار ہیں۔ اس حد تک پہنچنے کے بعد اکثر جنونی اپنی بوٹیاں تک بوج ڈالتے ہیں۔“

حید خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ فریدی کے خاموش ہوتے ہی بولا۔

”آپ نے کہا تھا کہ قتل کی ویرانے ہی میں ہوئے ہیں۔“

فریدی نے سر کو خفیہ سی جنیش دی کر کہا۔ ”دو ہنپتے کو جو لاش مل تھی اُس کے متعلق تحقیقات کرنے پر میں نے بھی اندازہ لگایا ہے۔ وہ لفڑی کاٹھ میں پڑھتا تھا اور اتوار کو دس چدرہ لڑکوں کی ٹولی کے ساتھ پنک پر جھریاں گیا تھا۔ واپسی پر وہ اُن سے الگ ہو گیا۔ اُس نے اُن سے کہا تھا کہ وہ قریب کے ایک گاؤں میں اپنے کسی عزیز سے ملنے کے لئے جا رہا ہے۔ میں اُس لڑکے کے والدین سے ملا۔ انہوں نے بتایا کہ اُس گاؤں میں اُن کا کوئی عزیز نہیں تھا۔ شہر میں تحقیقات

مقتول کی قمیض کی بھی ثابت ہوئی۔ ایک انگوٹھی ملی جسے مقتول کے والدین نے شناخت کر لیا کہ، طرف انھی تھیں۔ انپندر فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتا ہوا ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔
 اسی کی تھی اور میں! لیکن مجرم! وہ ابھی تک پردہ راز ہی میں ہے۔“
 ”انپندر فریدی صاحب۔“ جلدیش احتراماً امتحا ہوا بولا۔ ”آپ لیڈی جہاگیر عادل جی۔“
 ”میں جانتا ہوں۔“ فریدی جلدیش کی بوکلاہٹ سے لف انداز ہوتا ہوا بولا۔ ”بچھل
 رات میں بھی موجود تھا۔“

”اوہ..... ہی..... ہی..... ہی.....!“ جلدیش احمقوں کی طرح ہنسنے لگا۔
 ” غالباً آپ جا رہتی ہیں۔“ فریدی لیڈی جہاگیر کی طرف مڑ کر بولا۔ وہ چوک پڑی۔
 فریدی کو بڑی انہاک سے دیکھ رہی تھی۔ حید کچھ بدبدانے لگا۔

اس وقت فریدی بہت بچ رہا تھا۔ ہلکے نیلے رنگ کے سرخ کے سوت میں اس کا چہرہ بڑا
 حسین معلوم ہوا تھا۔

”مجاہاں..... میں جا رہی ہوں۔“ لیڈی جہاگیر اپنے خلک ہونتوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔
 ”بہتر ہے۔“ فریدی نے جلدیش کو خاطب کیا۔ ”ایک کاشیبل آپ کے ساتھ کر دو۔“
 ”وہ تو.....!“ ہمڈ کی بات ہونتوں ہی میں رہ گئی کیونکہ فریدی اُسے گھوڑا رہا تھا۔
 لیڈی جہاگیر ایک بار پھر ان سب کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چل گئی۔

”شام نے۔“ حید نے جلدیش کو خاطب کیا۔ ”پھر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔“
 جلدیش ہنسنے لگا۔ لیکن کچھ بولانہیں۔ فریدی حید کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر لایا۔
 ”وہ کس قسم کا پھر تھا حید صاحب جس سے ٹکرانے کے بعد تم کارٹوں بن گئے۔“ فریدی
 نے مسکرا کر پوچھا۔

”وہ پھر.....!“ حید دانت پیس کر رہا گیا۔
 فریدی ہنس رہا تھا۔

”غدا کی قسم! آپ اس مجرم سے زیادہ اذیت پسند ہیں۔“
 ”آختم اس کے ساتھ جا کر کرتے کیا؟“ فریدی نے پوچھا۔
 ”اُس کا گریبان پکڑ کر آپ کے لئے دعائے خیر کراتا۔“ حید جھلا کر بولا۔
 فریدی پھر ہنسنے لگا۔ ”کیا تم نے صحیح آئینہ نہیں دیکھا؟“

ناکام تفتیش

دوسرے دن صبح حید فریدی کو بتائے بغیر ہسپتال پہنچ گیا۔ انپندر جلدیش اُس عورت کا بیان
 لے رہا تھا۔ حید کو دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں مسکرا۔ وہ بھی اُس کی حسن پرست طبیعت سے
 بخوبی واقف تھا۔

”ہمارے سراغ رسال حید صاحب۔“ جلدیش نے کہا۔ ”جس پوچھئے تو آپ اُنہیں کی
 بدولت رہا ہوئی ہیں۔“

حید جلدیش کی بات اڑا کر اس سے اُس کی خیریت پوچھنے لگا۔

”میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔“ عورت مسکرا کر بولی۔ ”میں اب گھر جانا چاہتی ہوں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ حید نے کہا۔ ”آپ جب چاہیں جاسکتی ہیں۔“ پھر وہ جلدیش کی طرف
 مڑ کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں نے غلط نہیں کہا۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بیان لے چکا ہوں۔“ جلدیش نے کہا۔

ڈاکٹر نے بھی اجازت دے دی کیونکہ بیمار رات ہی میں اتر گیا تھا اور کوئی ایسی خاص بات
 بھی نہیں تھی جس کی بناء پر اسے ہسپتال میں روکا جاتا۔

”میں آپ کو گھر تک پہنچا دوں گا۔“ حید نے کہا۔

”بڑی مہربانی..... آپ کا احسان۔“ وہ وفتحا خاموش ہو گئی۔ اُس کی نظریں دروازے کی

حمد آسے گھون نے لگا۔

”مطلوب یہ کہ اس توئی پھوٹی صورت میں تمہیں اس کے سامنے آنا ہی نہ چاہئے تھا“ فریدی نے پھر چلکی لی۔

اس بار حمید بھنا کر پلٹ پڑا۔ ”تھپ کیوں دوڑے آئے تھے؟“

”تمہیں اپنے ٹوٹے پھوٹے چھپے کی مرمت کرانے کا مشورہ دینے کے لئے۔“ فریدی نے کہا اور اپنی کیڈی لاک میں بیٹھ گیا۔

حمد منہ باتے فٹ پاٹھ پر کھڑا ہی رہا۔

”کیوں.....؟“ فریدی نے اسے سوالا۔ انداز میں دیکھا۔

”میرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔“

”لیعنی.....؟“

”میں قبل از وقت پکنے لیں باتا سکتا۔“ حمید ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

”اوہ.....!“ فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ ”اور اس بار تمہاری ہڈیاں سرمد ہو جائیں گی۔“

”خدا کی قسم تاؤ نہ دلائیے ورنہ شہر کی ہربوتے چھرے کو چوکر بنا دوں گا۔“

”شباش..... اور پھر میرے ہی ہاتھوں جام شہادت بھی نوش فرمادے گے۔“

”آپ نہ جانے خود کیا سمجھتے ہیں۔“ حمید نے بُر اسامنہ بنایا۔ ”وہ تو کہنے میں بھی شریف ہی آدمی ہوں اگر کوئی ڈاکو واکو ہوتا تو دیکھتا آپ کی ذہانت۔“

فریدی نے قہقہہ لگا کر اسے کیڈی میں کھینچ لیا اور پھر وہ سڑک پر فرانٹ بھرنے لگی۔

”بیٹھ جید خاں..... تمہیں جہنم رسید کرنے کے لئے بُر ایک عورت کافی ہوتی۔“

”تو جلدی سے جہنم رسید کر دیجئے نا مجھے۔ اُس نے کئی ماہ سے آپ کے نظریاتی جہنم کی شکل بھی نہیں دیکھی۔“

”یار حمید.....!“ فریدی سنجیدگی سے بولا۔ ”کسی وقت تو عورت کی طرف سے خالی الہمنہ ہو جایا کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تو بھی جنسی جوں کا شکار نہ ہو جاؤ۔“

حمد نے جواب میں غالب کا شعر پڑھ دیا۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناٹ
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
”اچھا تو کیا میں آپ کو لڑکیاں سپلانی کروں؟“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولا۔
”لاحوال ولاقوٹ..... سپلانی برا گندہ لفظ ہے۔ آخر آپ جیسے عالی دماغ کو یہ لفظ سو جا کیسے؟“
”جو شتر تم نے پڑھا ہے فی الحال اُس سے تو ہمیں مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے۔“
”آپ غلط سمجھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم کیوں نہ لیڈی جہانگیر سے اس تقسیش میں مدد لیں۔“
”وہ کس طرح؟“
”بُس یونہی! ملنے ملانے سے بہتری را ہیں پیدا ہو جاتی ہیں۔“
”بُکومت.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اُس نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”وہ ایک آوارہ عورت ہے۔“

”آپ کی نظر وہ میں تو دنیا کی ہر عورت آوارہ ہے۔“ حمید نظریہ لجھے میں بولا۔
”میں غلط نہیں کہ رہا ہوں۔ وہ تین چار دن سے غائب تھی۔ لیکن کسی نے خبر نہیں لی۔“
”ممکن ہے اُس کے گھر پر کوئی اور آدمی ہی نہ ہو۔“
”لماز میں تو ہوں گے ہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر وہ دو دو تین تین دن گھر سے غائب رہنے کی عادی نہ ہوتی تو پولیس تک اُس کی گم شدگی کی روپرٹ ضرور پہنچ گئی ہوتی۔“
”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”آپ بھی تو کئی کئی دن گھر سے غائب رہتے ہیں۔ تو کیا آپ بھی آوارہ ہیں اور آپ کا بھی کوئی ملازم آپ کی گم شدگی کی روپرٹ نہیں کرتا۔“ ہائے ہائے کاش آپ بھی کوئی بلوٹی ہوتے۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ حمید تھوڑی دیر بعد پھر بڑھا نے لگا۔ ”میں صرف ایک وجہ سے خدا کے وجود کا قائل ہوں کہ اُس نے زر کے ساتھ مادہ بھی پیدا کی ہے۔ اس طرح زندگی کی خواہش جانداروں میں برقرار رہتی ہے ورنہ..... خود کشی کی وبا عام ہوتی۔“
فریدی کو ”گرا رہا تھا۔ شاید وہ بھی تفریخی باتوں کے موڈ میں آگیا تھا۔“
”اچھا، اُنر مادہ نہ ہوتی تو کیا ہوتا۔“ اس نے کہا۔

”مرغیوں کی طرح آپ بھی اٹھے دیتے۔“
”مگر انہوں کے لئے سراغ بھی ضروری ہے۔“

”اس صورت میں کوئی اور انتظام ہوتا۔“ حمید نے سمجھا۔ ”مثلاً زندگی میں کوئی ایسا اعصابی نظام رکھا جاتا کہ وہ درختوں کی طرح خود ہی نہ اور مادہ دونوں ہوتا۔ مرا اٹھے دیتا جاتا۔ فرض سمجھے کوئی ایشیا کے عکیم سراغ رسان سے ملنے کے لئے آیا اور فریدی صاحب نے اندر سے کہلو دیا۔ معاف سمجھے گا میں اس وقت اٹھے دے رہا ہوں یا انہوں پر بیٹھا ہوں۔ آج کے ایکسوسیں دن تشریف لائے گا اور پھر اگر انہوں نے چھیڑ دیا تو کڑکڑا کر پھول گئے۔“
فریدی ہنسنے لگا۔

”خدا کی قسم بڑا مزہ آتا۔“ حمید ہونٹ بھینچ کر ہنسا۔ ”وفتوں میں اسی قسم کی عرضیاں موصول ہوتیں..... جتاب عالی..... گذارش ہے کہ مجھے انہروں پر بیٹھتا ہے اس لئے ایکس دن کی رخصت فرمائی جائے۔“

”تب تو تمہیں روز ہی انہروں پر بیٹھنا پڑتا۔“ فریدی نے ہنس کر کہا۔
”میں میں اپنے اور آپ کے انہروں کی تجارت کرتا۔“ حمید بولا۔ ”اور سننے..... فرض سمجھے آپ کسی ضرورت سے ڈی۔ آئی۔ میں سے ملنا چاہتے ہیں اس کے کمرے کے سامنے پہنچ لیکن چپر اسی درمیان میں حائل ہو کر آہستہ سے بولا۔ صاحب اٹھے دے رہے ہیں۔ جہاں ملک کی آبادی بڑھنی شروع ہوئی قوم کے لیڈر اہل شام کرنے لگے۔ خدا کے لئے آپ لوگ نے الحال انہروں پر بیٹھنا چھوڑ دیجئے۔ ٹین پر بیٹھے ہوئے ہیں دفعتا کپارٹمنٹ میں کسی کا پیٹ مردڑا..... گڑگڑا کر بولا۔ آپ لوگ ذرا منہ پھیر لیجئے۔ میں اور آپ کسی مجرم کا پیچا کر رہے ہیں۔ دھڑا آپ ست پڑ گئے۔ وجہ پوچھی تو آہستہ سے بولے۔

”اٹھا“ اور زمین پر بیٹھ گئے۔ مجرم غائب۔ یا مجرم ہی پر وقت پڑا تو پلٹ کر ہم سے اجازت طلب کی اور خود بیٹھ گیا۔ دوسرے دن اخبارات میں سرخیاں جنم رہی ہیں کہ فلاں فلاں مجرم اٹھے دیتے وقت گرفتار کر لیا گیا یا پھر انپکٹر فریدی مجرم کا تعاقب کرتے وقت اٹھے دینے لگے اور مجرم صاف نکل گیا۔ یا مجرم انپکٹر فریدی کے اٹھے لے کر فرار ہو گیا۔“

”بیس کرو سور.....!“ فریدی ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبو چتا ہوا بولا۔

”تو پھر آپ وہیں چل رہے ہیں نہ؟“ حمید نے سمجھی گی سے پوچھا۔

”نہیں.....!“ فریدی یک بیک اُس سے بھی زیادہ سمجھیدہ نظر آنے لگا اور حمید خاموش ہو گیا۔ اُس کی چوٹیں ابھی تک دکھر ہی تھیں اور حقیقتاً وہ اتنی دریکھ مخفی اُس لئے بکواس کرتا رہا تھا کہ فریدی اُس لمحتہ سے چھرے والے کو بھولا رہے۔ درستہ وہ بات بات پر حوالہ دے کر اُسے چھیڑتا۔

”کل رات والی لاش کی بھی شاخت ہو گئی۔“ فریدی تھوڑی دری بعد بولا۔

”کون تھا.....؟“

”چڑے کے ایک ناجر سیٹھ سلیمان کا لڑکا..... اُس کا گھر کوتولی کے قریب ہی ہے۔ میں صح سیٹھ سلیمان سے ملا تھا۔“

”حمید دوسرے جملے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن فریدی پھر خیالات میں ہو گیا۔

”اُس نے کیا بتایا.....؟“

”کوئی خاص بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کہنے لگا کہ وہ کئی دن سے کچھ کھو یا کھو یا سا معلوم ہوتا تھا اور کئی راتوں سے اپنے کائیجے کے کسی پروفیسر سے پڑھنے کے لئے جایا کرتا تھا۔ چنانچہ کچھلی شام کو بھی وہیں گیا تھا۔“

”تو وہ پروفیسر.....؟“

”اُس پروفیسر کا نام وہ نہیں بتا سکا۔“

”کس کائیجے میں پڑھتا تھا.....؟“

”موڈرن میں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سارے پروفیسروں سے ملتا پڑے گا۔“

”میں اتنا مبارچوڑا راستہ بھی اختیار نہیں کرتا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”پھر.....؟“

”میں فی الحال اس لڑکے کے والدین سے ملوں گا۔ جس کے متعلق جھریائی میں تحقیقات کر چکا ہوں۔“

”اُس سے کیا ہوگا؟“

”پھر وہی احتمانہ سوالات۔“ فریدی نے منہ بنا کر کہا۔ ”میری تفیش کی رو سے وہ سارے مقتول ایک ہی کالج سے متعلق نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان سب کا قاتل ایک ہی ہے۔ کیونکہ قتل کی نوعیت مختلف نہیں مجھے تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ وہ سارے لڑکے کس بہانے سے رات کو گھروں سے غائب رہے تھے۔“

”تو کیا آپ پروفیسر والے وقت کو بہانہ سمجھتے ہیں؟“
”قطعی.....!“

”آخر کیوں.....؟“

”اگر یہ حرکت پروفیسر کی ہوتی تو وہ کہیں ایسے اوقات میں اس قسم کے اتدامات نہ کرتا جبکہ ان لڑکوں کی موجودگی اُس کے بہاں ثابت ہو سکتی۔“

”مگر آپ تو اسے ایک قسم کا جنون قرار دے چکے ہیں۔ پھر جنون میں عقل کا کیا کام؟“

”میڈ صاحب۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر وہ مجرم اس وقت آپ کو کہیں مل جائے تو آپ اُس کے متعلق یہ سوچ بھی نہ سکیں گے کہ وہ اتنی درندگی سے کسی کو قتل کر سکتا ہے۔“

”پھر یہ کیسا جنون.....؟“

”یہ ایسا ہی جنون ہے اور صرف اُس وقت بیدار ہوتا ہے جب شہوانی جذبات اپنی انجائی منزلیں طے کر رہے ہوں۔ اُس وقت مکمل تسلیم کے لئے خون کی پیاس بڑھ جاتی ہے۔ آدمی درندگی پر اتر آتا ہے بعض صورتوں میں تسلیم کے بعد بھی مزید تسلیم کے لئے اس قسم کی حیوانیت درکار ہوتی ہے۔“

”میڈ خاموش ہو گیا۔“

”کیا سوچ رہے ہو؟“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دنیا کی کوئی ایسی بات بھی ہے جو آپ نہیں جانتے۔“

”ہمے اسی کا تو افسوس ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ میڈ صاحب یہ دنیا بہت وسیع ہے اور یہاں کا ہر فرد کم از کم ایسا تجربہ ضرور کرتا ہے جو دوسرے کے لئے قطعی نیا ہوتا ہے۔ پھر بھلا

بیواؤں میں کیا جان سکتا ہوں۔ بس اسی علم کی پیاس مجھے دن رات بے قرار رکھتی ہے اور جب مجھے کوئی نیا تجربہ ہوتا ہے تو میں اپنی بے چارگی کا احساس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اس عظیم کائنات میں ایک حقیر کیڑے کی طرح ریک رہا ہوں۔“

”یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہر بڑا آدمی از راہ خاکساری سہی کہتا ہے۔“

”عام آدمی اسے خاکساری پر محروم کرتے ہیں مگر یہ سو فیصدی حقیقت ہوتی ہی۔ ہر بڑا آدمی اس بات کو شدت سے محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی کھال سے باہر نہیں نکل سکتا۔“

”میڈ اپنے پاپ میں تباہ کو ہرنے کا فریدی نے ایک جگہ کارروک دی۔

پھر وہ دونوں ایک عمارت کی اوپری منزل کی طرف جا رہے تھے۔ فریدی اُس لڑکے کے باپ سے ملا جس کی متعلق وہ جھریاں کے قریب والے گاؤں میں تحقیقات کرچا تھا۔ اُس کے لڑکے کو مصوری ہی کا شوق تھا اس لئے اس نے قتل سے پندرہ دن قبل بیشش آرٹ کالج میں داخل یا تھا۔ جہاں رات کو بھی مصوری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مقتول رات ہی کے کلاس ائمڈ کرتا تھا۔ اس کے بعد فریدی دوسرے مقتولین کے درٹا سے بھی ملا۔ لیکن انہوں نے بھی خلف قسم کی ہاتھ بٹائیں۔ رات کو وہ سب کسی نہ کسی بہانے سے باہر رہے تھے۔ ان مقتولوں کی رہائش گاہوں کی تلاشی وہ پہلے ہی لے چکا تھا اور اسے مایوس ہی ہوئی تھی کیونکہ کہیں کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جس سے مجرم کی خصیت پر کوئی روشنی پردازی۔

”دیکھا تم نے۔“ فریدی واپسی پر میڈ سے کہہ رہا تھا۔ ”کسی نے کوئی ایسی بات نہیں بتائی۔ جس سے ایک ہی نیچر نکالا جائے۔ خیر ہم فی الحال بیشش آرٹ کالج چل رہے ہیں۔“

”بہر حال میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کیس میں ہمارے پرچے اڑ جائیں گے۔“ میڈ نے کہا۔

”معلوم تو ہیں ہوتا ہے۔“

بیشش آرٹ کالج میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس نام کے کسی لڑکے نے وہاں داخل ہی نہیں کرایا۔ یہ بات پر پہل سے معلوم ہوئی تھی لیکن فریدی نے اپنے اطمینان کے لئے سارے رجسٹر خود ہی الٹ ڈالے اور اسے ناکامی کا منہ دیکھا پڑا۔

”بیکار ہے۔“ اُس نے میڈ سے کہا۔

”سب حالات میں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور میرے خیال کے مطابق وہ سب کھلاڑی ہی نکلے۔ گروہ کے سارے آدمی نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں ایک آدمی گروہ کا بھی آدمی ہو۔ مگر اول تو یہ پتہ لگانا ہی محال ہے کہ ان میں سے گروہ کا کون آدمی ہے اور اگر یہ معلوم بھی ہو گیا تو یہ ضروری نہیں کہ وہ بقیرے لوگوں کی صحیح نشاندہی کر سکے۔“

”پھر.....؟“

”پھر کیا..... ہی کرنی الحال معاملہ بالکل ساٹ ہے۔ لیکن تم ضرور کچھ ناہموار ہو گئے ہو۔“
”آپ نے پھر وہی تذکرہ چھیڑ دیا۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”اس سور نے مجھے دھوکے میں رکھا ورنہ وہ اس وقت کہیں.....!“

”اور گل چھڑے اڑا رہا ہوتا۔“ فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر کے قہقہہ لگایا۔
ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی نے ہاتھ اٹھا کر ریسیور اٹھا لیا۔

”یہلو.....!“ فریدی اسمیلنگ۔ ”اوہ آپ فرمائیے۔“ فریدی تھوڑے توقف کے بعد بولا۔ ”مجھے افسوس یہ ہے کہ ہم دونوں اس وقت مشغول ہیں۔۔۔ پھر کبھی سمجھی۔۔۔ ارے شرمندہ نہ کبھی مجھے۔ بات ہی کیا تھی۔۔۔ وہ تو محض اتفاق تھا۔۔۔ ورنہ ہمیں کیا معلوم ہوتا۔۔۔ خیر۔۔۔ پھر کبھی سمجھی۔۔۔ شکریہ۔۔۔“

فریدی ریسیور کر کر حمید کی طرف مڑا اور مسکرا نے لگا۔

”بکھر میں نہیں آتا کہ وہ ہم میں سے کس پر عاشت ہوئی ہے۔“ اس نے کہا۔ ”مگر نہیں تمہاری صورت تو آج اس قابل ہی نہیں تھی۔“

”کس سے باشیں کر رہے ہیں؟“

”لیڈی جاگنگر عادل کی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”اس نے ہم دونوں کو چائے پر مدعو کیا تھا۔“
”اور آپ نے؟“

”ہاں۔۔۔ آں۔۔۔ انکار کر دیا۔“

”بہت اچھا کیا۔“ حمید نے من بنا کر کہا۔ ”لیکن میں تو ضرور جاؤں گا۔“

”کومٹ۔۔۔!“

اور وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ پھر دوسرے متولین کے متعلق بھی تفہیش کی لیکن نتیجہ وہی صفر۔ کسی کے متعلق یہ معلوم ہو سکا کہ وہ رات کو کہاں غائب رہتا تھا۔ فریدی اور حمید تھک ہارک گھر واپس آگئے۔

وہ عورت

تلن بجے وہ گھر پہنچ۔ فریدی کے چہرے سے جلا ہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔ آتے ہی وہ ایک آرام کریں گے۔ چند لمحے آنکھیں بند کے لیثا رہا پھر سکار سکانے لگا۔

”بیٹھ جانے والہ کس لائچ میں پڑ گئے تھے۔“ وہ آہستہ سے بڑھا۔
”کون.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”وہی لاکے۔۔۔ کسی نے بھی اپنے والدین کو رات کی غیر حاضری کی صحیح وجہ نہیں بتائی۔“
”کیا آپ بھول گئے کہ کل واپس آپ کو ایک قمار خانے میں مل تھی؟“ حمید نے کہا۔

”ہاں.....!“ فریدی اُسے سوال اپنے نظرؤں سے دیکھنے لگا۔
”مکن ہے کہ وہ سب وہاں جو اکھیں کی غرض سے جاتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں شروع شروع میں کسی لمبی جیت میں رکھا گیا ہو۔ یہ لائچ ناکافی ہے۔ مجھے تو یہ حرکت اسی گروہ کے کسی آدمی کی معلوم ہوتی ہے۔“

”نیما بھی یہی خیال ہے اور وہ آدمی اس گروہ کا کوئی معمولی مجرم نہیں معلوم ہوتا۔“
”سرغندہ.....؟“ حمید نے سوال اپنے انداز میں کہا۔

”دقیقی! کسی معمولی مجرم کی لئے اتنا اہتمام نہیں کیا جاسکتا۔“
”ہاں..... ان قیدیوں کا کیا ہوا.....؟“

”بنیں کبھی خط لکھنے گا تو میرا بھی سلام لکھ دیتے ہیں گا۔ اچھا تو میں چلا۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

”کہاں.....؟“

”لیڈی چہاں گیر عادل جی۔“

”اگر اپنی دھتی ہوئی چوٹوں پر ہاتھ پھیرنے سے بھی محروم ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو ضرور جاؤ۔“

حمدید ہم سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”مجھے اُبھی ہو جائے گا۔“ حمید حلق کے میں جینا۔

”تفیر کے لکھنے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔“ فریدی نے تاسف آمیز لمحہ میں کہا۔
”میں خود کشی کرلوں گا۔“

”مگر یچھلا حساب بے باق کرنے کے بعد۔“

”آپ ظالم ہیں۔“

”مجھے اس سے انکار کب ہے۔“

”میں اپنا سر پھوڑ لوں گا۔“

”خود کشی سے پہلے یا خود کشی کے بعد؟“

حمدید کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کر ٹبلنے لگا۔

وہ سورج رہا تھا کہ کیوں نہ چپ چاپ کی بہانے سے نکل جائے۔ فریدی اُس کی تفریحات میں شاذ و نادر ہی حارج ہوتا تھا۔ لیکن جب وہ اُسے کسی بات سے باز رکھنے پر اڑ ہی جاتا تو حمید کی ایک تھیٹی۔ حمید محوس کر رہا تھا کہ آج بھی فریدی کا انداز کچھ اسی قسم کا ہے۔ وہ فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔

”میں ذرا.....!“

”کام سے جا رہے ہو۔“ فریدی نے اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ”کیوں شامت آئی ہے۔“

”آپ تو خواہ تجوہ۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی تکھمانہ لجھ میں بولا۔

”بکوں گا.....!“

”تمہارے منہ پر تو بڑا چڑھا دیا جائے گا۔“

”میں ایسی زندگی پسند نہیں کرتا جس میں تفریح کو دخل نہ ہو۔“

”مجھے ایسی موت بھی پسند ہے جس میں تضییغ اوقات نہ ہو۔“ فریدی نے سگار ہونٹوں پر نکال کر کہا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ میں اس معاملے میں تمہیں آج تک راہ راست پر نہ لاسکا۔“

”اوہ تو کیا آپ راہ راست پر چل رہے ہیں۔“ حمید زہر خدکے ساتھ بولا۔ ”آپ ایک خشک اور بخوبی زچنان کی طرح اپنی ہی ذات تک مدد و درہ نہا چاہتے ہیں۔ آپ خود غرض ہیں۔ آپ کا جذبہ تخلیق فنا ہو چکا ہے۔ آپ کی زندگی کے ویرانوں میں پیار بھرے گیت بھی نہ گنجیں گے۔“ ”نہ گنجیں.....!“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا اور بجا ہوا سگار سلاکا نے گا۔

”مجھے آپ کی بے بُی پر حرم آتا ہے۔“ حمید فلسفیانہ انداز میں بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ اپنا جنیت کو بُری طرح کلپنے رہے ہیں۔ آپ ٹلم کر رہے ہیں۔ خود پر بھی اور اُس جذبہ تخلیق پر بھی۔“

”جو بے شمار نگنے اور بھوکے آدمیوں کو جنم دیتا ہے۔“ فریدی نے حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

”یہ آپ کے بُس کی بات ہے کہ آپ نگنے بھوکوں کی پیداوار روک دیں۔ مگر اس طفیل جذبے کو کچلنے سے فائدہ؟“

”کیوں دماغ چاث رہے ہو۔“ فریدی اکتا کر بولا۔ ”ایسی گفتگو ہمیشہ بیکاری کے لمحات میں چھیڑا کرو۔“

”کیا یہ حقیقت ہے کہ آج تک کوئی عورت آپ کی زندگی میں داخل نہیں ہوئی۔“ ”کیوں نہیں۔“

”کون تھی وہ.....؟“ حمید نے خاص ڈرامائی انداز میں کہا۔

”میڈم چیا لگ کائی شُک کی بڑی بہن۔“

”اوہ..... تو وہ آج کل کہاں ہے؟“

”قبر میں..... کیا تم اُس کے پاس جانا چاہتے ہو؟“

ضرور ہے۔ ورنہ فریدی اس طرح پیش نہ آتا۔

اس نے کمرے کا دروازہ بند کر کے کپڑے اتارے اور بستر میں گر گیا۔ اُس کا ذہن فریدی کے اس عجیب و غریب رویے میں الجھ کر رہا تھا۔

جید انواع و اقسام کے خیالات میں الجھا ہوا سو گیا اور جب اُس کی آنکھیں کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ کوئی دروازہ بھڑک رہا ہے۔

”اُرے کون ہے بابا.....؟“ اس نے مسہری پر پڑے ہی پڑے ہائک لگائی۔ پھر فریدی کی آواز پچان کر اٹھ بیٹھا۔

میز پر کھلی ہوئی تمام چیز ساڑھے چہ بخاری تھی۔
فریدی شاید کہیں جانے کے لئے تیار تھا۔

”اب تم خریلی ہوتوں کی طرح اپنا غصہ پلگ پر اتارنے لگے ہو۔“ فریدی اُسے تیز نظر دو سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”اچھا جلدی سے تیار ہو جاؤ۔“

”مرنے کے لئے؟“ جید نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔
”جلدی کرو وقت کم ہے۔“

”آپ تشریف لے جائیے۔“

”لیڈی جہاگیر کے یہاں نہیں چلو گے؟“

”لیڈی جہاگیر کی.....!“

”شٹ اپ..... نہیں بلکہ گٹ اپ.....!“

”اب کیا مصیبت آگئی۔“ جید زیچ ہو جانے والے انداز میں چینا۔
”اٹھو.....!“ فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھا دیا۔

جید نے منہ دھوکر طوعاً و کرہا کپڑے تبدیل کئے اور فریدی کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آ خریک بیک فریدی کے خیالات کیوں تبدیل ہو گے۔
پھر خیال آیا کہ کہیں اُس نے محض اُسے چڑھانے کے لئے لیڈی جہاگیر کا حوالہ دیا ہو۔
”آخر جانا کہاں ہو گا؟“ جید نے راستے میں پوچھا۔

”پیٹھے گیا۔“ جید نے جلا کر کہا۔

”عجیب تھماری شامت آگئی ہے۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”تمہیں بند کرنا پڑے گا۔“

جید نے محسوس کیا کہ فریدی نے وہ جملہ مذاق نہیں کہا تھا۔ اُس کے چہرے پر خطرناک تم کی سنجیدگی تھی۔

”تم ہمیشہ کام بگاؤنے پر مت رہتے ہو۔“ وہ آہتہ سے بولا۔ ”لیکن میں اس بار تمہیں اس کا موقعہ نہیں دوں گا۔“

”آخربات کیا ہے؟“ جید بوكھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”میں تمہیں بند کر دوں گا۔“

”چنانی دے دیجئے تا مجھے۔“ جید نے جلا کر کہا۔

”شٹ اپ.....!“

اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھنپتا ہوا ایک کمرے کی طرف لے گیا۔

”آپ اس وقت میرے ساتھ اس طرح پیش آ رہے ہیں جیسے میں آپ کی ملکوتو پر ڈاک ڈالنے جا رہا ہوں۔“ جید مسکرا کر بولا۔ ”اُس نے سوچا کہ اب اس وقت غصہ دکھا کر خود ہی زیچ ہونا پڑے گا۔ فریدی کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس نے جو کچھ کہا تھا اُسے کر گزرنے کا رادہ رکھتا ہے۔ فریدی نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

”آخر بند کرنے سے کیا فائدہ۔“ اُس نے پھر کہا۔

”فائدہ اور نقصان میں سمجھتا ہوں۔“

جید کو پھر تاؤ آ گیا۔ بھنا کر بولا۔ ”اگر یہ بات ہے تو میں اسی وقت استغفار دیتا ہوں۔“

”فنول.....!“ فریدی آہتہ سے بڑا بڑا۔ ”تمہیں میرے ہی ساتھ مرنا بھی پڑے گا۔“

”او اگر میں میڈیکل سرٹیکلیٹ داخل کر دوں تو.....؟“ جید نے کچھ ایسے لمحے میں کہا کہ فریدی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”اس صورت میں تمہیں مجھ سے پہلے مرنا پڑے گا۔“ فریدی اُس کا ہاتھ چھوڑ کر بولا

”جید بھننا تا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ کوئی خاص بات

”لیڈی جہاگیر عادل جی۔“

”اب کیوں؟“

”میری خوشی۔“

”لیکن میں نہیں جاؤں گا۔“

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تمہارا انکار بھی وزن نہیں رکھتا۔“

حمدی خون کے گھوٹ پی کر رہ گیا۔ اسے سچ مجھ غصہ آگیا۔ آج ہی فریدی اسے لیڈی جہاگیر کے معاملے میں کافی شرمندہ کر چکا تھا اور اب خود ہی اسے کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ اپنے انداز سے بے تعلق ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

فریدی کی کیڈیاں جہاگیر پلیس کے سامنے رک گئی۔ جہاگیر پلیس شہر کی عمدہ ترین عمارتوں میں سے تھی۔ سر جہاگیر عادل جی کی موت کے بعد اس کی ساری جانبی اداریں عمارت سمیت اُس نوجوان بیوی کی طرف منتقل ہو گئی تھی۔ وہ ایک بوڑھا اور لاولد آدمی تھا۔ تیسری شادی کے دو ہتھی سال بعد اسے موت نے آدھیا اور کسی قریبی مزیز کی عدم موجودگی کی بناء پر سارا تر ک اُس کی بیوی کو ملا۔

ملاتی کارڈ بھجوا کر فریدی بیروفنی گلری میں انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد لیڈی جہاگیر خود باہر آگئی۔

”اوہ آئیے! آئیے۔“ وہ پر جوش انداز میں بولی۔ ”میں سمجھی تھی شاید آپ لوگ کی مصلحت کی بناء پر یہاں آنا مناسب نہیں سمجھتے۔“

”یہ بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ہم لوگ حقیقتاً بہت مشغول تھے۔“

بھروسہ متعدد کمروں اور برآمدوں سے گزرتے ہوئے ایک وسیع ہال میں پہنچ جو جدید طرز کے سامان آرائش سے بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر سنہرے فریموں میں قد آدم تصویریں آؤزیں تھیں۔ ان میں زیادہ تر دنیا کے مشہور ترین مصوروں کے شاہکار تھے۔

اس وقت حمید کو لیڈی جہاگیر ایک بالکل ہی نئی شخصیت معلوم ہو رہی تھی۔ چہرے پر پشمردگی کے آثار مت پکے تھے۔ لباس اور کرکھا میں سلیقہ تھا لیکن وہ کچھ خائن فروزنگ

آرہی تھی۔

فریدی پیانو کے قریب کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک رک گفلگو ہوتی رہی پھر اچاک فریدی نے اسے اپنے مخصوص قسم کے کمر درے لجھے میں مخاطب کیا۔
”لیڈی جہاگیر۔“

”مہبھریے!“ وہ بات کاٹ کر بولی۔ ”میرا نام افروز ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی یک بیک مسکرا پڑا۔ ”لیکن میں اتنی بے تکلفی کی جذبات نہیں کر سکتا۔“
حید نے ہلکا سا تھہہ لگایا اور بولا۔ ”لیکن کم از کم میں تو تکلفات کا قطعی عادی نہیں۔“
”تب تو آپ یقیناً میرے ہم خیال ہیں۔“ افروز حید کی طرف پٹکر مسکرانی۔

پھر فریدی کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہنے لگی۔ ”یقیناً ہم لوگ ایک دوسرے کے لئے ابھی ہیں مگر میں اپنی فطرت سے مجبور ہوں۔ اخلاقیات کے بے جا ڈھونگ کی میں سرے سے قائل ہی نہیں۔ لہذا نہایت صفائی سے عرض کرتی ہوں کہ میں لیڈی جہاگیر کے نام پر مخاطب ہوتا پسند نہیں کرتی۔ مجھ میں ایک کمزوری اور بھی ہے وہ یہ کہ اگر میرے دل کی بات زبان تک نہ آسکے تو مجھے اختلاف ہونے لگتا ہے۔“

”قدرتی بات ہے۔“ حید نے قائل ہو جانے والے انداز میں سر کو جنم دی۔

”لیکن.....!“ فریدی کے لجھے میں ہچکا ہٹت تھی۔ ”جب تک آپ دوسری شادی.....!“

”میں جانتی ہوں کہ میں اس وقت تک لیڈی جہاگیر ہی رہوں گی۔“ وہ فریدی کی بات کاٹ کر بولی۔

فریدی استفہامی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُس کے دوسرے جملے کا منتظر ہو۔
لیکن اُس نے پھر وہ بات ہی اڑا دی۔

”وہ حمید کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔“ کیا چوٹیں اسی ہنگامے میں آئی تھیں؟“

”اچھی خاصی ملک بگز کر رہ گئی۔“ فریدی نے نہس کر کہا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ شاید انہیں قتل کر دیا گیا۔“

”کیوں.....؟“ افروز چوک کر بولی۔

”فرمائے.....!“

”سیا آپ ان میں سے کسی مجرم کو شاخت کر سکتی ہیں؟“

”محجہ افسوس ہے کہ نہیں۔ ان میں سے کوئی چہرے پر سیاہ نقاب لگائے بغیر میرے سامنے

نہیں آیا۔“

فریدی کی پیشانی پر پرشویں لکیریں ابھر آئیں۔

”آپ کو کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“ وہ تھوڑی دری بعد بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ پھر.....!“

”میں خود بھی یہی سوچتی ہوں۔“ افراد پر خال انداز میں بولی۔ ”کیا خیال ہے آپ کا..... اگر میں اپنے ساتھ ملک آدمی رکھوں؟“

”بہت اچھا خیال ہے..... میں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا۔“ فریدی مختارانہ انداز میں کری پر پبلو بدلتا ہوا بولا۔ پھر اس کا ہاتھ بے خیال میں پیانو پر جا پڑا اور سارے ہال میں ایک بے ہنگامی جھنکار گونج آئی۔

”محجہ افسوس ہے۔“ وہ آگے کی طرف جھک کر بولا۔

”کوئی بات نہیں۔“ افراد نے قہقہہ لگایا۔ ”میں اس کی نغمگی سے لطف انداز ہوئی ہوں۔ کم از کم اس نے ماحول کی یکسانیت تو ایک لمحہ کے لئے دور کر دی۔“

”آپ تو فلسفی معلوم ہوتی ہیں۔“ حمید نے ہنس کر کہا۔

وہی پر فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔ ”بیٹے حمید صاحب..... اگر یہ ہمارا ہو جائے تو پھر کیا بات ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”میرے خیال سے تمہیں اس کی بیوگی سے زیادہ اس کی دولت میں دلچسپی لیتی چاہئے۔“

”میں لال بھکنوں نہیں ہوں۔“ حمید نے اس کی گول مول باتوں سے نک آ کر کہا۔

”میں نے اس عورت کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اس لئے نہیں کہو، وہ بہت خوبصورت ہے محض اس لئے کہ کثیر دولت کی مالک ہے۔“

”اکیلے بے دھڑک اس جم غیر میں گھس گئے تھے۔ بہت دلیر آدمی ہیں۔ انہوں نے کو موقع پر میری بھی جان بچائی ہے اور اگر یہ حضرت ہمال نہ گھستے تو شاید مجرم آپ سے مطلب برداری میں کامیاب ہو گئے ہوتے۔“

”تو کیا انہیں ہمال میری موجودگی کا علم تھا۔“ افراد نے تحریر آمیز لہجے میں سوال کیا۔

حمد مختارانہ انداز میں فریدی کی طرف دیکھنے لگا اور ”ہمال“ کہہ دینے کا اشارہ بھی کیا۔

”نہیں! انہیں شبہ تھا کہ وہ مجرموں کا اڈہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور آپ کامل جانا ممکن اتفاق تھا۔“

”بہر حال میں آپ دونوں کی مشکور ہوں۔“ افراد نے کہا اور حمید کی طرف کچھ ایسی نظر دوں سے دیکھا کہ وہ جماہی لینے کے بہانے منہ چھپا نے لگا۔

تمھاری دری تک خاموشی رہی پھر افراد بولی۔ ”آپ لوگوں کو ٹھیس سے تو ضرور ہی شوق ہو گا۔ کبھی ادھر بھی تشریف لایا کیجئے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میرا لان بہت عمدہ ہے لیکن پھر بھی۔“

”ضرور ضرور.....!“ فریدی نے کہا۔ ”خیر میں نے تو کبھی ٹھیس کھلی ہی نہیں۔ البتہ میرے دوست حمید صاحب بہت اچھے کھلاڑی ہیں۔“

حمد کو فریدی کے اس سفید جھوٹ پر بتاؤ آگیا۔ وہ اچھا کھلاڑی ہرگز نہیں تھا۔ وہ ایسے کھلی کا تو قائل ہی نہیں تھا جس میں بہت زیادہ ہاتھ پیر ہلانے پڑیں۔ اس کا خیال تھا کہ فرمات کے لمحات میں بھی جسم کو تکلیف دینا پر لے سرے کی حماقت ہے۔

”اوہ! تب تو آپ سے مل کر اور خوشی ہوئی۔“ افراد نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”بہت خوش مزاج اور لطیفہ گو ہیں۔“ فریدی بولا۔

حمد کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچاک اسے فریدی کے اس وقت کے عجیب و غریب روپ کا خیال آگیا۔ اس نے کبھی کسی عورت سے اس کی تعریف نہیں کی تھی۔ لیکن اس وقت نہ جانتے کیوں اس کی خصوصیات گزار رہا تھا۔

”ہاں تو لیڈی.....!“ فریدی چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔ ”اوہ معاف کیجئے گا..... بات یہ ہے کہ باتوں میں پر کر آپ سے ایک اہم بات دریافت کرنا بھول گیا۔“

حید نے قہرہ لگایا۔ ”کوئی مصلحت.....؟“
”قطی نہیں۔“ فریدی کے لجھے میں مہمومیت تھی۔ ”واقعی یہ تمہارے لئے ایک بہتر یہاڑ
ثابت ہوگی۔“

”الونہ بنائیے مجھے۔“ حید اپنے بازوؤں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

”نہیں حید اسے چھانسو.....!“

”آج میں پہلی بار آپ کی زبان سے اتنا بازاری جملہ سن رہا ہوں۔“ حید نے تحریر اور
لجھے میں کہا۔

”لظ پھانسو! بھی میں نے اس کی دولت ہی کے سلسلے میں استعمال کیا ہے۔“

”حید کی حرمت برحمتی جاری تھی۔ کیونکہ وہ فریدی سے اس قسم کے خیالات کی موقع نہیں رکھتا تھا۔

”آج میں پہلی بار آپ کی زبان سے اتنا بازاری جملہ سن رہا ہوں۔“ حید نے تحریر اور
لجھے میں کہا۔

اندھیرے میں گھونسہ

چہاگیر پلیس کا وسیع ہال بر قی قعموں سے جگگا رہا تھا۔ آرکشا کی چکلی دھنسی فضا میں منظر
ہو رہی تھی۔ آج یہاں نوروز کی دعوت کے سلسلے میں ایک عظیم الشان تقریب منعقد ہونے والا
تھی۔ شہر کے اعلیٰ طبقے کے لوگ مدعو کئے گئے تھے۔ ان میں فریدی اور حید بھی تھے۔ ان دونوں
کے داخل ہوتے ہی اکثر اطراف سے انگلیاں اٹھنے لگی تھیں۔ شہر کے اوپر طبقے کے بیشتر لوگ
فریدی سے اچھی طرح واقف تھے اور اس سے متعارف ہونے کے متمنی رہا کرتے تھے۔ خوب
صورت مردوں سے فلڑ کرنے والی امیر لڑکیاں تو خاص طور پر اس کی طرف توجہ دیتی تھیں۔
لیکن وہ ان کی طرف سے کچھ اس طرح بے نیازی ظاہر کرنے کا عادی ہو گیا تھا جیسے وہ خود ہنا
انہیں کی جس سے تعلق رکھتا ہو۔

اس دعوت میں شرکت کے اہتمام کے سلسلے میں حید نے تو ریکارڈی توڑ دیا تھا۔ تقریباً وہ
گھنٹے کے بعد وہ غسل خانے سے برآمد ہوا تھا اور پھر اس نے دو ہی گھنٹے بس کے انتخاب اور
استعمال میں صرف کئے تھے..... اس دوران میں لیڈی جہاگیر سے اُس کی گاڑھی چھینے لگی تھی
لیکن معاملات ابھی تک گھنٹ دو تی ہی کے دائرے میں تھے۔ حید کو فریدی کا یہ خیال قطعی انمول معلوم
ہونے لگا تھا کہ وہ ایک آوارہ عورت ہے۔ حید نے اُس کے ساتھ کئی راتمیں ناٹ ٹکلوں اور رقص
گاہوں میں گذاری تھیں۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسی بات اُس کے مشاہدے میں نہیں آئی تھی جس
کی بناء پر وہ اُسے آوارہ کہہ سکتا۔ اُس کا ہر ملنے والا اُس سے عزت اور سکریم سے پیش آتا تھا۔
حالانکہ اُس کے ملنے والوں میں بھی جوان اور اُس کے ہم عمر تھے۔ لیکن حید نے ان میں سے کسی
کی آنکھوں میں اُس کے لئے جسی بھوک نہیں دیکھی تھی۔

فریدی اس دوران میں بہت زیادہ مصروف رہا تھا۔ لیکن اُس نے اپنی مصروفیت کے متعلق
کوئی ڈھنگ کی بات حید کو نہیں بتائی۔ ادھر کچھ دنوں سے اُن عجیب و غریب وارداتوں کا سلسلہ
بھی ختم ہو گیا تھا لیکن کچھ لاشوں کے سلسلے میں ابھی تک اخبارات میں یہ نات شائع ہو رہے تھے
اور شہر میں کافی سنسنی تھی۔ حید بستور اُس لمبورٹے چہرے والے کی تلاش میں تھا اور ابھی تک وہ
اس بات کا بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ دوبارہ مل جانے کی صورت میں وہ اُس کے ساتھ کیسا برداشت
کرے گا۔

آرکشا کی گت بند ہو گئی اور ہال میں صرف قبیلے سنائی دیتے رہے۔ ہلکی ہلکی نسوانی چینیں
گوچھی رہیں۔ ابھی پہلا راؤٹ شروع نہیں ہوا تھا۔ رقص سے پہلے جمناٹک کا پروگرام تھا۔ دو ہائر
فن چینیوں اور ان کے ساتھ ایک خورد سال لڑکے نے محض العقول کرت دکھانے شروع کیے۔ ہال
تالیوں اور تھیس آمیز شور سے گونجا رہا۔

ایک گھنٹے بعد رقص شروع ہوا۔ لیڈی جہاگیر اس وقت تقریب سب کی توجہ کا مرکز
نکنی ہوئی تھی۔ پہلے راؤٹ میں وہ اپنی ہی قوم کے ایک نوجوان کے ساتھ ناچتی رہی۔ حید ایک ایگلو^{انڈین لوکی} کا ہم رقص تھا اور فریدی۔..... اُس نے تو اپنی حرکت کی تھی کہ رقص کرنے والے
بیٹریز نوجوان جوڑے اب تک اُس پر نہیں رہے تھے۔ وہ ایک ادھیز عمر عورت کے ساتھ ناج

"تمہارا ساتھی براستم ظریف ہے۔" حمید کی ہم رقص اُس سے بولی۔

"ستم رسیدہ بھی ہے۔" حمید نے پر خواب آنکھوں سے اُس کی آنکھوں میں دلکھ کر کہا۔

"کیوں.....؟"

"بچپن ہی میں ماں کے سامنے سے محروم ہو گیا تھا۔" حمید بنس کر بولا۔ "ای لئے اُسے بوڑھی عورتیں زیادہ پسند آتی ہیں۔"

"اُس کی آنکھیں۔" ہم رقص تھوک لگتی ہوئی بولی۔ "اُس کی آنکھوں میں کیا ہے۔ میں اُس سے آنکھیں نہیں ملا سکتی۔ میرا خیال ہے کوئی عورت اُس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی۔"

"میں اُسے سیاہ عینک استعمال کرنے کا شورہ دوں گا۔" حمید اپنی گرفت مضبوط کرتا ہوا بولا۔ ہم رقص کی پیشانی اُس کے شانے پر تھی۔

"میں نے تمہیں ایک بارہائی سرکل ناٹ کلب میں دیکھا تھا۔" ہم رقص گلکھائی۔

"ایک کیا..... سیکنڈوں بار دیکھا ہو گا۔"

"میں تو وہاں صرف ایک ہی بار جا سکی ہوں۔"

"میرے ساتھ روز چلا کرو۔"

پہلا راؤٹ ختم ہو گیا۔ لوگ گلری میں لگی ہوئی میزوں پر آئیٹھے۔ میزوں پر عمدہ قسم کی کاک ٹیل موجود تھی۔ حمید تھارہ گیا۔ اُس کی ہم رقص کسی دوسرا میز پر چلی گئی تھی۔ فریدی اپنی ادھیرہم رقص کے ساتھ حمید کی میز پر آبیٹھا۔ حمید سمجھ گیا کہ وہ دوسرے راؤٹ میں بھی اُسی کے ساتھ رقص کرے گا۔

"مادام فلوبئٹ۔" فریدی نے حمید سے تعارف کرایا۔ "اور یہ میرے ساتھی مسٹر حمید۔"

دونوں نے رکی جملے دہراتے۔

"لیڈی جہاگیر نے بڑی اچھی کاک ٹیل مہیا کی ہے۔" ادھیرہ عورت اپنے ہوتھوں پر زبان پھیرتی ہوئی بولی۔

"ہم دونوں کاک ٹیل پی کر ہمیشہ نزلے زکام میں بیٹلا ہو جاتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"عجیب بات ہے۔" عورت نے کہا اور اپنا گلاس بھرنے لگی۔

انتہے میں لیڈی جہاگیر آگئی۔

"آپ لوگ نہیں پی رہے ہیں؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرائی۔

"ہم لوگ اس وقت صرف کافی پینے کے عادی ہیں۔" فریدی نے بنس کر کہا

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ شراب پیتے ہی نہیں۔"

"ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو۔"

"ٹھہریے! میں کافی منگوٹی ہوں۔"

"تکلیف کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا اور حمید نے لیڈی جہاگیر کی جھر جھری محسوس کر لی۔

"تکلین تی..... تکلیف کی کیا بات۔" لیڈی جہاگیر تھوک لگتی ہوئی بولی۔ پھر اُس نے ایک ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کو کہا۔

"اس شہر میں آپ سے زیادہ سلیقہ مند عورت مجھے نہیں نظر آئی۔" فریدی کی ہم رقص لیڈی جہاگیر سے بولی۔

"نہیں تو..... میں تو بالکل گزار ہوں۔" لیڈی جہاگیر نے قہقہہ لگایا۔

"اُس قسم کی کاک ٹیل میں نے زندگی میں ایک ہی بار پی تھی۔" مادام فلوبئٹ نے کہا۔ "ڈیپریز اُف والگھان کی کاک ٹیل پارٹی میں اپنیں والوں کا سلیقہ بھی اس سلسلے میں مشہور ہے۔ لیکن میں نے وہاں بھی ایسی کاک ٹیل نہیں چکھی....."

"میرا خیال ہے کہ آپ کا پیش.....!" لیڈی جہاگیر فریدی کی طرف بخاطب ہو گئی۔ "آپ کوشراب نوشی سے باز رکھتا ہے۔"

"ضروری نہیں! اُس یونہی پینے کے دول نہیں چاہتا۔"

"حالانکہ میں تھوڑی بہت پیتی ہوں۔" لیڈی جہاگیر نے کہا۔ "لیکن نہ جانے کیوں مجھے وہ لوگ پسند ہیں جو نہیں پینے۔"

"میں بھی نہیں پیتا۔" حمید آہستہ سے بولا اور لیڈی جہاگیر ہنسنے لگی۔

”واتھی حمید صاحب بہت زندہ دل آدمی ہیں۔“

کافی آگئی اور لیڈی جہاں گیر اٹھ کر دوسرے مہماں کی میز پر جائیں۔

فریدی کی ہم رقص بھی اٹھنے لگی۔

”میں دوسرے راؤٹر کے لئے بھی آپ ہی سے استدعا کروں گا۔“ فریدی نے اُس سے کہا۔

مادام فلوویر ایک لمحے اُسے میٹھی نظر دوں سے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔ ”راؤٹر شروع ہوتے ہی میں آجائوں گی۔“

حیدر اُس کے جانے کے بعد تھیر آمیزانداز میں مسکرانے لگا۔

”حقیقتاً آپ نے اپنی زندگی برپا کر لی ہے۔“ اس نے کہا۔

”لیکن میں نے کبھی تمہیں اس کی رائے نہیں دی۔“

”یہاں کئی خوبصورت لڑکیاں آپ کی ہم رقص بننے کی میٹھی نظر آ رہی تھیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور سکار سکانے لگا۔

”لیکن آج میں اس کی وجہ پوچھ کر رہی رہوں گا۔“

”کس کی وجہ؟“

”میں شروع ہی سے اس بات کا اندازہ لگا رہوں کہ آپ ایسے موقعوں پر زیادہ تر بوڑھی عورتوں کو تلاش کرتے ہیں۔“

فریدی مسکرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”باتیے نا۔!“ حمید نے پھر کہا۔

”پہاڑی ندیوں کو کبھی کبھی آثار بھی کہتے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”پانچویں درجے کی جغرافیہ کی کتاب میں میں نے بھی بھی پڑھا تھا لیکن میں اپنے سوال کا جواب چاہتا ہوں۔“

”کسی قلمی رسالے کے سوال و جواب کے ایڈیٹر سے رجوع کرو۔“

”نہ ہوئے۔“

”پہلا ہی جواب ٹھیک ہے۔“

”آپ کو بتانا پڑے گا۔“

”میں مر آدمی ہوں نا۔“ فریدی اکتا کر بولا۔ ”کسی ایسی عورت کے ساتھ رقص نہیں کرسکتا جو ہیری جنتیں کو تحرک کر دے۔“

”تو لگوٹی باندھ کر کسی بگد کے درخت کے نیچے دھونی رہائے۔ کسی رقص گاہ میں آپ کا کیا کام؟“

”فرزند میں یہاں تفریخاں نہیں آیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”مطلوب یہ کہ اسی بھیڑ میں وہ لمبیوتے چہرے والا بھی موجود ہے۔“

”کہاں.....؟“ حمید بے ساختہ کھڑا ہو گیا۔

”تشریف رکھئے! بوکھلاہٹ مجھے پسند نہیں۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ اگر وہ نج کر کر گیا.....!“

”بکومت.....!“ فریدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بخاد دیا۔ ”تمہارے فرشتے بھی اُسے نہیں پہچان سکتے۔“

”میرے فرشتے اتنے بدھونہیں۔“

”اچھا تو جاؤ ڈھونڈھ ہی لو اُسے۔“ فریدی کری کی پشت سے نیک لگاتا ہوا بولا۔

”کیا وہ اس وقت سینیں ہاں میں موجود ہے۔“

”قطیں.....!“

حمید نے پورے ہاں کا چکر لگا ڈالا۔ لیکن لمبیوتے چہرے والا کہیں نہ ملا۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں۔“ واپسی پر اُس نے فریدی سے کہا۔

”میں قطیں سنبھیڈہ ہوں۔“

”تو پھر باتیے نا کہ کہاں ہے؟“

”پہلے تم وعدہ کرو کہ ہاتھ پیر قابو میں رکھو گے؟“ فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

میں وعدہ نہیں کر سکتا۔ ”حمد بولا۔

”تو پھر مجبوری ہے۔“

”ضرور ضرور.....!“ وہ ہنس کر بولی۔ ”لیکن میں دو منٹ بعد حاضر ہو سکوں گی۔ ابھی تک

جنگر کی بوتلیں نہیں آئیں۔ کچھ کم پڑ گئی ہیں۔“

وہ تیری سے آگے بڑھ گئی۔ فریدی کی عمر ہم رقص آگئی تھی۔ فریدی اُسے بازوں میں لے کر رقصوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔ حمید میز پر نکل کر اپنا پاس سلاگانے لگا۔

آرکشرا“ Kiss me! Kiss me! Naughty boy“ بجا رہا تھا اور کئی ہوڑوں نے اس پر عمل بھی شروع کر دیا تھا۔ حمید کی نظر میں فریدی کو ڈھونڈنے لگیں اور پھر جیسے ہی وہ اُسے دکھائی دیا۔ حمید اپنی بھی ضبط نہ کر سکا۔ اُس کی بوڑھی ہم رقص بار بار اُس کی طرف اپنے

ہونٹ بڑھا رہی تھی اور وہ کچھ اس طرح کے منہ بارہا تھا جیسے اُسے اپنائیاں آ رہی ہوں۔

حمد کی نظر برابر ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ایک بار تو اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے دونوں زمین پر آ رہیں گے۔ وہ بے خاشش رہا تھا۔ اتنے میں لیڈی جہانگیر آ گئی۔

”خیریت.....!“ وہ حمید کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ حمید نے فریدی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بھی ہنسنے لگی۔

”اتا بجیب و غریب آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ لیڈی جہانگیر نے کہا۔ ”میں نے پہلے بھی ان کے تذکرے سنے تھے۔ حمید صاحب اس شہر میں یہ تنہ آدمی ہیں جن کے متعلق اونچے طبقے کی عورتیں اور لڑکیاں بہت زیادہ باتیں کرتی ہیں۔ اتنا دولت مند آدمی اور ایک معمولی انسپکٹر۔ اتنا حسین اور صحت مند آدمی، پھر بھی جوان عورتوں کی دوستی کا خواہش مند نہیں۔ آج ساری لڑکیاں اس کی ہم رقص بننے کی متمنی تھیں۔“

”کیا آپ کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”قدرتی بات ہے۔“

”تو آئیے.....! میں بھی ان سے کم عجیب نہیں ہوں۔“ حمید اُس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے رنگ کی طرف لے جاتا ہوا بولا۔ ”میری عمر ایک سو ستر سال ہے یہاں بھی میں پہیں سال سے زیادہ کا نہیں معلوم ہوتا۔ میں نے نفلی دانت نکلوا کراصلی دانت لگائے ہیں۔ ایک بندر سے خدوں کا جاولہ کیا ہے۔ بندر تندرست اور بخیریت ہے۔ البتہ میں آج کل درختوں پر چڑھنے کی

”میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں اُس کی موجودگی کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔“

”تو یہ اتنا الجھا ہوا معاملہ ہے کہ آپ کو باقاعدہ دیکھنا پڑے گا۔“ حمید بگزر کر بولا۔

”آہستہ فرزند من۔“ فریدی اُس کا شانہ تھپ تھپاتے ہوئے بولا۔ ”زیادہ بدحواس اُم

نہیں۔ تم بھی کہنا پا جائے ہو تو کہ وہ لیڈی جہانگیر کو دبارہ پکڑنا چاہتا ہے۔“

”ظاہر ہے۔“

”اس لئے اُس نے اتنا شاندار میک کیا ہے۔“ فریدی زہر خند کے ساتھ بولا۔ ”اور وہ اُن

بھیڑ میں اسے اغوا کرے گا۔“

”پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟“

”میں فی الحال صرف سوچنا چاہتا ہوں۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلاگاتا ہوا بولا۔

”تو سوچئے۔“ حمید نے کہا اور پیر پیچ کر کھڑا ہو گیا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھیں۔ آج کا

دوں کے بعد فریدی پھر چونکا تھا۔ ورنہ اس دوران میں اُس نے ایک بار بھی اُن واقعاتا

تذکرہ نہیں کیا تھا۔ حالانکہ کئی انبارات نے ملک سراغ رسانی پر طرف بھی کیے تھے۔ ایسے موقع

فریدی خاص طور پر چاق و چوبنڈ نظر آنے لگتا تھا۔ لیکن اس بار اسیا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ الک

کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دینے والے محاورے کو کچھ عالمی جامد پہنچا رہا ہو اور اب

اس وقت اچانک اُس نے پھر کروٹ بدی تھی۔ حمید چند لمحے کھڑا اُسے گھوٹا رہا پھر بیٹھ گیا۔

”جادو پھر تلاش کرو۔“ فریدی کے ہوتون پر ایک زہر لیلی مسکراہٹ بھیل رہی تھی۔

”آپ سے خدا ہی سمجھئے۔“ حمید نے بیزاری سے کہا اور من پھیر کر بیٹھ گیا۔

دوسرے راؤٹ کے لئے موسيقی شروع ہو گئی تھی۔ لوگ آہستہ آہستہ اٹھ رہے تھے۔

میں لیڈی جہانگیر حمید کے قریب سے گذری۔

”کیا میں آپ سے درخواست کر سکتا ہوں۔“ حمید نے اس سے کہا۔

مشق کر رہا ہوں اور بذر نے کو سلے کا بیو پار کر لیا ہے۔“

لیڈی جہانگیر دہری ہوئی جا رہی تھی۔ حید کی گرفت مضبوط ہو گئی اور وہ آہستہ سے بولا
”کیا میں کم عجیب ہوں لیکن پھر بھی اتنا عجیب نہیں ہوں کہ کسی بودھی عورت کو ہم رقص نہ
جو ان عورتوں کی توہین کروں۔“

”اس میں تو شک نہیں۔“ لیڈی جہانگیر مسکرا کر بولی۔ ”اس وقت بہتری جوان عورتی نہ
سانپوں کی طرح مل کھا رہی ہیں۔“

”کیا کسی جوان عورت سے اُن کی دوستی نہیں؟“ لیڈی جہانگیر نے پوچھا۔

”نہیں! لیکن یہ جانے کیوں آپ کی طرف بہت شدت سے جھک رہے ہیں۔“

”اوہ..... آپ مجھے یوقوف بنارہے ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو وہ کم از کم ایک بار ضرور
سے رقص کی درخواست کرتے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اسی عورت کے ساتھ آخر تک رقص کرنا
رہیں گے۔“

”چھوڑیے اُن کا تذکرہ۔ اتنے عرصے سے میرا اُن کا ساتھ ہے لیکن میں بھی اب تک
انہیں نہیں سمجھ سکا..... اور.....!“

حید اور پچھے کہنے جا رہا تھا کہ دفتارہاں کے سارے قلعے بھی گئے اور ساتھ ہی حید کے
جڑیے پر ایک گھونسہ پڑا اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے لیڈی جہانگیر کو گھیٹ لیا تھا۔ ہاں
میں متواتر چھین گو بنجے لگیں۔ پھر حید نے اندر ہرے میں لیڈی جہانگیر کی قیچی صاف پیچانی۔ اب
معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اندر ہرے میں کسی کے روایا
سے شعلہ نکلا اور سارا ہاں دھماکے سے گونج اٹھا۔ چھین گیا اور تیز ہو گیا۔ عجیب انتشار اور بے قابل
پھیل گئی تھی اور پھر اُس پر سے اندر میرا۔ حید دیوانہ وار دسوں سے نکلا۔ پھر رہا تھا اُس کے ذمہ
میں لمبڑا چہرہ ناچنے لگا تھا۔ اگر اُس وقت اُسے فریدی مل جاتا تو وہ نہ جانے کتنی سلواتیں نہ
رکھ دیتا۔

پھر کئی ثار چوں کی روشنیاں اندر ہرے میں چمکنے لگیں۔ لوگ ابھی تک چیز رہے نہ
چھوڑی دیر بعد ہاں میں پھر روشنی ہو گئی اور حید نے ایک دل ہلا دینے والا منظر دیکھا۔ ہاں

فرش پر کئی عورتیں بے ہوش پڑی تھیں اور بہتری کھڑی چیخ رہی تھیں۔ کسی کا ہار گم ہوا تھا اور کسی
کے پاؤں کے جاؤں کلپ..... حید لیڈی جہانگیر کو کٹلاش کر رہا تھا۔

چہرہ در چہرہ

حید فریدی کو بھی ڈھونڈ رہا تھا۔ پوری بلندگ میں زلزلہ سا آگیا تھا۔ لیڈی جہانگیر کے
مازان میں بدواںی میں ادھر ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ انہیں بھی لیڈی جہانگیر کے غائب ہو جانے
کا حال معلوم ہو گیا تھا۔

چھوڑی دیر بعد لیڈی جہانگیر مل گئی۔ وہ پائیں باغ کے چاٹک پر بے ہوش پڑی تھی۔ اُس
کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس کئی جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور بال بے ترتیب سے اُس کے
چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔

کسی نے ڈاکٹر کو فون کر دیا تھا اور ساتھ ہی پولیس کو بھی پولیس والے اور ڈاکٹر ساتھ ہی پہنچے۔
فریدی کا اب تک کہیں پتہ نہ تھا۔

پولیس اسپکٹر حید کو پیچان کر اُس کی طرف بڑھا۔

”میں یہاں موجود تھا لیکن ہنگامے کی وجہ سے اتنا ہی بے خبر ہوں جتنے کہ آپ۔“ حید
نے کہا۔

پھر اُس نے سارے واقعات بتا کر کہا۔ ”لیڈی جہانگیر میری ہم رقص تھی۔“

”اور اُسی وقت یہ حادثہ پیش آیا۔“ سب اسپکٹر طنزیہ انداز میں مسکرا یا۔

”تم صرف روپڑ لکھ کر واپس جاسکتے ہو۔“ قریب ہی سے آواز آئی۔

دونوں چوک کر لپٹے۔ فریدی اپنے ہوتوں سے سگار نکال رہا تھا۔

”نہیں.....!“
 ”اپنے سب مہماںوں کو پہچانتی ہیں آپ؟“
 ”نہیں کیوں.....!“
 ”میں یہ دیکھتا چاہتا ہوں کہ ان میں سے کون کون غائب ہے۔“
 ”تو کیا مہماں.....!“
 ”جی ہاں..... بہت ملکن ہے کہ مجرم مہماںوں میں مل گئے ہوں۔“
 ”ہو سکتا ہے..... میں بیتیرے مہماںوں کو نہیں پہچانتی۔ کیونکہ میں نے سر جہاں گیر کے وقت کی فہرست کے مطابق دوستی کا رڈ جاری کئے تھے۔“

سب اپنکے سب کے بیانات قائم کر کچنے کے بعد لیڈی چہاں گیر کی طرف متوجہ ہوا۔ ساری عورتیں آج کی دعوت کو نہ ابھلا کہ رہی تھیں۔ لوٹے ہوئے زیورات کا تختینہ ذریحہ لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ پورا ہاں ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس پر وحشیوں کی کسی فوج نے حملہ کر دیا ہو۔ مہماں ابھی تک موجود تھے اور طرح طرح کی چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ ان میں سے کئی عجمکہ سراغ رسانی کو بھی نہ ابھلا کہ رہے تھے کیونکہ عجمکے کے دو بہترین افراد کی موجودگی میں یہ سب کچھ ہوا تھا۔ اُس کے خواہش کے مطابق لیڈی چہاں گیر کا بیان علیحدہ کرے میں لیا گیا۔ جہاں صرف حیدر اور سب اپنکے تھے۔

پھر دوسرے مہماںوں سے بھی پوچھ گئے شروع ہوئی۔ لیڈی چہاں گیر کے ملازموں کے بیانات قلم بند کئے گئے۔ ان میں سے چار کو حرast میں بھی لیا گیا۔ حالانکہ لیڈی چہاں گیر ان کی یہ چلتی کی خلافت دے رہی تھی۔

فریدی سب سے الگ تھلک پیانو پر کہداں لیکے مجھے کا جائزہ لے رہا تھا۔ حیدر نے کئی بار اُس کی طرف دیکھا لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ پائی۔ صرف اُس کی عقابی آنکھیں متحرک تھیں۔ جسم اس طرح ساکت تھا جیسے اُس نے کبھی حرکت ہی نہ کی ہو۔

وغنا سب اپنکے اُس کے قریب آ کر آہستہ سے بولا۔

”اگر اجازت دیجئے تو ان سب کی جامد تلاشی لی جائے۔“

”بے ہوش عورتوں کے بیانات لو۔“ اُس نے کہا۔ ”اور ان عورتوں کے بھی جن کے زیورات پہنچنے کے ہیں۔“

”بہت بہتر۔“ سب اپنکے نے آہستہ سے کہا اور ہاں سے ہٹ گیا۔

حیدر فریدی کو لکھا جانے والی نظروں سے گھوڑا ہاتھا۔

”آخرنکل گیانا ہو۔“ وہ ہانپا ہوا بولا۔

”میں اُسے کپڑنے کے لئے تو نہیں آیا تھا۔“ فریدی نے مکرا کر جواب دیا۔

”کیا یہ ایک بدندا غنیمیں کہ ہماری موجودگی میں۔“

”ہم فرشتے تو نہیں۔“

”افرزو زخمی ہو گئی ہے۔“

”میں جاتا ہوں۔“ فریدی بجا ہوا گارسٹا کر بولا۔

”پھر بھی آپ۔“

”تو آپ ہی جا کر ہاتھ پر ماریے تا۔“ فریدی طنز آمیز لمحے میں بولا۔ ”میں تو نکما ہو گیا ہوں۔“

”اچھا یہ بات ہے۔“ حیدر متحیاں بھیجنے کر بولا۔ چند لمحے فریدی کو تیز نظروں سے گھوڑا رہا

پھر تیزی سے چلتا ہوا ہاں آیا جہاں سب اپنکے بیانات لے رہا تھا۔

بے ہوش عورتیں میں آچکی تھیں۔ ان کی بھی کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر نے

آن کی بے ہوشی کی وجہ درستائی تھی۔ لیڈی چہاں گیر کو بھی ہوش آ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اُس کی پیشانی کے زخم کی مرہم پٹی کر دی تھی۔ اُس نے حیدر کو الگ بلا کر کہا۔

”میں سب کے سامنے اپنایاں نہیں دوں گی۔“

”کیوں.....؟“

”بات ہی ایسی ہے۔ سب کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتی۔“

حیدر استغفار میں نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”آج بھی کچھ لوگ مجھے اٹھا لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔“

”اوہ.....!“ حیدر بے چینی سے بولا۔ ”کسی کو پہچانا آپ نے؟“

”تمہاری مرضی! مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ فریدی نے کہا اور جب سے نیا سگار نکال کر رونے لگا۔ ہال سے وہ شدید گھصے کی حالت میں نکلا تھا اور پھر اُس پر تیز رفتادی۔ اُس کی سلگانے لگا۔

سنسی تیز ہو گئی تھیں۔

سب انکھر نے معدورت کے ساتھ مجھ کے سامنے یہ تجویز پیش کی۔ لوگوں کے چہرے بگر گئے۔ کیونکہ وہ سب ذی حیثیت تھے۔ لیکن مجبوری..... ان میں بعض بلند آواز میں پولیس والوں

”میں نکل جاؤں گا۔“ دوسرا آواز آئی۔ کوئی اچھا کہر رہے تھے لیکن اُن کے احتجاج کے باوجود بھی کارروائی شروع کر دی گئی۔ حید پھر جلا

کر فریدی کی طرف بڑھا۔

”آگر پڑھے گئے تو..... وہ دونوں مردوں بھی موجود ہیں۔“

حید ہونٹ بھینچ کر سر ہلانے لگا۔

”تو پھر بتاؤنا.....؟“

”کی بتاؤں؟“

”تم اُو ہو..... میں چہار دیواری پھلا گکر نکل جاؤں گا۔ یہاں کہیں چھپاٹا تھیں۔“

”تم جانو.....!“

حید پھر پੱختا ہوا ہال سے باہر نکل آیا۔ گھصے میں اُسے راستے کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ایک غلط راہداری میں آنکلا اور پھر اپنے اندازے کے مطابق راہداری کے اختتام پر دامنی طرف رہ گیا۔ کی وجہ سے قدموں کی آواز نہیں سنائی دی رہی تھی۔ دوسرا راہداری کے سرے پر کسی کمرے کی روشنی پر رہی تھی۔ حید نے وہاں دونوں کی ایک بلکل سی جھلک دیکھی۔ وہ تیزی سے قدم بڑھانے والے جلد یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔

وختا نار کی کے احساس نے اُسے چونکا دیا۔ وہ نہ جانے کہ در نکل آیا تھا۔ چاروں طرف لگا۔ پھر اُس نے انہیں پا کہیں باعث میں اترتے دیکھا۔ یہاں اندر ہیرا تھا۔ البتہ تاروں کی چھاؤں اندر ہیرا تھا لیکن یہ بھی کوئی راہداری نہیں تھی۔ کیونکہ زمین پر بچھی ہوئی چھائیوں کی وجہ سے خود اُسے میں اُسے دوسرے دکھائی دے رہے تھے۔ حید مہندی کی باڑھوں کی آڑ لیتا ہوا اُن کا تعاقب اپنے قدموں کی چاپ نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ داپسی کے لئے مڑھی رہا تھا کہ کسی نے تیز قدم کر رہا تھا۔ لیکن اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ وہ تیز ہے وہ چھپاٹا چاہے تھے کی سرگوشی کی ”ٹھہرو۔“

آواز دور سے آئی تھی لیکن اُس کی گونج صاف بتاری تھی کہ بولنے والا راہداری نہیں میں ہے۔ حید رک گیا۔ مگر وسرے ہی لمحے میں اُسے معلوم ہو گیا کہ خاطب وہ خود نہیں تھا بلکہ کوئی اور ! کیونکہ وہ اب داؤ میوں کی سرگوشیاں اپنے قریب سے سن رہا تھا۔

”پھاٹک پر بھی پولیس موجود ہے۔“

”پھر.....؟“

”وہ دونوں چہار دیواری کے بیچے بیچے پکے تھے۔ پھر اُن میں سے ایک زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا اُس کے کانٹھے پر جمیر کھڑا رہا تھا کہ حید بنے اختیار تیز پڑا۔“ خبردار اپنے ہاتھ اور پر اٹھاو۔“

دونوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔

حید دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا اور اپنی پھولوتی ہوئی سانس کی آوازوں کو دبانے کی کوشش

ہال میں ابھی سک لوگوں کی جام سلاشی لی جا رہی تھی اور حمید نے فریدی کو بدستور پیانو ہی پر پایا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اپنی دونوں کہیاں پیانو پر لیے مجھے کا جائزہ لے رہا تھا۔

حید نے زیورات کی پوٹی اُس کے سامنے ڈال دی اور جک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کا۔ لیکن دوسرا ہی لمحے میں اُسے چوک کر چکے ہوئے جانا پڑا۔ نہ جانے کیوں اُس کے جسم کی سارے روئیں کھڑے ہو گئے تھے اور سر سے پیر سک ایک شندی لہر دوڑتی چل گئی تھی۔ وہ فریدی کی آنکھیں تھیں یا کسی خوفناک درندے کی۔ اُس نے حید کو سر سے پیر سک دیکھا اور پھر اُس کی

نظریں جواب طلب انداز میں اُس کے چہرے پر جم گئیں۔

”لئے ہوئے زیورات.....!“ حید آہستہ سے بولا۔

”کہاں ملے؟“

”وآدمیوں کے پاس سے برآمد کیے۔ وہ حرast میں ہیں۔“

”آہم..... اچھا.....!“ فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ گھری نیند سے چوک کر اٹھا ہو۔ پھر اُس نے سب اسکر کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”ٹھہریے۔“ مجھ پر سناتا چھا گیا۔

”لوٹا ہوا مال برآمد کر لیا گیا ہے۔“ اُس نے بلند آواز میں کہا۔

ایک لمحہ خاموشی رہی پھر ہال میں تیز قسم کی جھینکناہٹ کو جنخے گئی۔

انی ہوئی عورتیں بے تحاشہ پیانو کی طرف لپیں۔

”مجھے افسوس ہے۔“ فریدی نے اُن سے کہا۔ ”عدالتی کاروائی شناخت سے قبل نہ تو یہ آپ کو واپس مل سکیں گے اور نہ دکھائے ہی جائیں گے۔“

اس دوران میں بھی اُس کی نظریں مجھ ہی کی طرف رہیں۔

عورتیں بڑی ہوئی واپس جا رہی تھیں اور فریدی کے رویے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُس کے کاؤں سک اُن کی آوازیں تیزی ہی نہیں رہی ہیں۔

”ٹھہریے۔“ ایک بار پھر فریدی کی آواز گوئی۔ ”آپ..... جو باہر جا رہے ہیں۔“

یہ کی نظریں بے ساختہ اُس طرف اٹھ گئیں جدھر فریدی نے اشارہ کیا تھا۔ ایک آدمی

”ہاتھ اور اٹھاؤ“ حید نے پھر لکارا۔ اُس کے دابنے ہاتھ میں اُس کا فاؤنٹین پینز اُسے توقع تھی کہ وہ اندر میں دور سے پستول کی نال ضرور معلوم ہو گا۔ دونوں نے اپنے اپر اٹھائے تھے۔

حید آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کافی دری سے اندر میں دیکھیں کی عادی ہو گئی تھیں۔ اُن دونوں میں سے ایک نے وہیں کوئی چیز گرانی تھی جسے حید نے ماز دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اُن میں سے ایک بولا۔

”کہاں بجاگ رہے تھے؟“ حید نے گرج کر پوچھا۔

دونوں خاموش رہے۔

”وہ اتنی طرف مژو۔“ حید نے کہا۔ اور چل پڑو۔ کوئی حرکت کی تو بھیجا صاف۔“

دونوں چلنے لگے۔ حید تیزی سے دیوار کے قریب آیا۔

”چلتے جاو۔“ اُس نے پھر لکارا۔ گھاس پر پڑی ہوئی پوٹی اُس کے ہاتھ آگئی تھی۔

”بائیں مژو.....!“ وہ طلق کے بل چینا۔ پوٹی کچھ وزنی تھی۔ اس کا دل بلیوں اچھلے کا۔

”وہ مارا.....!“ اُس نے دل ہی دل میں کہا اور پھر وہ اُس ڈرامائی وقوع کے متعلق ہوا

قلعہ بنانے لگا جس سے فریدی کو دوچار ہونا تھا۔

چھانک کے قریب پہنچ کر اُس نے ان دونوں کو پولیس کا شبلوں کے حوالے کر دیا اور انہی فاؤنٹین پین دکھانا ہوا بولا۔ ”دیکھو..... یہ رہا پستول،“ پھر وہ قہقہے لگاتا ہوا اندر چلا گیا۔ وہ سونا

قاکہ کس طرح فریدی آہستہ پوری بات بتا کر دوسروں کو حیرت زدہ کرتا ہے اس وقت

بھی وہی طریقہ اختیار کرے گا۔ بھی وجہ تھی کہ اُس نے گرفار شدگان کو اندر لے جانے کی بجائی

وہیں چھوڑ دیا تھا۔ حید حقیقت احتی نہیں تھا لیکن اس وقت اُس پر دادخواہی کا بجوت سوار تھا اور کتاب

ہے کہ اُسے یہ داداں عورتوں کی طرف سے ملتی جن کے زیورات لوٹے گئے تھے۔ لہذا اُس کا

کھوپڑی کی حدود سے نکل جانا رحق تھا۔ اُس نے جلدی میں اُن دونوں کی شکلیں دیکھنے کی زندگی

گوارانی کی۔

”میرے خدا.....!“ وہ تھیر آمیز لمحے میں بولی۔

”آپ نے اس سے پہلے بھی یہ کھل کر میں دیکھی تھی؟“ حید نے اس سے پوچھا۔

”خوبی کبھی نہیں..... کہیں نہیں۔“ وہ اپنا چہرہ چھپا کر بولی۔ ”آج میرا گھر بدنام ہو گیا۔“

پھر وہ سکیاں لے لے کر رونے لگی۔ ”میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہ گئی۔“

”اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔“ حید نے اسے تسلی دی۔ ”لئے ہوئے زیورات بھی مل گئے ہیں۔“

”اوہ.....!“ وہ آنٹو پوچھ کر حید کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

”آپ نے میری عزت رکھ لی۔“

قریب ہی ایک لڑکی دوسرا سے کہہ رہی تھی۔ ”جس زمین پر ان دونوں کے قدم پڑتے ہیں دہائی کرنی شکاری کی جیت اگلی واقعہ ضرور ہوتا ہے۔“

دوفاٹر

مہماں ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے تھے۔ اُنیٰ عورتیں دیریک فریدی اور حید کو گھر سے رہیں۔ بدق塘 تمام وہ دونوں اُن سے پچھا چھڑا سکے۔

”اور وہ دونوں کہاں ہیں؟“ فریدی نے حید سے پوچھا۔

”بامہر.....!“

”تو آؤ بامہر چلیں۔“

زیورات کے متعلق خاباطے کی کارروائی ہو چکی تھی۔ سب اپکڑ جرم سمیت جانے کے لئے تیار تھا۔ وہ بھی فریدی اور حید کے ساتھ ہی ساتھ باہر نکلے۔ پائیں باغ کے چھانک پر کاشتیں

دروازے میں کھڑا فریدی کو گھور رہا تھا۔ یہ ایک ادھیر عمر کا تو اور تندرست آدمی تھا۔

سے اچھی طرح واقف تھا۔ یہ شہر کے ایک مشہور ناٹ کلب کا فیجر مسٹر ڈاٹے تھا۔

”آپ کس کی اجابت سے باہر جا رہے تھے؟“ فریدی اُس کی طرف بڑھا۔

”کیا ابھی کوئی او جنگ جھٹ باتی ہے؟“ اُس نے حقارت آمیز لمحے میں کہا۔

”صرف ایک اور.....!“ فریدی نے اُس کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ کر جھکا دیا۔

دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُس نے بالوں سمیت اُس کے چہرے کی کھال کھینچ لی۔

خصوصاً حید کی آنکھوں کے سامنے تو بھلی سی چمک گئی اور اُس کے منہ سے بے ساختہ ٹکڑا۔

”لبورت اچھرہ۔“

دوسرے لمحے میں وہ اچھل کر اُس پر جا پڑا۔ دونوں گھنے ہوئے زمین پر آ رہے۔ بھی!

اوپر نظر آتا تھا اور بھی وہ۔ لوگ بد جواہی میں اُن کے گرد اکٹھا ہوتے جا رہے تھے۔ لمبڑا۔

چہرے والا لڑنے سے زیادہ کھل بھاگنے کی فکر میں تھا۔ مگر حید جو مک کی طرح لپٹ کر رہا گیا۔

آخر کار پولیس والوں نے اس جدوجہد کا خاتر کر دیا۔

لبورتے چہرے والے کو ہھکڑیاں لگائی جا رہی تھیں اور فریدی کی نظریں اب بھی کوئی

ڈھونڈ رہی تھیں۔

حید نے پھر آگے بڑھ کر لبورتے چہرے والے کے منہ پر ایک تھپٹ روید کر دیا۔ پورا۔

ہال میں شاید ہی کوئی ایسا چہرہ رہا ہو جس پر حیرت کے آثار نہ ہوں۔ مسٹر ڈاٹے کے ذمہ

دوست اُسے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔ وہ شخص ہنسنے وہ سالہاں سے ڈالے کیا۔

میں دیکھتے آئے تھے اُن کے سامنے اجنیوں کی طرح کھڑا تھا۔

ڈاکٹر نے لیڈی جہانگیر کو آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن جیسے ہی اُس کے کافوں تک

سے واقعہ کی خبر پہنچی وہ ننگے پیر دوڑتی چلی آئی۔

”ارے یہ مسٹر ڈاٹے.....!“ وہ حید کو مخاطب کر کے بولی۔ ”نہیں یقیناً آپ لوگوں کی

نہیں ہوئی ہے۔“

آس کے قریب کھڑے ہوئے ایک ہمہاں نے ایک ہی سانس میں سارا واقعہ دہلا۔

موجود تھے۔

”وہ دونوں کہاں ہیں؟“ حمید نے ہیڈ کا نشیل کو خاطب کیا۔

”وہ دونوں ہی ہی ہی۔“ ہیڈ کا نشیل نے دانت نکال دیے۔ ”وہ تو کب کے چلے گئے۔“

”کیا.....؟“ حمید کا ان بچاؤز دینے والی آواز میں چینا۔

”جی ہاں.....! اُس نے سہم کر کہا۔“ انہوں نے کہا تھا کہ تمہارے سارے جنگ صاحب.....!“

”کیا بکواس ہے..... بکوجلدی۔“ حمید جھلا گیا۔

”انہوں نے کہا تھا کہ سرجنت صاحب پڑھے ہوئے ہیں۔ ہم اُن کے دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے مذاق کیا ہے۔“

”اور تم نے یقین کر لیا.....؟“ حمید دانت پیس کر بولا۔

”تو صاحب آپ ہی نے ٹھیک سے بات کی ہوتی؟“ ہیڈ کا نشیل کے لجھ میں تیجی تھی۔

”کیا آپ نے اُن کے سامنے فاؤنڈین پن پخا کر اُسے پستول نہیں کہا تھا؟“

حمدیڈ کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سر بازار اُس کے سر پر چپت رسید کر دی ہو۔ وہ سونپنے والا کہ حقیقتاً غلطی اسی کی تھی۔ اُس کی اس حرکت پر اُسے شرابی تو کیا پاگل بھی سمجھا جاسکتا تھا۔ اُسے چاہئے تھا کہ مجرموں کو پرد کرتے وقت کا نشیل بوس کچھ سمجھاویتا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے۔ سب ان پکڑ بھی تریب ہی کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ اُس نے حمید سے پوچھا۔

حمدیڈ ہنسنے لگا۔

”کوئی بات نہیں۔“ اُس نے کہا۔ ”میں نے اپنے دوستوں سے مذاق کیا تھا۔ لیکن ”ادھورا ہی رہ گیا۔“

”اچھا.....!“ سب ان پکڑ ہنسنے لگا۔ ”پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔“ ”وہ مجرم کہاں ہیں جنہیں آپ نے پکڑا تھا۔“

”ان کا مسئلہ فی الحال ٹیڑھا ہے۔“ فریدی نے کہا جو اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ حمید۔

اس سلسلے میں ضرور کوئی حاجت ہو گئی ہے۔

”لیکن میری رپورٹ.....؟“ سب ان پکڑ نے کہا۔

”وہ تو میرے خیال سے ابھی تک نامکمل ہی ہو گی۔“

”جی ہاں۔“

”تو اُسے اس طرح کامل کرو کر لوٹا ہوا مال لے کر مجرم فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ کا نشیل بوس نے انہیں جالیا۔ کافی دیر تک جدوجہد ہوتی رہی اور وہ لوٹا ہوا مال چھوڑ کر فرار ہو گئے۔“

”مگر.....!“

”میں انہیں اپنے طور پر حاضر کروں گا۔“ فریدی سگار سگار لگاتا ہوا بولا۔ ”اُن کا ہاتھ اس سے بھی گھرے بعض معاملات میں رہا ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ لیکن رپورٹ اُسی طرح کامل کرنا چاہیے میں نے کہا ہے۔“

سب ان پکڑ نے لمبڑے چہرے والے کو پولیس کی لاری میں سوار کر دیا، جو فریدی اور حمید کو کھا جانے والے انداز میں گھوڑا رہا تھا۔

اُن کے چلے جانے کے بعد فریدی حمید کی طرف پلاتا۔

”ہاں اب تم بک چلو.....!“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

حمدید نے ایک ایک کر پورا اور قلعہ دہرا دیا۔

”تر جانے تمہارا مجھ پن کب رخصت ہو گا۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا اور کوئی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ دونوں پھر اُسی ہاں میں آئے۔ یہاں کی ابتدی دلکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کچھ دیر قلیل یہاں رنگ رلیاں منائی جاتی رہی ہوں گی۔ ہاں کے وسط میں لیڈی چاہا گیر خاموش کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔ فریدی اور حمید اُس کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ لیکن اُس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ وہ خلاء میں نظریں جماعت کھڑی تھی۔

”مجھے آج کے حداثے پر افسوس ہے محترم.....!“ فریدی نے کہا۔

لیڈی چاہا گیر چوک پڑی۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک بے جانی میں مکار ہٹ پھیل رہی تھی۔

پھر وہ ایک خندی سانس بھر کر فریدی کی طرف پر خیال انداز میں دیکھنے لگی۔

”میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔“ فریدی پھر بولا۔ ”لیکن آپ کو بھی کیا سکتی تھیں؟“

”میں ڈالٹے کو عرصے سے جاتی تھی۔“

”ہم بھی جانتے تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اس کی دوسری حیثیت آج ظاہر ہوئی۔“

”آپ اُسی کی قید میں تھیں۔“ حمید بولا۔

”اب سارے معاملات میری سمجھ میں بھی آرہے ہیں۔“ لیڈی جہانگیر نے کہا۔

”لیکا.....؟“ فریدی نے اپنی تیند سے بوچل آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

”وہ عرصہ سے مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا۔“

”اوہ! تب تو معاملہ صاف ہے۔“

”کیا.....؟“

”اُس نے پہلی بار اسی مقصد کے حصول کے لئے آپ کو مقید کیا تھا۔“

”لیکن.....!“ وہ فریدی کی طرف دیکھ کر رہا تھا۔

فریدی استفہامیہ انداز میں اُسے دیکھ رہا تھا۔

”لیکن اس طرح اُس کی مقصد برداری کیوں کروتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی دوسری حیثیت میں پریش ظاہر کرتا۔“

”ٹھیک ہے لیکن ڈالٹے کی حیثیت سے وہ آپ کو اتنا زیر بار احسان ضرور بنا سکتا تھا۔“

”کس طرح؟“

”ڈالٹے کی محل میں آپ کو اپنی عی قید سے رہائی دلا کر۔“

”اوہ.....!“ اُس نے فریدی کی طرف تھی آمیز نظر وہی سے دیکھا۔ ”لیکن اب میں کروں۔ میرا گھر تو آج بدنام ہی ہو گیا۔“

”اس کی ٹکرائی کے بعد یہاں کا کوئی اخبار اس حادثے کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا اور آؤ۔“

کے ہمانوں کی غلطی رفع کرنے کی بھی کوشش کی جائے گی۔“

”میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔“

”کسی سے بھی نہیں۔“ حمید نہیں کر بولا۔ ”ہم یہ سب کچھ اخلاق اتنا نہیں کرتے بلکہ مجبوراً

کریں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں بھی۔“ افروز کے چہرے پر ہوا نیا اڑنے لگیں۔

فریدی نے بھی حمید کو گھوڑ کر دیکھا۔

”دوستوں کے لئے مجبوراً آپ پر بننے پڑتے ہیں۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

”اس میں تو کوئی شہید نہیں کہ میری وجہ سے آپ لوگوں کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔“

افروز آہتہ سے بولی۔

”خیر..... خیر..... میں بھی آپ ہی کی طرح رکی باتوں کا قائل نہیں۔“ فریدی مکرا کر

بولا۔ ”میں نے آپ کے بیہاں مستقل طور پر دو کاشیلوں کی ڈیوٹی کا انتظام کر دیا ہے۔“

”میں کس زبان سے۔“

”پھر آپ نے وہی رکی بات چھیڑی۔“ فریدی پھر مکرا یا۔ ”اگر آپ ضروری سمجھتی ہوں تو

آج رات حمید صاحب بھی یہاں رہ سکتے ہیں۔“

”بہت بہت شکریہ۔“

فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”ذیکھتے ایں نہ کہتا تھا کہ ہر آدمی کبھی نہ کبھی رکی باتیں کرنے پر مجبور ہوئی جاتا ہے۔“

”بخدا یہ میرے حقیقی جذبات ہیں۔“ افروز نے سنجیدگی سے کہا۔

”خیر اچھا..... میرے لائق کوئی اور خدمت.....؟“

”آپ بچھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“

”پھر وہی رکی جملے.....!“

”میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔“ افروز نہیں کر بولی۔

”اچھا تو حمید صاحب..... شب بخیر۔“ فریدی نے کہا اور لے لے قدم بڑھاتا ہوا ہال

سے باہر ٹکل گیا۔

”آئے.....!“ افروز تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”آپ کچھ پریشان سے نظر آ رہے ہیں۔“

”تو آپ اسے غافلی سمجھتے ہیں؟“

”میرا خیال ہے کہ میں اسے آرٹ ہی سمجھنے پر مصروف ہوں گا۔“ حمید مسکرا کر بولا۔

”بھی تو مشکل ہے کہ عام طور پر آرٹ اور غافلی کی نازک فرق کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔“

”میں بہت زیادہ ذمیں نہیں ہوں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن پھر بھی بجوری اور

جوانی کے اس خوبصورت تخلیل کی قدر ضرور کر سکتا ہوں۔“

”حید صاحب! میں اپنے الفاظ واپس لتی ہوں۔“ افروز نے سنجیدگی سے کہا۔ آپ کی

لامین کے لوگ عموماً صرف منطقی ہوتے ہیں۔ لیکن آپ..... اور میں بھی کہاں بچک رہی ہوں۔

شاید پاگل ہو جاؤں گی۔“

وفحشاً و اپنا سر پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

”کیوں کیا ہوا.....؟“ حمید بوكلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

”کچھ نہیں۔“ افروز سر اٹھا کر بولی۔ ”وہ کچھ خوفزدہ ہی نظر آنے لگی تھی۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

”کون کہہ سکتا ہے۔“ وہ آہستہ سے بولی۔ ”کہ یہ میری زندگی کی آخری رات نہیں ہے۔“

”کیوں.....؟“

”مجھے کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے جیسے میری موت قریب ہو۔“

”کمال کرتی ہیں آپ بھی۔“ حمید نہیں پڑا۔

”آپ ہی کے بیان کے مطابق ڈاٹے کسی بڑے گروہ کا سر غرض تھا۔“

”ہاں تو پھر.....؟“

”کیا اس کے ساتھی..... وہی حرکت نہیں کر سکتے۔“

”ٹھیک ہے..... لیکن میں یہاں جگہ مارنے کے لئے تو نہیں رک گیا۔“

افروز خاموش ہو گئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ فکر مندی اور جخف کے آثار نے اسے نہ جانے

کیوں اور زیادہ حسین ہا دیا تھا۔ اس کے دونوں ابروؤں کے درمیان ایک نازک سی لکیر ابھر آئی

تھی اور ہونٹ قدر بے کھل گئے تھے۔ جن سے دانتوں کی چک جھلکیاں مار رہی تھیں۔

”اوں.....!“ حمید چونکہ پڑا اور بے جانی نہیں کے ساتھ کہنے لگا۔ ”مجھے اس کا انہیں ہے کہ میں اس ڈاٹے کے بچ کی اچھی طرح مرمت نہ کر سکا۔“

”خیر آئے! ایک نئے رہا ہے۔ آج رات کی نیند تو گئی۔“

”نیند تو مجھے بھی نہ آئے گی۔“

افروز حمید کو ایک کمرے میں لے آئی۔ غالباً یہ اس کے سونے کا کمرہ تھا۔

یہاں ہر دو چیز موجود تھی جو ایک آرام طلب اور رنگین مزاج عورت کے سونے کے کمرے میں ضروری ہو سکتی ہے۔

”بیٹھئے۔“ اس نے ایک آرام کرنی کی طرف اشارہ کیا اور خود ایک کھڑکی کھول کر اس کا قریب کھڑی ہو گئی۔

حمدید کی نظر میں ایک تصویر پر جبی ہوئی تھیں۔ یہ کسی مشاق مصور کا کارنامہ تھا۔ ایک عرب اور جوان عورت جس کے ہاتھوں اور جیروں میں چھکڑیاں اور بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں اور ایک ساسانی اس کے جسم سے لپٹا ہوا اس کے چہرے پر چھن مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وفحشاً افروز حمید کی طرف مڑی اور اس کا انہاک دیکھ کر بے ساختہ مسکرا پڑا۔

”کیا یہ تصویر.....!“ افروز ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”کسی شریف عورت کی خواب گاہ کے میوب سمجھی جا سکتی ہے۔“

حمدید چونکہ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نظر میں تو تصویر کی طرف تھیں لیکن ذہن کھیل اور تھا۔ وہ فریدی کے اس عجیب و غریب رویے کے متعلق سوچ رہا تھا جو اس نے کچھ قبیل اختیار کیا تھا۔ صرف وہی نہیں آج رات اس عمارت میں قدم رکھتے ہی حمید نے ایک گیئر

تم کا تغیر محسوس کیا تھا جسے وہ اب تک کوئی معنی نہیں پہنچا سکا تھا۔ اس کے ذہن میں بیک وقت سوال ابھر آئے تھے۔ اس پر افروز کے سوال نے جو بالکل ہی مختلف النوع تھا اُسے ذہنی انشا میں بٹلا کر دیا۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ.....؟“ وہ پس کر بولی۔

”کچھ نہیں! میں اسی تصویر کے متعلق غور کر رہا تھا۔“

”اوہ.....!“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”آپ ان کی عادتوں سے واقف نہیں۔ اسی لئے ایسا کہہ رہی ہیں۔ بعض اوقات ان کی زبان بڑی سفاک ہو جاتی ہے۔“
”مجھے بہلانے کی کوشش نہ کیجئے۔ خیر ہو گا ماریے گولی۔ میرے لئے یہ کوئی نی بات نہیں۔ جب سے میں نے ہوش سنجلہا ہے کسی نہ کسی الجھن میں ہمیشہ بتلا رہی ہوں۔“

”میں کس طرح آپ کی غلط فہمی رفع کرو؟“ حمید کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”فریدی صاحب دوچھپیتے بچے نہیں ہیں۔ کیا انہوں نے آپ کو چاک پر بے ہوش نہیں دیکھا تھا۔ کیا یہ آپ کی پیشانی کی چوت مصنوعی ہے؟“

”کیوں؟ کیا کوئی مجرم اپنا جرم چھپانے کے لئے یہ سب نہیں کر سکتا۔ ایک سراغ رسال یہ بھی تو سوچ سکتا ہے کہ میں نے خود ہی اپنا سرپوز لیا ہو گا۔ شخص اس لئے کہ اس کا شیر رفع ہو جائے۔“
”واللہ میں آپ سے نہیں جیت سکتا۔“ حمید نہیں کر بولا۔ ”یقیناً آج کل آپ کا معدہ خراب ہے۔ خراب معدے سے اٹھنے والے انحرفات ذہن میں الجھن اور دوسروں کی طرف سے بے بنیاد ثہبات پیدا کرتے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے بھی بات ہو۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”ایک صاحب کا واقعہ یاد آ رہا ہے۔“ حمید اپنے مخصوص لمحے میں بولا۔ وہ لمحہ جو وہ کوئی لطیفہ ننانے سے قبل اختیار کرتا تھا۔ ”آن کا معدہ خراب رہا کرتا تھا۔ معدے سے انحرفات اٹھ کر ذہن میں تختہ اور پھر سارے زمانہ انہیں اپنا دشمن معلوم ہونے لگتا۔ ایک رات انہیں نیند آ رہی تھی۔ انحرفات برادر اٹھ رہے تھے۔ اچاک آن کا کتا بھوکنے لگا۔ وجہ خواہ کچھ رہی ہو لیکن اس کی آواز پر لیا کیہ آن کے دماغ نے قلابازی کھائی۔ وہ سوچنے لگے کہ جب ایک آدمی اشرف الخلوقات ہونے کے باوجود بھی احسان فراموش ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کسی وقت جانور کا بھی دماغ نہ اٹھ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی رات آن کا کتابی آن کی گردن دبوچ بیٹھے۔ جب آدمی کا اعتبار نہیں تو کہتے کہ کیا بھروسہ۔ وہ تھوڑی دیر تک پڑے الجھتے رہے پھر اٹھنے اور کہتے کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا لیکن جیسے ہی کمرے میں جانے کے لئے مڑے کتا پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ اب تو کچھ آن پر بڑھا کی کا دورہ پڑ گیا۔ بھلا کرتا دوبارہ اندر کیسے آ گیا۔ اگر وہ انحصارہ فٹ

”لیکن.....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”آپ بیکار پر بیٹھا ہیں۔“ حمید نے اسے تسلی دی۔

”اس وقت ایک خیال اور پیدا ہوا ہے۔“ افروز نے آہستہ سے کہا۔

”وہ کیا.....؟“

”میں یہ نہیں کہتی کہ میرا خیال بچ نہیں ہو۔ لیکن حالات ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اس کا امکانات بھی ہو سکتے ہیں۔“

”آپ تو پہلیاں لے پڑھیں۔“ حمید اکتا کر بولا۔

”شاید فریدی صاحب مجھ پر بھی شبہ کر رہے ہیں۔“

”کمال کر دیا۔ شاید آپ اخلاقی قلب کی مریض ہیں۔“ حمید نہیں کر بولا۔

”نہیں حمید صاحب۔۔۔ میں قطبی سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں۔ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں ایسا سمجھنے پر مجبور ہوں۔ کیا آپ ان حالات میں یہ نہ سمجھیں گے کہ میں بھی اُسی گرے سے تعلق رکھتی ہوں؟“

”کون سے حالات.....؟“

”یہاں پر ڈاٹے کی موجودگی۔۔۔ میرا خیال اب بھی بھی ہے کہ وہ مجھ سے شادی کا خواہش مند تھا اور اسی لئے اس نے یہ حرکت کی۔ لیکن آپ کے ذہن میں تو وہ عورتیں بھی ہوں گی جو خواہ خواہ لوٹی گئیں۔ اگر اسے صرف مجھے لے جانا تھا تو اس نے اتنا ہنگامہ کیوں بنا کرایا؟“

”ظاہر ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو ٹھکار کئے۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ یہ کیوں بھول جاتی ہیں کہ وہ اچھے خاصے ڈاکوؤں کا گروہ ہے۔“

”حمد صاحب! آپ مجھے اطمینان نہیں دلا سکتے۔ فریدی صاحب کو مجھ پر شبہ ہے۔“

”آخر آپ اتنے دلوقت سے کیسے کہہ رہی ہیں؟“

”کیا ابھی انہوں نے رکی گفتگو کے سلسلے میں میرا مصلحت نہیں اڑا دیا تھا۔“

”افروز نے سنجیدگی سے کہا۔“ حالانکہ یہ اس کا موقع نہیں تھا۔

کوئی کے ملازم میں بدبوائی میں عقی پارک کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد حمید نے افروز کی خواب گاہ کی کھڑکی کے نیچے ایک آدمی کو خاک، خون میں لٹھرا ہوا پایا۔ گولی ران میں لگی تھی۔ زخمی کے قریب ہی ایک ریوالور پر اتھا۔ حمید نے اسے روپاں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اس میں سارے کارتوس موجود تھے۔ نال سے بارود کی بو بھی نہیں آ رہی تھی۔

پکھ دیر بعد افروز بھی وہاں پہنچ گئی۔

”کیا مر گیا.....؟“ وہ خوفزدہ آواز میں یوں۔

”نہیں بے ہوش ہے۔“ حمید نے پرخیال انداز میں کہا اور آگے بڑھ کر دیوار پر پکھ دیکھنے لگا۔ ”یادا..... یہ کیا مصیبت ہے۔“ افروز نے کہا اور خود بھی گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ حمید پھر پولیس کو فون کر رہا تھا۔

ایک چال

”وہرے دن ان پکڑ فریدی حمید سے کہہ رہا تھا۔“
”ڈاٹے حوالات سے فرار ہو گیا۔“

”کیا.....؟“ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ رات بھر جا گئے رہنے کی وجہ سے یوں بھی اسکی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔ ابھی تک جہاں گیر پلیس والی فائر گگ کا معمر بھی حل نہیں ہوا تھا۔ اس پر اسے یہ حرمت انگریز خبر سنی پڑی۔ کتوالی کی مستحکم حوالات سے نکل جانا آسان کام نہیں تھا۔ ”یہ ناممکن ہے۔“ وہ خوب نکو بڑھایا۔ ”ناممکن۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ لفظ پولیس کی ڈاکشنری میں نہیں تھا۔“

اوپری دیوار پھلا گکر آیا ہے تب تو یقیناً اس کی نیت میں فتور ہے۔ میں پھر کیا تھا جس پھر اچھا چلا کر چھننا اور دوڑنا شروع کر دیا۔ نتیجے کے طور پر نہ صرف گھر کے دوسرے لوگ بلکہ اڑوس پرور والے بھی دوڑ پڑے۔ کافی ادمم رہی۔ بعد کوپہ چلا کہ انہوں نے کتے کے دھوکے میں بکری اباہر نکال دیا تھا۔ کتابخانے سے آخر تک گھر ہی میں رہا تھا۔

افروز نہیں پڑی۔

”واتھی حمید صاحب! خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کا آپ کا ہر وقت کا ساتھ ہو۔“ اُر نے کہا۔

حمید کا وزن کی پوچھ بڑھ گیا۔

”لیڈی.....!“

”افروز.....!“ وہ احتیاج جاتا تھا اٹھا کر بولی۔

”لیکن مجھے مٹھائی زیادہ اچھی نہیں لگتی۔“

”لیتھی.....?“

”اس نام پر زبان کی جڑک میٹھی ہو جائے گی۔“

”بنانے لگے۔“ افروز نے اس انداز میں کہا کہ حمید کا دل وہڑ کئے لگا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں ”مغرب اخلاق“ لڑپر قسم کی کوئی حرکت نہ ہو جائے۔

”میں جس کہہ رہا ہوں۔“ حمید کی آنکھیں نشلی ہو گئیں۔

افروز کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دفعتاً قریب ہی ایک فائر ہوا اور ٹھیک کمرے کی کھڑکی کے نیچے ایک چیخ سنائی دی۔

افروز اچھل کر حمید پر آ گری۔ وہ مری طرح کاپ رہی تھی۔ حمید اسے مسہری پر ڈال کر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔ دوسرا فائر ہوا اور گولی کھڑکی کے اوپر لگی۔ حمید کھڑکی بند کر کے دروازے کے طرف بھاگا۔

”کہاں جا رہے ہیں؟“ افروز خوفزدہ آواز میں چیخ۔

”ڈر نہیں۔“ حمید نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

حمد پھر سوچ میں پڑ گیا۔ حالانکہ ایسے موقع پر کسی سوچ میں پڑنا ہی فضول تھا مگر وہ اپنے اونچتے ہوئے دماغ کو کیا کرتا جو کسی ایک خیال سے چھٹ کر سوچانا چاہتا تھا۔

”آخ رکس طرح نکل گیا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”جس طرح میں نے چاہا۔“

”آپ نے؟“ حمید کے اونچتے ہوئے دماغ نے سنjalala یا

”ہاں..... میں نے۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”اُس سے کچھ اگلوالیا بہت مشکل کام تھا۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“ حمید کے لمحے میں تیر تھا۔

”کیوں..... ظاہر ہے کہ میں اس سلسلے میں اپنے مخصوص طریقے نبیں اختیار کر سکتا تھا کیونکہ سول پولیس نے براوراست اسے پکڑا تھا۔ اگر آدھے گھنٹے کے لئے بھی وہ میرا تہہ خان دیکھ لیتا تو اسے حوالات سے فرار ہونے کا موقع ہی نہ دیا جاتا۔“

”میں نبیں سمجھا۔“

”تم تو سور ہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”چچپلی رات ذرا خشگوار تھی تا۔“

”چچپلی رات.....؟“ حمید دانت پیس کر رہا گیا۔

”کیوں؟“ فریدی کی آنکھوں میں شرات آمیز چمک تھی۔

”مجھے افسوس ہے کہ وہ بیچ کر نکل گیا۔“

”کون.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”وہی جس نے اس پر گولی چلائی تھی۔“

”اچھا زخمی ہونے والا کون ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو۔ مجھے اس سے غرض نہیں؟ آپ بھی کہیں گے تاکہ وہ انہیں مجرموں کا ساتھی ہے۔“

”قطی..... وہ بھی ڈالٹے کے ساتھوں میں سے ایک ہے۔“ فریدی بولا۔

”لیکن اس پر گولی چلائی کس نے؟“

”تم ابھی کہہ رہے تھے کہ تمہیں افسوس ہے کہ وہ بیچ کر نکل گیا۔“

”اور اب بھی کہیں کہتا ہوں۔“

”آخ رکیوں؟“

”اس لئے کہ وہ بھی قانون کی گرفت میں آسکتا ہے۔“ حمید بولا۔

”غیر..... خیر.....!“ فریدی سگار سلاگا تا ہوا بولا۔ ”یہ بتاؤ کہ وہ ہاتھ میں روایا اور لئے اس

کھڑکی کے نیچے کیا کر رہا تھا؟“

”موت کا انتظار.....!“ حمید نے کہا اور اٹھ کر نہیں گا۔

”اگر جملہ آدمیوں میں جاتا تو کیا کرتے؟“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”جھٹکیاں ڈال دیتا۔“

”اچھا.....!“ فریدی نے مسکرا کر اپنے ہاتھ حمید کی طرف بڑھا دیئے۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید اسے گھومنے لگا۔

”یہ غیر قانونی حرکت میں نے ہی کی تھی۔“

”آپ نے؟“

”ہاں اور اگر نہ کرتا تو تم اس وقت چار آدمیوں پر سوار نظر آتے۔“

”تو آپ بھی وہیں رہ گئے تھے؟“

”قطی.....!“

”آخ رکیوں؟“ حمید نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”تو کیا افروز کا خیال درست ہے۔“

”کیسا خیال.....؟“

”بھی کہ آپ اس کی طرف سے مٹکوں ہیں۔“ حمید نے کہا اور لیڈی جہاگیر کی ساری

لگنگوڈ ہرداری۔

فریدی کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

”لیکن آپ نے مجھے وہاں کیوں چھوڑ دیا تھا؟“ حمید نے پوچھا۔

”اول.....!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”محض اس لئے کہ تم افروز کی حفاظت کرو اور میں تمہاری۔“

”لیکن آپ کے رویہ نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ آپ حقیقتاً اس کی طرز وہ اس گروہ کا سراغ نہیں ہے۔“
مشکوک ہیں۔“

”کیوں؟ کیا اسی گروہ کا ایک اور فرد بھی ہمارے قبضے میں نہیں ہے؟“
”وہ رنجی؟“

”اس سے پہلے آپ نے کبھی مجھے کسی عورت میں لمحبی لینے پر مجبور نہیں کیا۔“
”ہاں..... یہ بات اسی سے معلوم ہوئی ہے کہ لمبوترے چہرے والا جو گروہ میں ٹائیگر کے
”اگر میں تمہیں اس پر مجبور نہ کرتا تو آج ہم ڈالے کو پکونہیں کتے تھے۔ میں جاننا ہم سے مشہور ہے گروہ کا سراغ نہیں۔ گروہ کے کسی فرد نے سراغ نہ کو آج تک دیکھا ہی نہیں۔ انہیں
اس عورت کے قریب رہ کر ہمیں مجرموں تک پہنچنے میں آسانی ہوگی۔ وہ آسانی سے اس کا ٹیکن ادکامات ملتے رہتے ہیں اور یہ احکامات ان کو لمبوترے چہرے والے یا ٹائیگر کے ذریعے
ملتے ہیں۔“
”چھوڑ دیتے۔“

”میں فی الحال تمہارے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا۔“ فریدی بجھا ہوا سگار سلاک کر بولا۔
”ڈالے کس طرح فرار ہوا.....؟“

”ہو سکتا ہے کہ اس نے مسڑاٹے کا بہر پ اسی لئے بھرا ہوا رہا۔ میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ
”چھوڑنے والے نے اسے اس شرط پر چھوڑا ہے کہ وہ کسی طرح مجھے قتل کر دے گا۔“ گروہ والے اسے مسڑاٹے کی حیثیت سے نہیں جانتے۔“
”آپ کو.....؟“ حمید چوک کر بولا۔

”ہاں.....!“ فریدی نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔ ”ڈی۔ ایس۔ پی جیل نے اسے پولیس کو کچھ بتایا ہی نہیں؟“
”بہت کچھ بتایا ہے۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔ ”لیکن وہ بتانا ایسا ہی ہے جیسے تم کسی کو اپنا
”ڈی۔ ایس۔ پی جیل نے؟“ حمید کی حرمت بڑھ گئی۔ کیونکہ ڈی۔ ایس۔ پی جیل پیشہ ماہی گیری میادو۔ اس نے پولیس کو بتایا کہ وہ مسڑاٹے کے بھیں میں اپنی بد صورتی پھچانا
فریدی کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے خیال آیا کہ کچھ اپنچاہا تھا۔ اور بس..... اس نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ اس کا تعلق کسی گروہ سے بھی ہے۔ لیڈی
جہاگیر کے گھر میں ہونے والی لوٹ مار سے اس نے خود کو قطبی بے تعلق ظاہر کیا ہے۔ اس نے یہ
بھی بتایا کہ اس کے تعلقات سر جہاگیر عادل جی سے بہت اچھے تھے اور لیڈی جہاگیر اسے سر
وہ کچھ دری خاموش رہا پھر بولا۔ ”یہ خص اس لئے کیا گیا کہ اسے اس رعایت پر جو جہاگیر کی زندگی ہی سے جانتی تھی۔ بہر حال اس کے پورے بیان کا انفصال یہ ہے کہ اس نے
ہو۔ بہر حال اب میں یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا۔ کیونکہ حوالات سے مسڑاٹے کے بھیں میں کسی کو رتی برابر بھی نقصان نہیں پہنچایا۔ اس میک اپ کا مقصد محض
میرے آدمی اس کی نگرانی کرتے رہے ہیں۔“

”لیکن آخر تنا پچیدہ راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“ حمید نے پوچھا۔ ”کہا۔“
”بہتر ہے کہ تم جا کر سو، ہی رہو۔“ فریدی اس کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”ابھی کچھ کیا؟“

”نمکن۔ میں اس کے ٹاپ سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ایک بار
میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ پولیس اس سے کوئی کام کی بات معلوم نہ کر سکی۔ یہ بھی واضح ہے۔“

اُس کے سینے پر ریو اور کی نال بھی رکھ دی جاتی تو وہ کچھ نہ بتاتا۔

”بہر حال.....!“ حمید منہ سکونٹ کر بولا۔ ”اب اس اگلی ہوئی مکھی کو دوبارہ لگانا پڑے گا۔“ اور کل رات کوشیدتم ہاتھی نگل رہے تھے۔ اُس سے زیادہ کسی کیس میں بھی تمہیں عیاشی کا موقع نہ ملا ہوگا۔ کفران عورت مت کرو پیارے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس کیس کے میں تم پر کروڑ جان سے عاشق بھی ہو جائے۔ عورت مال دار ہے۔ اُس کی دولت دوسری عیاشی کے کام آئے گی۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں ہاں..... میں کہہ رہا ہوں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر زبان کا اعتبار نہ ہو تو کوئی بھی دے سکتا ہوں۔“

”افروز کے متعلق آپ نے کیا رائے قائم کی ہے؟“

”بہت خوب صورت ہے۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ اُس کے چال جلن کی متعلق.....؟“

”چال تو قیامت ہے حمید صاحب لیکن لفظ جلن آج تک میری سمجھ میں نہ آسکا۔ ورنہ پہنچنی رونی ڈالتا۔ حمادروں سے میں عاجز ہوں۔ اب اگر آپ رکھ رکھاؤ کے متعلق بھی پوچھ بیٹا تو میں صرف رکھ رکھاؤ کے بارے میں بتا سکوں گا۔ رکھ رکھاؤ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہی ماہ چل چلاو کے ساتھ بھی پیش آ سکتا ہے۔ ویسے مٹر پلاو اپر میں بحالت فاقہ بھی تقریر کر سکتا ہوں۔ حمید سمجھ گیا کہ فریدی اب اس کے متعلق گفتگو کرنے نہیں چاہتا اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ البا بار اس سلسلے میں افروز کوئی لفاظ میں یاد کر چکا ہے۔

”اُس زخمی نے لاشوں کے متعلق کیا بتایا؟“ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”بھی کہ وہ سرغنا کے احکامات کے مطابق مختلف مقامات سے اٹھا کر ادھر ادھر ڈالا۔“ اس کا مقصد کیا تھا یہ آج تک گروہ کے کسی فرد کو نہ معلوم ہو سکا۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کرے میں نہیں تھا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”جاو اب سو“ مجھ بھی تھوڑا بہت سوتا ہے۔ میں بھی چھپلی رات جا گتا ہی رہا ہوں۔“

”کل رات کتنی لڑ کیاں.....!“

”تم پر مرتبے مرتے بھیں۔“ فریدی نے اُس کا جملہ پورا کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تم تجھ پر جا کر سورہ وور نہ تھوڑی بعد ہی دیرناک پر انگلی رکھ کر گفتگو کرنے لگو گے۔“

حید نے ایک آنکھ دبا کر جہاں لی اور انھوں کا پنپے کر کے کی طرف چلا گیا۔ پھر چار بجے شام سے پہلے اُس کے خزانے نہیں رکے اور جب وہ سوکر اٹھا تو اُس نے فریدی کو اُسی کمرے میں پایا جہاں وہ اُسے چھوڑ گیا تھا۔

ائیں ٹرے میں سگاروں کے کٹی جلے ہوئے ٹکڑے نظر آئے۔

”آپ نہیں سوئے؟“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں..... تمہارے جانے کے بعد میں نے فرض کر لیا تھا کہ چھپلی رات کو میں جی بھر کے سوچ کا ہوں۔“

”بہت خوب.....!“ حمید نہ پڑا۔ ”اگر کسی دن آپ نے میزوں کرسیوں کو مجرم اور کسی کئے کو گھوڑا فرض کر لیا تو پڑوں کے بچوں کو بڑی خوشی ہوگی۔“

”جب میں نے تم جیسے گدھے کو آدمی فرض کر لیا ہے تو اب مجھے کسی بات میں کوئی پچکاہٹ نہ ہوں ہوئی چاہئے۔“

”کاش آپ نے مجھے گدھا فرض کیا ہوتا۔“ حمید تھنڈی سانس لے کر بولا۔

”خیر اگر کام چوری کا مسود ہو تو میں یوں بھی تمہیں مجبور نہ کروں گا۔“

”پھر آپ نے بات پلٹ دی۔ میں نے یہ تو نہیں کہا۔“

”خیر..... خیر..... جلدی کرو۔ ناشہ بھی غالباً تیار ہو گا۔ اُس کے بعد اُبھی میک اپ بھی کرنا ہے۔“

”میک اپ.....؟“ حمید ہکا کر رہ گیا۔

اور پھر چبجے کے قریب وہ دونوں کیڈی یلاک پر سڑکیں ناپ رہے تھے۔

فریدی ایک ادھیز عرصے کے پروقار آدمی کے بھیں میں تھا اور حمید اپنے میک اپ میں شرم سے کٹا جا رہا تھا۔ اگر بات میک اپ ہی پر ختم ہو جاتی تو خیر لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔

فریدی نے اسے پندرہ سو لے سال کا ایک فخری لارکا بنا دیا تھا جس کے اوپری ہونٹ پر بلکل گل روئیدی گئی تھی۔ فریدی اس کی طرف دیکھ کر بار بار اپنی بائیں آنکھ دبادیتا تھا۔
”اس پیشے پر سو بار لعنت.....!“ حمید بڑی بڑا۔

”ڈر نہیں تمہیں پیشے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”میں مذاق کے موڑ میں نہیں ہوں۔“ حمید جھنگلا گیا۔
فریدی نے پھر مسکرا کر اپنی بائیں آنکھ دبادی۔

”آخر ہم جائیں گے کہاں؟“ حمید نے ٹھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”ظاہر ہے کہ جہنم میں.....!“ فریدی ہس پڑا۔
”میں بگاڑتا ہوں میک اپ.....!“ حمید نے ڈھمکی دی۔

”میرا کیا ہوا میک اپ ہے بیٹے خاں..... کسی فلم یا ڈرامے کا میک اپ نہیں۔ اے بگاڑنے کے لئے تمہیں کافی مقدار میں ایمونیا صرف کرنی پڑے گی۔“
حید کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس وقت اسے بچ چھپا اپنی بی بی پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ کرگی کیا سکتا تھا۔ اسے غصہ اس بات پر تھا کہ فریدی نے اسے اپنے پروگرام کے متعلق بتایا کہا نہیں۔ لیکن یہ بھی کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ ایسے موقع پر عموماً بھی کرتا تھا۔ اس نے مجبور احمد نے اپنی بوئیاں نو پنے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا۔

کیڈی لاک ایک ویران سڑک پر جا رہی تھی۔ شہر کافی پیچھے رہ گیا تھا۔ اندر ہر اچیل رہا تھا۔ دفتار فریدی نے کیڈی ایک دوسری سڑک پر موڑ دی۔ حمید بدستور خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ ٹھوڑی دیر بعد کار کے رکتے ہی چونک پڑا۔

کار نیا گراہوں کے گیراج کے سامنے رکی تھی۔ شمالی سرے پر بیٹھے ہوئے واقع میں نے ایک خالی حصے کے برتنی نمبر روشن کر دیئے۔ کیڈی کا انجمن بند نہیں کیا گیا تھا۔ فریدی نے کار اندا لگادی اور انجمن بند کر کے پیچے آتی آیا۔ پھر وہ ہوٹل کی عمارت کی طرف بڑھے جو آبادی سے بہ دور ویرانے میں اپنی مخصوص قسم کی رنگ رلیوں کے لئے مشہور تھی۔ یہاں کے اخراجات اتنے زیادہ تھے کہ صرف دولت مند ہی طبقہ آن کا محمل ہو سکتا تھا۔ عام لوگ تو بے چارے ٹھنڈا

سائنس ہی بھر کر رہ جاتے تھے۔ یا پھر یونیورسٹی دستتوں پر رُ رب ڈالنے کے لئے اکٹھ کوئی ایسا کارنامہ دہراتے جو نیا گراہوں سے متعلق ہوتا۔ ویسے اگر ان سے وہاں کی تنظیم نشست ہی کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ صرف مندرجہ کر رہ جاتے یا پھر بات ہی ازادیتے۔

فریدی اور حمید اندر داخل ہوئے۔ ہال میں ایک اطالووی رقصاص آر کشرا پر ناچ رہی تھی اور ساری میزیں بھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ فریدی نے رُک کر چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور پھر مایوسانہ انداز میں آمد و رفت کے دروازے کی طرف لوٹ پڑا۔ حمید چاہوٹی سے اس کی تکید کرتا رہا۔

ایک آدمی ان کا تعاقب کر رہا تھا۔ حمید کو تو حقیقتاً اس کی خبر نہیں تھی ویسے فریدی کے انداز سے بھی بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس سے لاعلم ہے۔ حمید سمجھا تھا کہ اب فریدی گیراج سے کارنکالے گا لیکن وہ پارک میں آبیٹھا۔ بیٹھتے وقت اس نے آہستہ سے حمید کے کان میں کہا۔
”تمہارا نام عارف ہے اور تم نیشل کالج کے طالب علم ہو..... کیا سمجھے۔“

چھپتی چٹانیں

حمدید پر پھر بوكھلاہست کا دورہ پڑ گیا لیکن قبل اس کے کردہ کچھ کہتا فریدی اٹھتا ہوا اوپری آواز میں بولا۔

”اچھا تو میاں عارف پھر ملاقات ہو گی۔“

اُس کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ دے کا مریض ہو۔ پھر وہ لمبے لمبے قدم بڑھاتا ہوا پارک سے نکل گیا۔

حمدید نے بیٹھ کی پشت اسے نکل کر اپنے مقدر کو دو تین ناقابل فہم گالیاں دیں اور جیب میں

سگر بیٹ کا پیکٹ ٹولے لگا۔
فریدی نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس میک اپ کے دوران میں پاپ کی بجائے سگر بر پنے گا۔

یہاں تک تو سارے معاملات اُس کی سمجھ میں بخوبی آگئے تھے لیکن اس صورت میں ٹیڈ آنے والے حادثات سے وہ قطعی بنے خبر تھا۔ آنے والے الحادثات میں کیا کرنا تھا۔ خصوصاً یہ تو ایک ایسا سوال تھا جس کا کوئی جواب اُس کا زہن تلاش نہ کرسکا۔

فریدی جاپ کا تھا اور اسے وہاں بینھنا تھا مگر کب تک؟ کس لئے؟ مقصد تو صاف ظاہر تھا لیکن حصول مقصد کا طریقہ تاریکی میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ایسے موقع پر تو فریدی کو پہنچنے کو ضرور بتانا چاہئے تھا۔ آخر وہ اسے کچھ بتائے بغیر کیوں چلا گیا؟ اُس کے انداز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ جلدی میں ہو اور اپنے لئے تو حید کے ذہن میں ایک بڑی مناسب تشبیہ گئی رہی تھی۔ وہ خود کو ایک ایسا بکرا تصور کر رہا تھا جسے شیر کے شکار کے لئے باندھا گیا ہو۔

حید نے سگر بیٹ نکالا اور اسے ہوتوں میں دبا کر کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا پھر اسے سلاک لایٹر جیب میں رکھنے والی جا رہا تھا کہ باسیں طرف سے ایک آدمی اپنے ہوتوں میں سگر بیٹ آنکھیں شرات آمیز چک سے محروم نہ رہی ہوں گی۔ دبائے اُس کی سمت جھکتا ہوا بولا۔

”تکلیف تو ہوگی۔“

حید نے اُس پر ایک اجنبی سی نظر ڈالی اور اُس کا سگر بیٹ سلاگا دیا۔

وہ سیدھا کھڑا ہو کر آہستہ سے بولا۔ ”شکریہ۔“

حید نے اسے بچے سے اوپر کمک دیکھا اور لایٹر جیب میں ڈال کر ایک طرف سرک گیا۔ ”اب بھلا بتائیے۔“ وہ بیٹھتا ہوا بڑا بڑا۔ ”اتنی دور سے آئے تھے تفریق کے لئے لیکن اُن کوئی میری ہی خالی نہیں۔“

”ہم بھی رجڑیشن کروانا بھول گئے تھے۔“ حید نے کہا۔ ”یہاں بغیر اس کے کام نہیں چلا۔“ ”یقیناً یہی باث ہوگی۔“ اجنبی آہستہ سے بولا۔ ”میں نے ڈائرکٹری میں اس ہوٹل کا ایسا دیکھا۔ میں نے سوچا پر سکون اور عمرہ جگہ ہوگی۔“

”تو آپ یہاں نوارد ہیں؟“ حید نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ اجنبی بولا۔ ”تعجب ہے کہ یہ لوگ اس پارک کو بھی کیوں نہیں استعمال کرتے۔“

”یہ صرف گارڈن پارکیز کے لئے مخصوص ہے۔“ حید بولا۔
”تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر بولا۔“
”آپ شاید اسٹوڈنٹ ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”کس ایرے کے؟“

”فور تھا ایرے۔“

اجنبی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ختم ہوتے ہوئے سگر بیٹ سے دوسرا سلک نہ لگا۔
”یہ ایک ڈھلتی ہوئی عمر کا تندروست آدمی تھا۔ خدو خال بتا رہے تھے کہ جوانی میں کافی حسین اور پرکشش رہا ہو گا اور اُس کے پروقاڑ چہرے پر کبھی ایک شوخی میں مکراہٹ ہوتی رہی ہوگی۔“
”آنکھیں شرات آمیز چک سے محروم نہ رہی ہوں گی۔“

”آپ مجھے کسی اچھے خاندان کے چشم و چہار معلوم ہوتے ہیں۔“ اجنبی تھوڑی دیر بعد بولا اور حید کی اچھلنے والی زبان کسی طرح قابو میں نہ رہ سکی۔

”نہ میں چشم ہوں اور نہ چااغ،“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”مجھے عارف کہتے ہیں۔“

”آپ کافی زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔“ اجنبی بہنے لگا۔ ”یہ عربی اُنکی ہوتی ہے۔ کبھی میں بھی.....!“

”میں بھی بڑھاپے میں بھی کہوں گا۔“ حید نے اُس کی بات کاٹ دی۔

اجنبی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”حیرت ہے کہ آپ ایسی دلچسپ جگہ تھا آئے ہیں۔“

”الد صاحب کو ساتھ لانے کا ارادہ تھا مگر انہیں تافیاں خریدنی تھیں۔ اس لئے انہوں نے بچا جان کو ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن وہ بھی پلے گئے۔“ اجنبی نے قہقہہ لگایا۔

جاتے۔“

”میرا مطلب یہ تھا کہ نوجوان لوگ ایسی جگہوں پر کسی عمدہ قسم کے پائزٹر کے بغیر نہیں
جاتے۔“

”سمجھا.....!“ حمید سرہلا کر بولا۔ ”لیکن میرے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ٹریجذبی ہے اے
لڑکیاں مجھے منہ نہیں لگاتیں۔“

”آپ کو.....!“ اجنبی کے لمحے میں حیرت تھی۔ ”شاید آپ مذاق کر رہے ہیں۔“

”میں حقیقت عرض کر رہا ہوں۔“

”نہیں مان سکتا۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ آپ نے خود ہی انہیں منہ لگانا مناسب نہ سمجھا ہوگا۔“

”اب میں آپ کو کس طرح یقین نہ دلوں۔“ حمید نے کہا۔ اُس کے کان پچھے کچھ کھڑے
ہونے شروع ہو گئے تھے۔ ”میں نے کئی بار لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن کر
نے نوٹس سک نہ لیا۔“

”میں کس طرح یقین کروں!“ اجنبی اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”آپ جیسے نوجوان کو الہ
موڈرن لڑکیاں پوچھتی ہیں۔“

”میں شاید آپ کو یقین نہ دلاسکوں۔“ حمید نے دوسرا سگریٹ سلاگاتے ہوئے کہا۔

”اگر میں نے ثابت کر دیا تو.....؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔

”تو میں عمر بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔“ اجنبی نے سمجھی گی سے کہا۔ ”میں ثابت کر سکتا ہوں یا اے
آپ بن رہے ہیں یا پھر اپنی صحیح قدر و قیمت سے خود واقف نہیں۔“

حمدید نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”میں آپ کو کئی لڑکیوں سے ملاوں گا۔“ اجنبی پھر بولا۔ ”اس کے بعد مجھے آپ کو سات
سلام کرنے کا موقع ضرور ملے گا۔“

”لڑکیوں سے.....!“ حمید نے آہستہ سے دہرایا۔

”جی ہاں.....! اٹھا رہ وکھریہ یہ روڈ میں میرا قیام ہے۔ اگر آپ کل شام کو وہاں آئیں
میں اپنے دووے کو پایہ شوت تک پہنچا دوں گا۔“

”مرہی جاؤں۔“

”لیکن میاں صابرزادے۔“ وہ حمید کے کانڈھے پر انتہائی بے تکلفی سے ہاتھ رکھتا ہوا

بولا۔ ”آپ حدود سے آگے نہیں بڑھیں گے۔“

”کس قسم کی حدود.....؟“ حمید نے مخصوصیت سے پوچھا۔

”بجھے احقیقہ نہ بنایے۔“ اجنبی نے مسکرا کر کہا۔ ”آپ اس سے زیادہ بھجوہ دار ہیں جتنا میں

آپ کی عمر میں تھا۔“

”میں بھجوہ دار تو ہوں لیکن یقین ماننے میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

اس پر اسرار اجنبی نے نہیں کر ایک ایسا اشارہ کیا کہ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں کلباءہٹ

ہونے لگی۔

”ارے..... نہیں..... ہی ہی ہی۔“ حمید مصنوعی قسم کے شر میلے انداز میں ہنئے گا۔

”آپ رہتے کہاں ہیں؟“

”پنس ہوٹل میں۔“

اجنبی تھوڑی دریک خاموش رہا پھر بولا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے؟“

”اوہ..... وہ..... پروفیسر عمران..... ہاں تھے تو؟“ حمید اُس کی طرف استقہامیہ انداز

مل دیکھنے لگا۔

”کچھ نہیں..... میں نے یونہی پوچھا تھا۔“

”بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”یہاں ساری میزیں بھری دیکھ کر اٹکے

پاؤں والیں گئے۔ کچھ تعب نہیں کہ اپنی ذاتی میز اور کرسی لے کر والیں آرہے ہوں۔“

”واقعی.....؟“

”قلنسے کے پروفیسر ہیں تا! ایک دن اٹکے جوتے پین کر جوتے والوں پر برس رہے تھے

کہنے لگے اور سور ہوتے ہیں یہ جوتے والے بھی۔ کم بخت ایسے جوتے بناتے ہیں جو کبھی بُنگ

اور بھی ڈھیلے۔

اجبی نے قہقہہ لگایا۔

”اور سنے! ایک صبح اپنے بنگلے سے کانچ جانے کے لئے تیار ہو کر نکلا۔ نہ جانے کہ اسے ایک گدھا آنکھا تھا اور ٹھیک اسی جگہ آ کر کھڑا ہو گیا تھا جہاں انہیں اپنی موڑ سائکل ملی تھی۔ اُس دن اتفاق سے تو کر موڑ سائکل نکالا بھول گیا تھا۔ آپ بے خیال میں گدھے پر چڑھ بیٹھ اور لگے زمین پر پاؤں مارنے۔ کسی نے پوچھا یہ کیا۔ کہنے لگے کم بخت اشارت ہی نہیں ہوتی۔“

اجبی کے قہقہے برابر گونج رہے تھے۔

”خدا کی قسم آپ بہت زندہ دل آؤ دی ہیں۔ میں مان نہیں سکتا کہ لڑکیاں آپ لوافت نہیں دیتیں۔“

”آپ کو مانتا پڑے گا۔“ حمید دفعتاً بگز کر بولا۔

اجبی حیرت سے اُس کا مند دیکھنے لگا۔

”آپ مجھے جھوٹا سمجھتے ہیں؟“

”ارے نہیں صاحب۔“ اجبی پرے کھلکھلا ہوا بولا۔

”میں کل ضرور آؤں گا لیکن اگر مجھے شرمندگی ہوئی تو.....!“

”میرا سراز ازاد بیجھے گا۔“ اجبی مسکرا کر بولا۔

”آپ نے میری بات کا بُراؤ تو نہیں مانا؟“ حمید نے کھوڑی دیر بعد زم لجھے میں کہا۔

”نہیں قطعی نہیں.....!“

”میں بہت بد نصیب آؤ دی ہوں۔“ حمید نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ پھر باقاعدہ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”ارے ارے..... آپ رو کیوں رہے ہیں۔“ اجبی گھبرا کر بولا۔

”پچھے نہیں کوئی بات نہیں۔“ حمید انھے کر کھڑا ہو گیا۔ ”میں کل آپ سے ضرور ملوں گا۔“

”لیکن شہر یے تو آپ رو کیوں رہے ہیں؟“ اجبی کہتا ہی رہا لیکن حمید چل پڑا۔ اس۔

آنوا بھی تک جاری تھے اور وہ دل ہی دل میں فریدی کو بُرَا بھلا کہہ رہا تھا۔ اس نے ردمال۔

آنکھیں خٹک کرنی چاہیں لیکن بے سود۔ آنکھوں میں بستور حلن ہوتی رہی اور پانی بہنا۔

فریدی نے میک اپ کے سلسلے میں نہ جانے کون سی چیز استعمال کی تھی جسے حمید کی لاپرواٹی نے آنکھوں تک پہنچا دیا تھا اور آنکھیں تھیں کہ برابر ہے جاری تھیں۔ وہ بدق塘 تمام گیراج تک پہنچا۔ فریدی کی کیڈی لاک ابھی تک دہیں کھڑی تھی۔ حمید نے آنکھیں خٹک کر کے چاروں طرف دیکھا لیکن فریدی کہیں نہ دکھائی دیا۔

اس نے چپ چاپ کار گیراج سے نکالی اور اسے سڑک پر لے آیا۔ پھر وہ دل ہی دل میں پسچ کر خوش ہونے لگا کہ کیڈی کی عدم موجودگی میں فریدی کو کافی دھکے کھانے پڑیں گے کیونکہ یہاں پر بیکسیاں نہیں ملتی تھیں۔ یہاں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی آتے تھے جنہیں کراچی کی سواریاں کرنی پڑیں۔

خاصی تاریکی چھا گئی تھی۔ سڑک سنسان تھی لیکن نہ جانے کیوں حمید کیڈی کو آہستہ آہستہ چال رہا تھا۔ آگے چل کر اُسے کار روک دیں پڑی کیونکہ تھوڑی دور پر ایک آؤ دل اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ جب ہمیں لائیٹس کی روشنی اُس کے چہرے پر پڑی تو حمید نے اُسے پیچا۔۔۔۔۔ یہ فریدی تھا۔

”چوت دینا چاہتے تھے۔“ وہ اُس کے برابر میٹھتا ہوا بولا۔ ”ادھر کھکو.....!“

فریدی نے حمید کو ہٹا کر اسٹریمگ سنجھال لیا۔ کیڈی پھر چل پڑی۔

”چلو معاف کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیونکہ اس وقت تم نے اپنا پارٹ ہڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔“

”جباب.....!“ حمید ہونٹ پھیلا کر بولا۔ ”آخر آپ مجھے کب تک بندروں کی طرح نچا ہیے گا۔ جہنم میں گیا یہ پارٹ وارٹ..... میری آنکھیں۔“

”انہیں آنکھوں کی بدولت وہ تمہیں عرصے تک یاد رکھے گا۔“

”اُس تضعی اوقات کا مقصد کیا تھا.....؟“

”اُگر تم مقصد بھی نہیں سمجھ سکتے تو تم پر گدھوں کی پچکار۔“

”ترپس کیجھ کر میں چجھ قربانی کا بکراہی ثابت ہوا تو؟“

”خراش کی خوشی ہے کہ مقصد تمہاری سمجھ میں آگیا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”ہاں اگر واقعی تم مارے ہی گئے تو کسی نہ کسی طرح صبر کروں گا۔“
”بس؟ گویا میں.....!“

”آگے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے مرنے سے دنیا کوئی کمی محوس نہ کرے گی کہ
کوئی دوسرا حید پیدا ہو جائے گا۔“
”لیکن جنہوں نے اس حید کو پیدا کیا ہے ان کا کیا حشر ہوگا.....؟“
”میں انہیں بھی صبر ہی کا مشورہ دوں گا۔“

حید نے فریدی کو گھوڑا کر دیکھا۔ وہ حد درجہ بندیہ نظر آ رہا تھا۔

”تو کیا مجھے آپ مجھے کسی خطرے میں بھوک رہے ہیں؟“

”ہاں..... ہاں..... ہاں.....!“ فریدی نے بھٹکے دار آواز میں کہا اور فتحا کار روک
اور انہیں بند کر کے نیچے اتر گیا۔

”میرا منتظر کرو۔“

پھر وہ تاریکی میں غائب ہو گیا۔ کچھ دور تک قدموں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں پھر
نے ایک سگریٹ سلاکیا اور سیٹ سے نکل گیا۔ اسے اس وقت وہ ساری لاشیں یاد آ رہی تھیں
جنہیں دیکھ کر اُس کے روئے کھڑے ہو گئے تھے۔ پھر اس کا ذہن اُس ابھی کی طرف مڑ گیا۔
سے کچھ دیر قبل اُس نے باتیں کی تھیں اور وہ باتیں..... کیا وہ کسی نوجوان کو چھاننے کے
ناکافی تھیں۔ خوبصورت لڑکیوں کا لائق۔ کیا وہ سب بے چارے اسی لائق میں مارے گئے۔
حید کو فریدی کا یہ سوال یاد آ گیا کہ وہ کون سی ایسی چیز تھی جو ان لڑکوں کو کافی رات گئے کہ
سے باہر رہ کر رکھتی تھی۔ خوبصورت لڑکیاں..... اُس کے جسم میں ایک سردی لہر دوڑا
بوڑھے ابھی کا شفقت آثار چہرہ بھیڑیے کی شکل میں تبدیل ہو کر اُس کی آنکھوں کے سامنے
آگیا۔

حید خائف نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی کبھی ایسا موقع آیا تو وہ خود اُس کی بین
اڑا دے گا۔ الجھن دراصل اس بات کی تھی کہ فریدی اُس کی آنکھوں پر پیاس باندھ کر
اندر ہرے میں دھکیل رہا تھا۔ اُس نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ اُس کے لئے یہ چیز بھی تھی تھی
کہ ”کچھ ہی دیر پہلے ایک گاڑی جھریاں کی طرف گئی ہے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”اُس کی روائی

کہ اُس کیس میں اتنے دن لگ گئے تھے اور ابھی تک کوئی خاص نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ فریدی
مض اپنی طبع رہا اور بچھر تیلے پن بھی کے لئے مشہور تھا ورنہ بھکے میں بھکیاں مارنے والے تو
بیٹھرے پڑے ہوئے تھے۔ اس دو ران میں کئی بار افران بالا کی طرف سے یاد دہانی بھی کی
جا چکی تھی اور یہ اس کی یاد داشت میں پہا ا موقع تھا۔ ورنہ اس سے قبل افران بالا کو کبھی اس کی
ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ حید بنائے میں جھیکروں کی جھائیں جھائیں مستارہ۔ اُسے آج شام
اڑوڑ سے مٹا تھا مگر نسل سکا۔ وہ اُس کے لئے ہمدردی کی بے پناہ جذبات رکھتا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ زیادہ خوبصورت عورت کی بہر حال مٹی پلید ہو جاتی ہے۔ جا ہے وہ غرب
ہو چاہے دولت مند۔ کچھ نہیں تو لوگ اُس کے لئے گندے خیالات ہی رکھتے ہیں۔ زیادہ پر جوش
اور بے باک قسم کے آدمی تو دانت پر دانت جما کر ان کا اظہار بھی کر دیتے ہیں اور کچھ اس انداز
میں جیسے انہوں نے زبان نہیں ہلائی بلکہ اپنے ارادے کو عملی جامد ہی پہننا ڈالا۔ حید اوپھنے لگا۔

لیکن اس کا نیم غنوہہ ذہن اب بھی سوچے جا رہا تھا۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کی روک تھام
کرے۔ خوبصورت عورتوں کو کہیں اور بھیج دے۔۔۔ کہیں اور..... جہاں فرشتے لیتے ہوں یا پھر
فریدی جیسے لوگ ہوں۔ فریدی کے خیال پر اوپھنے ہوئے ذہن نے قلابازی کھائی اور نیند کے
دھنڈ لکوں میں اُسے فرشے ہی فرشتے نظر آنے لگے۔ پھر ایک فرشتے نے اُس کے سر پر چپت
رسید کر دی۔

حید چوک پڑا۔

”زندہ ہو یا مر گئے؟“ فریدی نے اُس کے سر پر دوسری چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

”مر گیا.....!“ حید نے جھلا کر کہا اور رسید ہا ہو گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی اور حید نے محوس کیا کہ اُس کی رفتار بہت تیز تھی۔

”کیا اولے پڑنے والے ہیں؟“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”نہیں..... ممکن ہے یہ تقصہ اسی وقت ختم ہو جائے۔“ فریدی بولا۔

اچاک حید کی تیند گاڑی ہو گئی اور وہ فریدی کو گھوڑے نے لگا۔

”کچھ ہی دیر پہلے ایک گاڑی جھریاں کی طرف گئی ہے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”اُس کی روائی

نیا گراہوں سے ہوئی تھی اور اس میں ایک لڑکا بھی تھا۔ گاڑی ڈرائیور نے والے کی عکل دیکھی جا سکی۔

”آپ کے کہاں تھے؟“ حمید نے پوچھا۔

”تریب ہی۔“ فریدی نے کہا۔ ”سرجنٹ ریمش سے اطلاعات لینے۔ وہ جھریالی کی طے جانے والی گاڑیوں کی گمراہی کر رہا ہے۔ میں نے اس کا انتظام جھریالی والے حادثے کے بو کر لیا تھا۔“

”تو کیا اب آپ ہر اس گاڑی کے پیچے دوڑ لگائے گا جس پر کوئی خوبصورت لڑکا ہو؟“ ”نہیں فرزند..... نیا گراہوں ان کا خاص مرکز ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بات ڈا رہائی کے بعد ہی معلوم ہوئی ہے۔ ورنہ میں غیب والے کا کہ یہاں دوڑا چلا آتا۔“

”تو کیا وہ ڈائلے ہی تھا جس سے میں نے باتیں کی تھیں۔“

”نہیں..... وہ اُسی گروہ کا کوئی اور آدمی تھا۔“

حمدیہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ ”کیا یہ ضروری ہے کہ اس گاڑی پر ہی مجرم،“ ”پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ یہ کسی جاسوسی ناول کا پاٹ تو ہے نہیں کہ مجرم بندھے کئے اصولوں کے تحت ہاتھ آجائے اور نہ میں شر لاک ہو مزہوں۔ سمجھے۔“

حمدیہ پھر کچھ نہیں بولا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو قائل کرنا آسان کام نہیں۔ دلائل اصراف خاموش کر سکتے تھے لیکن کام سے روک دینا دلائل تو کیا حقائق کے بس کا بھی روگ نہیں؛ کیڈی لاک سنسان سڑک پر فرانے پھر رہی تھی۔ حمید پھر اونکھنے لگا۔ اُسے خبر نہ ہوئی کہ وقت گذر گیا۔ اگر کار ایک جھلکے کے ساتھ نہ رکتی تو شاید وہ سوتا ہی رہتا۔ فریدی نے کار روک بیٹھ لائیں بھاجا دی تھیں۔ حمید اندر ہیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اُسے نہ وقت کا احساس اور نہ مقام کا۔

”وہ روشنی دیکھ رہے ہو؟“ فریدی نے ایک طرف اشارہ کیا۔ کچھ دور پر ہلکی سرخ رنگ روشنی دکھائی دی اور کچھ دھواں بھی۔

”ہاں..... کیا ہم کسی گاؤں میں ہیں؟“ حمید نے پوچھا۔

”اُمیر میں پہنچ۔“ اس نے آہست سے کہا اور لاش کی طرف دیکھنے لگا۔

”نہیں..... یہ جھریالی کی غیر آباد پہاڑیاں ہیں۔ کیا تمہیں وہ چنانیں نہیں دکھائی دیتیں ل روشنی نظر آ رہی ہے۔“

”چنانیں؟“ حمید نے پھر آنکھیں پھاڑ دیں۔ پہلے وہ انہیں چھوٹے چھوٹے مکانوں کی بے سمجھا تھا۔

”یہاں اس وقت روشنی کا کیا کام.....!“ فریدی آہست سے بڑا بڑا اور کیڈی سے اُتر گیا۔ نے بھی اس کی تقلید کی۔ پھر وہ پہاڑیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ سیاہ رات سامیں سامیں تھی اور ان کے قدموں کی آواز دور دور تک گونج رہی تھی۔ دفعتاً انہوں نے ایک چیخ پھر دوسری جیسے وہ ختم ہونے سے پہلے ہی دہرا دی گئی ہو۔ ایسا معلوم ہوا جیسے نیم روشنی، چیخ رہی ہوں۔ حمید کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ فریدی نے آواز کی دوڑا شروع کر دیا۔ حمید کی جگہ ٹھوکریں کھا کر گرتے گرتے بچا۔ فریدی ایک چنان سے اچنان پر جست لگاتا پھر رہا تھا مگر چیختی ہوئی چنانیں اب بھی کافی بلندی پر تھیں۔ دفعتاً بیانی بندھو گئیں لیکن روشنی ابھی تک دکھائی دے رہی تھی۔

بدقت تمام وہ دونوں ان چنانوں تک پہنچ۔ پھر انہیں ایک عبرت ناک منظر سے دوچارہ ہوتا پڑا۔ ایک نوجوان لڑکے کی برہنہ لاش پڑی تھی اور اس کے قریب لڑکیوں کا ایک ڈھیر جل رہا۔ لاش بھی کچھلی لاشوں سے مختلف نہیں تھی۔ اس کے جسم پر بھی نوچنے گھوٹنے کے نشانات رگردن کی چھری سے ریتی گئی تھی۔ کئی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ جاری تھا۔

”تم یہیں ٹھہر دے.....!“ فریدی نے حمید کی طرف ایک روپا اور اچھاتے ہوئے کہا اور اس طرف اڑ گیا۔ حمید نے روپا اور ہاتھوں پر روک لیا۔ اس کامنہ خلک ہوا جارا تھا اور سانسیں مل رک رہی تھیں۔ پھر وہ روشنی سے ہٹ کر دو چنانوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ رات اپنے سیاہ کھوکھے وقت کا تعاقب کر رہی تھی۔

تحوڑی دیے بعد فریدی لوٹ آیا۔ اس کا چہرہ اُتر اہوا تھا۔ حمید نے مستفرانہ نظر وہ سے دیکھا۔

پھر وہ تیزی سے اُس پر جھکا۔ ٹھوڑی دیر تک اُسی حالت میں رہا پھر سیدھا
اندھیرے میں گھونٹنے لگا۔

بہت دور جنگل میں کسی موڑ کی ہیئت انسس کی روشنی دھائی دی اور پھر اندھیرا ہو گیا
رات کا ساتا اور گمرا معلوم ہونے لگا۔ ایک لاش سلسلتی ہوئی لکڑیاں اور
بظاہر بے بُس نظر آرہے تھے دھندلی روشنی میں ان کے سامنے کپکارہے تھے۔

حیرت

دوسری صبح فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لاش ہی کے ساتھ اُس نے کئی اور چیزوں
پہاڑیوں میں دریافت کی تھیں جن پر وہ غور کر رہا تھا لیکن وہ چھری نہیں مل سکی جس سے
مقتول کو ختم کیا تھا۔ اُس لاش کے وارثوں کا پتہ بھی آسانی سے چل گیا۔ آج صبح جد
لڑکے کی گشتدگی کی رپورٹ لکھوانے کے لئے کوتولی آئے تو انہیں اس کی لاش ملی۔ نہ
آن سے متعدد سوالات کئے۔ لیکن اس بار بھی اُسے کوئی ایسی بات نہ معلوم ہو سکی جس۔
شخصیت پر روشنی پڑتی۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوا کہ مقتول اپنی زندگی میں پہلی بار رات بھر گھر
رہا تھا۔ کچھ لاشوں کے بیانات اور اس میں فریدی کو صرف بھی فرق قابل غورہ

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ مجرم نے اپنا پرانا رویہ بدل دیا۔“ فریدی نے حید
”دوسرے مقتولین نے کئی کئی راتیں گھر سے باہر گزاری تھیں اور اس نے پہلی بار یہ رک
لیکن میاں حید زراغور تو کرو اس جاں کے متعلق جس میں یہ پھنس جاتے ہیں۔“

”اگر وہ کل والا اجنبی حقیقتاً اُسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو یہ جاں غیر معنوی نہیں معلوم
یعنی؟“

”خوب صورت لا کیوں کالاچیجھی!“ حید نے کہا۔

”تم ٹھیک سمجھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ابھی تو تمہیں اس سے بھی زیادہ حیرت آئی
سے دوچار ہونا پڑے گا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”قبل از وقت سمجھانا بھی نہیں چاہتا۔“

”میں سمجھنا بھی نہیں چاہتا۔“ حید دانت پیس کر بولا۔

اس کے بعد پھر دن بھر دونوں میں کوئی خاص گفتوگو نہیں ہوئی۔

فریدی تین بجے تک دفتر سے غائب رہا۔ کل کی ناکامی کی بناء پر حید آج کی تیاریوں کو بھی
ہی بھرا رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ فریدی آج اُسے کل والے اجنبی کے بتائے
پتے پر بھیجیں گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آج کی کامیابی پر بھی یقین نہیں کیا جاسکتا۔ معلوم نہیں
کون سارخ اختیار کر سکے؟ وہ اسے فریدی کی اندری چال ہی سمجھنے پر مجبور تھا اور سوچ رہا تھا۔

اُس نے بھی اسکیم بنائی تو اُسے ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا۔

فریدی کی واپسی پر وہی ہوا جس کے متعلق حید سوچ رہا تھا۔ وہ دونوں آف سے گھر
آئے۔

”تم جانتے ہو کہ ڈاٹلے کے آدمی میری تاک میں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”انہیں ہونا ہی چاہئے۔“ حید بولا۔ ”کیونکہ ڈاٹلے آپ ہی کی مرضی کے مطابق عمل کر رہا ہے۔“

”ہوں..... اسی لئے میں تمہارا امیک اپ یہاں نہیں کروں گا۔“

”لیکن.....!“

”تم شاید ہاں جاتے ہوئے ڈر رہے ہو۔“

”نہیں تو..... لیکن.....!“

”تم نے اب تک جو کچھ اندازہ لگایا ہے معاملات اُس کے برعکس ہی انکھیں گے۔“ فریدی
اعتماد لجھے میں کہا۔

حید جواب طلب نظروں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ڈر نے کی ضرورت نہیں۔ لیکن ہاں مجھے خود تمہیں سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔“

”مجھ سے؟“ حید کے لبھے میں حیرت تھی۔

”ہاں تم سے!“ فریدی بولا۔ ”اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنا اور ہاں

ابھریاں کے علاوہ کوئی اور مقام منتخب کیا جائے۔“

”یہ تو ظاہر ہی ہے۔“ حمید نے کہا اور اپنا پاس بھرنے لگا۔
”ویسے میں تم سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہوں گا۔ یہ میں تمہیں نہ بتاتا کیونکہ تم
اپنی ایکنگ میں بے سانگی نہ پیدا کر سکو گے۔ مگر خیال آتا ہے کہ تم ذرر ہے ہو۔“
”میں ذرر ہاں ہوں؟“ حمید نے جھاکر کہا۔

”تمہارے چہرے سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔“
”میں اپنا چہرہ کھرچ ڈالوں گا۔ آخراً اپ مجھے اتنا بزدل کیوں سمجھتے ہیں؟“
”تمہاری آنکھیں سب کچھ کہہ دیتی ہیں۔“
”میں اپنی آنکھیں پھوڑوں گا۔“ حمید پھر چینجا۔

”خیر..... خیر..... تھوڑی دری بعد امتحان ہوئی جائے گا۔“ فریدی نے کہا اور
کمرے میں چلا گیا۔
حمد کری کی پشت سے میک لگائے پانچ پیٹارہا۔ تھوڑی دری بعد ناشتہ آگیا۔ فریدی
ہاتھ میں ایک چھوٹا سا سوت کیس لئے ہوئے دوسرا کمرے سے آیا اور دونوں ناشتے کر۔
تقریباً چھ بجے حمید ہوٹل ڈی فرانس کے ایک کمرے سے برآمد ہوا۔ وہ اپنے
والے بھیں میں تھا۔ فریدی نے میک اپ کے لئے اسی ہوٹل کو منتخب کیا تھا۔ آج کی نو
اُس نے اس ہوٹل کا ایک کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔

حمد نے میکسی کی اور کثوریہ روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ خائن فیض تھا لیکن ابھی
تمحکم۔ معلوم نہیں کیا واقعات پیش آئیں اور کس قسم کی لاکیوں سے ملاقات ہو
لڑکیاں؟..... کیسی لڑکیاں؟ ممکن ہے وہ محض فریب ہو۔ دیکھا جائے گا۔ وہ زیریں ہے:
جب سے سگریٹ سلاگا نے لگا۔ کثوریہ روڈ پہنچ کر اُس نے ڈرائیور سے ”ٹھارڈ“
دوسرا سگریٹ سلاگا نے لگا۔ میکسی ایک عظیم الشان کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ حمید نے اڑا
ادا کیا اور چھانک کی طرف بڑھنے لگا۔

”اوہ..... یہ لو عارف۔“ پائیں باغ سے آواز آئی۔ کل والا جنہی تیزی سے دریا
بڑھتے کرتا ہوا پھانک کی طرف آ رہا تھا۔

”بیلو.....!“ حمید گرم جوشی سے سکرایا۔
”میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ابھی اُس سے مصافی کرتا ہوا بولا۔“
”اچھا ہی ہوا کہ آپ باہر تھے۔ ورنہ شاید مجھے لوٹ جانا پڑتا۔“ حمید نے کہا۔
”کیوں.....؟ چلنے اندر چلنے۔“
”کل میں بدھوایی میں آپ کا نام دریافت کرنا بھول گیا تھا۔“ حمید بولا۔ ”بھلا اس وقت
میں کسی کو کیا بتایا کہ مجھے کس سے ملتا ہے۔“
”بہر حال آپ آئی گئے۔“ وہ حمید کا ہاتھ دباتا ہوا بولا۔ ”مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ
آپ نے وعدہ غلطی نہیں کی۔ آپ جانتے ہیں کہ ایسی صورت میں کتنی تکلیف ہوتی ہے۔“
”میں تو خود کشی کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔“ حمید مسکرا کر بولا۔
وہ دونوں پائیں باغ میں داخل ہو گئے۔ حمید اس کوٹھی کے محل وقوع پر غور کر رہا تھا۔ وکتوریہ
روڈ پر کئی کوٹھیاں تھیں لیکن ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے قریب نہیں تھی۔ دو دو یا تین تین
فرالاگ کا فاصلہ ضرور رہا ہو گا اور یہ سڑک پکھا ایسی زیادہ پر رونق بھی نہیں تھی۔ یہاں زیادہ تر وہی
لوگ آباد تھے جو شہر کے ہنگاموں سے دور رہنا چاہتے تھے۔
”مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں آپ کی کوئی خاص خاطر نہ کر سکوں گا۔“ ابھی نے کہا۔
”بات یہ ہے کہ اچانک میرے میزبان کے صابرزادے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔“
”میری سب سے بڑی خاطر ہیں ہو سکتی ہے کہ اب آپ اپنا مکمل متعارف کراؤ۔“ حمید
نے مسکرا کر کہا۔ ”میں کل رات بھر اپنی اس صفات کی بناء پر شدید انگوحن میں بتلارہا ہوں کہ آپ جیسے
عمدہ دوست کا نام لکھ دریافت نہ کر سکا۔ صفات کیجئے گا آپ کو لفظ دوست پر کوئی اعتراض تو نہیں؟“
”نہیں..... بھلا اعتراض کیوں؟“ ابھی مسکرا کر بولا۔
”میری اور آپ کی عمر کا فرق۔ حالانکہ میں خود اس کا قائل نہیں۔“ حمید نے کہا۔
”تو کیا آپ مجھے اس معاملے میں نہ کن نظر کجھتے ہیں؟“ ابھی سنجیدگی سے بولا۔ ”مجھے پی
کی ملک کہتے ہیں۔ لکھتے یونیورسٹی میں نفیسیات کا لیپھر رہوں!“
”آپ سے مل کر واقعی خوشی ہوئی۔“ حمید نے بھر اپنا ہاتھ مصافی کے لئے بڑھاتے

ہوئے کہا۔ ”اور آپ کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔“
وہ دونوں ایک وسیع ہال میں آئے جس میں سے ایک کشادہ زینہ اوپری منزل کی گلہ
تک چلا گیا تھا۔

”آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گئی کہ میرا کوئی دوست میرا ہم عمر نہیں۔“ پروفیسر ملک نے کہا
” غالباً اس سلسلے میں بھی آپ نے نفسیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔“ ”مہید بولا۔
” یعنی.....!“

” یہ ہمیشہ جو ان بنے رہنے کا بیش قیمت نہیں ہے کہ جوانوں کی صحبت اختیار کی جائے۔“
”واقعی آپ بہت ذہین ہیں۔“ پروفیسر ملک نے قہقہہ لگایا۔

مہید بے چمنی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور اس کی یہ ایکنگ بے ساختگی کی حامل تھی۔
پروفیسر ملک اُس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

”مسٹر عارف.....! میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت آپ کی کوئی خاطر
کر سکوں گا۔ سب لڑکیاں اور پری ہیں ایسے موقع پر یہ تعارف بے نکاحی رہے گا۔“
”کیسے موقع پر.....؟“ مہید نے پوچھا۔

”اف فوہ! اتنی از خود روگی.....!“ پروفیسر پہنچا۔ ”میں نے ابھی عرض کیا تھا تو اکہ میر
میزبان کے صاحبزادے پر دورہ پڑ گیا ہے۔“

”اوہ! کس قسم کا دورہ.....!“
”ہماریا ہی کی قسم کا دورہ ہو سکتا ہے۔“ پروفیسر نے پرتوش انداز میں کہا۔
”تب تو واقعی میں بہت ہی بے موقع آیا۔“ ”مہید بولا۔

”کیوں؟ کیا آپ میری صحبت میں بور قتل کر رہے ہیں؟“
”ارے نہیں..... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“
دفتار اپری منزل سے ایک جیخ سنائی دی اور مہید کے کانون میں پچھلی رات کی جھریالا
چینیں گوئیں گلیں۔

”تنا آپ نے.....؟“ پروفیسر بولا۔ ”اسی کی چینیں ہیں۔ دورے کی حالت میں جیخ رہا۔“

مہید سوچ میں پڑ گیا۔ کیا پچھلی رات والی جیخیں الیکی ہی نہیں تھیں؟
”دکس وقت پڑا تھا دورہ.....؟“ اس نے پوچھا۔
”صحیح ہی سے وہ اس مصیبت میں بجتا ہے۔“

جیخ پھر سنائی دی اور ساتھ ہی باہر برآمدے میں بہت سے آدمیوں کے قدموں کی آوازیں
ورنج لگیں۔ دوسرے لمحے میں پردہ ہٹا اور فریدی سات آٹھ مسلسل کاشیبلوں کے ساتھ اندر گھس آیا۔
پروفیسر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ اور کاشیبل اندر آگئے۔

مہید نے پروفیسر ملک کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ اور کاشیبلوں نے اسے
نجال لیا۔

”عارف میاں سلم.....!“ فریدی نے کہا۔ ”میں سمجھا تھا شاید تم کام آگئے۔“
مہید نے اپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔
”یہ کیا بے ہودگی ہے۔“ پروفیسر ملک چیخنا۔

”خاموش رہے جتاب۔“ مہید نے کہا۔ ”ہم ذرا اُس مریض کو دیکھنے جا رہے ہیں جو غالباً
بچل بسا ہو گا۔“

اچاک جیخ پھر سنائی دی۔ ایک لمبی جیخ جو آہستہ آہستہ مضم ہوتی گئی۔
فریدی اور مہید زینوں پر چڑھنے لگے انہوں نے دو تین کاشیبلوں کو بھی اشارہ کیا۔ بقیہ
نیچے ہی رہے۔

پروفیسر ملک جیخ چیخ کر گالیاں بکر رہا تھا۔ اس پر کسی کاشیبل نے اس کے منہ پر شاید تھزہ
ہیں رسید کر دیا۔

اپر کے دو تین دروازے توڑ دیئے گئے اور پھر ایک کمرے میں عجیب و غریب منظر تھا۔
یک بڑا ہمہ گورت جس کے ہاتھ میں ایک چیک دار پھری تھی اور ایک دوسرے مردہ برہنہ جسم پر
بچلی ہوئی تھی۔ اُس کی پشت انہیں کی طرف تھی۔ اس لئے چہرہ نہ دیکھا جا سکا۔
پھر وہ یک لخت اچھل کر دوسرے کمرے میں گھس گئی۔

”میرے خدا.....!“ مہید تھیر آمیز انداز میں چیخا۔ ”یہ افروز تھی..... ارے لیڈی جہا گیر۔“

کاشیبل دروازے ہی پر جم کر رہے تھے۔
”بکرو.....!“ فریدی نے حمید کو اشارہ کیا۔

”م..... میں.....!“ حمید ہکلایا۔ ”آپ ہی..... کیوں نہیں۔“
فریدی نے کاشیبلوں کی طرف دیکھا۔

”کہیں ادھر سے نہ نکل جائے۔“ ان میں سے ایک بولا اور وہ سب گلیری سے گزر
ہوئے دوسرا طرف چلے گئے۔
فریدی نے پھر حمید کی طرف دیکھا۔

”کیا آپ ڈرتے ہیں؟“ حمید تھوک ٹکٹک ہوا بولا۔ ”اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں
نہیں..... تو.....!“ فریدی بھی تھوک ٹکٹک ہوا بولا۔ ”وہ..... نن..... نگی ہے۔“
”کیا واقعی.....؟“ حمید نے احمقوں کی طرح پوچھا۔ حالانکہ وہ خود بھی اسے اس حادثہ
میں دیکھ چکا تھا۔

فریدی نے بھی احمقوں کی طرح سر ہلا دیا۔
پھر اچاک اس کرے سے ایک فائر ہوا اور فریدی کی قفلت ہیئت صاف اڑ گئی۔

”وہ گئی۔“ حمید جیخ کر قفلت ہیئت کی طرف دوڑا۔

”ہوش میں آؤ.....!“ دفعتاً اسے فریدی کی گرج دار آواز سنائی دی۔

حمدیلٹ آیا۔ فریدی نے ایک میز الٹ کر اس کی آڑ لے لی تھی۔ حمید بھی اس کے قریب آگیا۔
”لیڈی جہاگیر.....!“ فریدی میجنگا۔ ”ریوال پھینک دو۔“

کرے سے پھر فائر ہوا۔ فریدی نے بھی جوابی فائر کیا۔ حمید نے نیچے بھی فائر دیں
آوازیں پھر پوری عمارت دھماکوں سے گونجنے لگی۔ اس کرے سے جس میں لیڈی جہاگیر
سمی تھی فائر ہونے کا یہ مطلب تھا کہ دوسرا طرف نکل بھاگنے کا کوئی راست نہیں تھا۔ ورنہ
صاف نکل گئی ہوتی۔ حمید کا داماغ بہت سے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے سوچا کہ کہیں دوسرا طرز
سے بھی فائر نہ شروع ہو جائیں۔ یہ ضروری نہیں کہ اس وسیع عمارت میں صرف تین ہی آڑ
رہے ہوں۔ دفعتاً اس کی نظریں اس لاش پر پڑیں جس پر سے لیڈی جہاگیر اٹھی تھی۔ ”یہاں

لاشون ہی کی طرح درندگی کا شکار ہوئی تھی۔

نیچے برابر فائر ہو رہے تھے اور چینیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

سامنے والے کمرے سے پھر فائر ہوا اور ساتھ ہی ایک جیخ بھی سنائی دی۔

”خود کشی.....!“ فریدی میز کی اوٹ سے نکل کر کمرے کی طرف جھپٹا۔

لیڈی جہاگیر فرش پر پڑی ہوئی تھی اور اس کے دابنے کان سے خون بہر رہا تھا۔ فریدی

نے اپنا کوٹ اٹا رکر اس کے برہنے جسم پر ڈال دیا۔ وہ ابھی سنائیں لے رہی تھی فریدی زخم دینے

پھر اس نے حمید کا کوٹ بھی اٹروا کر اسے اچھی طرح ڈھک دیا۔

”کامیاب نہیں ہوئی۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”گولی صرف کان میں لگی ہے۔ تم یہیں

ٹھہر دے۔“ پھر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

نیچے اب تک گولیاں چل رہی تھیں۔ دفعتاً حمید کی نظریں کمرے کے روشنдан کی طرف اٹھ گئیں۔

شیشوں کے یچھے اسے ایک لمبڑا چہرہ دھکائی دیا۔ دوسرے ہی لمحے میں اس کے روی اور

سے ایک شعلہ لکلا۔ روشنдан کے شیشے نوٹ کر فرش پر آ رہے اور ایک جیخ بلند ہوئی۔ چہرہ پہلے تو

روشندان پہنچا طرف جھکا اور پھر یچھے کی طرف بڑھ کر گیا۔

لیڈی جہاگیر بے ہوش پڑی تھی۔ حمید کے دل میں اس کے لئے کسی قسم کے جذبات نہیں

تھے۔ نہ صہر، نہ فرست، نہ ہمدری نہ پیار۔ اور اب تو اس کی حرمت بھی رفع ہو گئی تھی۔ نہ جانے

کیوں اسے ایسا محضوں ہو رہا تھا جیسے اسے پہلے ہی سے اس کی توقع رہی ہو حالانکہ یہ بات پہلے

کس کے خواب دخیال میں بھی نہ تھی۔

ٹھوڑی دیر بعد اور پہ کچھ کاشیبل پہنچ گئے۔ حمید انہیں لیڈی جہاگیر کے پاس چھوڑ کر کمرے

سے نکل آیا۔ وہ لمبڑے چہرے والے کا شراپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔

نیچے گولیاں چلانا بند ہو گئی تھیں۔ ہال میں حمید کو کوئی لاشیں نظر آئیں۔ کچھ قیدی اور کچھ زخمی

لہائی دیے۔ تین کاشیبل بھی ہام آئے تھے۔ فریدی کی پیشانی سے خون بہر رہا تھا جسے وہ بار بار

پوچھ کر ادھر ادھر چڑک دیتا تھا۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”میرا لٹتے وقت شاید چوت آگئی تھی۔“ فریدی نے کہا اور قیدیوں کا جائزہ لینے لگا۔
”ایک لاش تیسری منزل پر بھی ہے۔“ حمید بولا۔
اور وہ لاش حقیقتاً بوترے پر بے والے ہی کی نکلی۔
آدھے گھنے کے بعد زخمیوں کو ہبتال پہنچایا جا رہا تھا۔ ان میں لیڈی جہانگیر بھی تھی جوڑا
تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔

دوسری صبح اخبارات شائع ہوتے ہی شہر میں بچل مچ گئی۔ ہاکر پیمنت پھر رہے تھے۔ اُن
فریدی اور سرجنت حمید کے کارناموں سے گناہ گلیاں تک گونج رہی تھیں۔ پولیس ہبتال
سامنے تقریباً آدھا شہر امنڈ آیا تھا۔ ہر ایک اُس درندگانہ صفت عورت کی ایک جھلک کے لئے
تاب نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی زبانوں پر اُس کی خوبصورتی اور پرکشش شخصیت کی کہانیاں تھیں
زیادہ تر یہ خیال ظاہر کیا جا رہا تھا کہ یقیناً اُس کے جسم میں کوئی خبیث روح حلول کر گئی ہے۔
دوسری طرف فریدی اپنے آفس میں بیٹھا افران بالا کو اس کیں کی تفصیلات بتا رہا تھا۔
”مجھے اس عورت پر پہلے ہی سے شہبہ تھا۔“ اس نے کہا۔ ”لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ
ہی اس گروہ کی سرغنہ بھی ہے۔ مجھے اس پر اُسی وقت شہبہ ہو گیا تھا جب وہ قمار خانے سے باہ
ہوئی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ وہ ایک مقفل کمر میں رسیوں سے بندھی پڑی تھی۔ آخرًا
رسیوں سے باندھنے کیا ضرورت تھی جب کہ اس کمرے کو مقفل بھی کرنا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر
بندھی نہ ہوتی تو بھی کمرے سے باہر نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اگر حفاظت کے خیال سے کوئی
باندھا بھی جاتا ہے تو عموماً اُس کے دونوں ہاتھ پشت پر ہوتے ہیں تاکہ وہ پیروں کی رسیاں
کھوں سکے۔ اس کے برخلاف اُس کے دونوں ہاتھ یونہی معمولی طور پر بندھے ہوئے تھے اگر
چاہتی تو بآسانی اپنے پیروں کی رسیاں کھوں سکتی تھی۔ پھر اُس کے بعد ہاتھ بھی کھل سکتے تھے
در اصل واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب مجرم بھاگنے لگے تھے تو اُس نے خود کو بندھو والی تھا۔ جلدی میں
ان نکتوں پر غور نہ کر سکی۔ ورنہ ویسے وہ بالکل ذہین عورت ہے۔ اُسے سو فیصدی شہبہ تھا کہ:
اس کی طرف سے ملکوک ہوں۔ لہذا اُس نے میرا شک رفع کرنے کے لئے اپنے بیان فوراً
بال منقد کیا اور اُس میں اپنے ہی آدمیوں سے ہڑبوگ پجوائی۔ یہ ظاہر کرنا چاہا کہ وہ اُن

”بارہ اٹھا نے کے لئے آئے تھے۔ بہر حال موقع واردادت پر بکرنے سے پہلے یہ چیز میرے لئے
خواب و خیال میں بھی نہ تھی کہ وہ اس گروہ کی سرغنہ ہو سکتی ہے یا وہ ساری درندگی اُس کی تھی۔
میں یہ سمجھتا تھا کہ کوئی آدمی اُسے لڑکوں کو بچانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ پرسوں والی ااش جو
بھریاں میں ملی تھی اُس نے میرے خیالات یکسر بدلت دیئے۔ میں نے اس سلسلے میں کسی مرد کی
بنتوتا بالکل ہی ترک کر دی کیونکہ اُس ااش پر مجھے کئی جگہ اسک کے نشانات بھی ملے تھے۔
یہیں ہس حالت میں بھی میرے ذہن میں لیڈی جہانگیر نہیں آئی۔ اُسے دیکھ کر یہ کہاں نہیں
جا سکتا کہ وہ کسی وقت بھیزیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہو گی۔ اس کے برخلاف میری
ذہن میں کسی حد درجہ خوفناک صورت والی عورت کی تصویر تھی۔ دوسری دلچسپ بات یہ کہ اس
پرے گروہ میں دو ایک کے ملاواہ کسی اور کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ ان پر کوئی عورت حکومت
کر رہی ہے۔ لیڈی جہانگیر نے یہ گروہ بڑے ہی پراسرار طریقے پر ترتیب دیا تھا۔ گروہ کے
بیتیرے افراد نے اعتراض کیا ہے کہ وہ عادی مجرم ہیں اور انہیں خط و کتابت کے ذریعے اس
گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ انہیں باقاعدہ طور پر بڑی تنخواہیں ملی تھیں اور مال نیمت کا کچھ حصہ
بھی ان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سردار کی شخصیت سے واقع نہیں
تھے۔ انہیں سردار کے اکامات ڈالنے یا کرن ڈالنے سے ملتے تھے۔“

پھر فریدی نے انہیں بتایا کہ ڈاکٹر لیڈی جہانگیر کا طبی معائنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر
پنچ میں کوہہ جنسی جنون میں بیتا ہے۔ اس میں Nymphomania (جنسی بوالبوی) اور
Sadism (اذیت کوئی) دونوں رجحانات موجود ہیں۔

”اکی لئے آپ مجھے اس سے شادی کرنے کا مشورہ دے رہے تھے؟“

حمدی نے منہ بنا کر کہا۔ افران بالا ہی کے سامنے وہ بولنے کے لئے بے چین تھا لیکن نہ
جانے کس طرح اُس نے خود کو روکا تھا۔ ان کے پاس سے ہٹے ہی اُس نے فریدی کو پیٹھی نہ
کروئے کر دیا۔ ”اور آپ نے اتنی خطرناک جگہ مجھے کیوں بھیجا تھا۔“

”حمدی صاحب.....!“ فریدی۔ گار سلکاتا ہوا بوا۔ ”اگر میں آپ کو پہلے ہی یہ بتا دیتا کہ
افروز مشترب ہے تو آپ اپنے روئے میں فطری بے سانگکی برقرار رکھ سکتے۔“

جاسوسی دنیا نمبر 25

حمدی تھوڑی دریک خاموش رہا پھر بولا۔ ”آپ بھی اس سے بُری طرح خاکِ تھے۔“
”میں..... نہیں تو۔“

”قطیٰ تھے۔ اسی لئے آپ اس رات اس بوڑھی عورت کے ساتھ ناچے تھے۔ آپ
خوف تھا کہ کہیں افراد آپ کو وہیں نہ ادھیرنا شروع کر دے۔“

فریدی بُس کر خاموش ہو گیا۔ حمید بھی پچھے دری خاموش رہا۔

”ایک بات سمجھ میں نہ آئی۔“ حمید نے کہا۔ ”وہ یہ کہ افراد بذات خود بہت دولت،
تحمی۔ پھر اس نے یہ سب کیوں کیا۔ اس کے گروہ والے ڈاکے بھی تو مارتے تھے۔ اعلیٰ پیانے
جو بھی کھلاتے تھے۔“

”خود اس کا مقصد لوٹ اور کھوت نہیں تھا۔“ فریدی بولا۔ ”اس نے یہ سب پکھا
اپنے جنون کی تسلیم کے لئے کیا تھا۔ اگر وہ اتنا طاقت ور گروہ نہ بناتی تو اسے اپنی حیاتی
بھیت چڑھانے کے لئے نوجوان کہاں سے ملتے۔“

”خدا کی قسم آپ کی شادی اُسی کے ساتھ ہونی چاہئے۔“ حمید بے ڈھنگے پن سے بنتا ہوا بولا۔

”پھر اتر آئے تم بیکواس پر..... جاؤ اپنا کام کرو۔“

”اچھا ایک بات بتا دیجئے؟“

”جلدی بکو! ابھی مجھے روٹ پورٹ مکمل کرنی ہے۔“

”کل اُسے پکڑتے وقت آپ کی گھنگھی کیوں بندھ گئی تھی؟“

”رمیش.....!“ فریدی نے سرجنت رمیش کو آواز دی۔

”جی.....!“ رمیش دوسرے کمرے سے بولا۔

”اے یہاں سے کان پکو کر نکال دو۔“ فریدی نے کہا اور لکھنے میں مشغول ہو گیا۔

ختم شد

(مکمل ناول)

دوران فرار ہونے میں مدد دی تھی۔

میاں حمید کا کردار آپ لوگوں کے لئے ہمیشہ ایک بحث کا موضوع رہا۔ وہ فسوز ہے۔ کھلندرا ہے۔ ہر وقت زندگی کی تیر دھوپ سے بچنے کے لئے قبیلوں کے رنگ میں محل تیار کرتا رہتا ہے۔ مگر یہ بھی تو دیکھئے کہ جب وہ کام کرنے پر آتا ہے تو فریدی بھی تعجب میں پڑ جاتا ہے۔ اس کی بہادری اور تیزی اپنی جگہ پر اٹل ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ خود مذاق بن کر دوسروں کو منعکھہ خیز بنا کر للف اٹھاتا ہے۔

میں سننی خیز اشتہار بازی کا قائل نہیں ہوں اور جو کچھ بھی کامیابی جاسوی دنیا کے نادلوں نے حاصل کی ہے وہ اسی بناء پر کی ہے کہ جب بھی آپ سے جو وعدہ کیا گیا اسے حتی الامکان پورا کیا گیا۔ اردو میں کسی مصنف کو یہ فخر حاصل نہیں ہے کہ اس کی کتابیں سال بھر میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد فروخت ہوتی ہیں اور جاسوی دنیا کے نادلوں کے مصنف یعنی اس خاکسار کو یہ فخر صرف آپ کے ذوق سلیم اور اپنے ساتھیوں کے تعاون کی بناء پر حاصل ہے۔

ابن صفحہ

پیش لفظ

”خوفاک ہنگامہ“ میں نے چیلنج کے ساتھ لکھا ہے اور اسی چیلنج کے ساتھ جو بلی نمبر کی صورت میں اسے پیش کر رہا ہوں۔ تحریر اور استجواب، قدم قدم پر فتنی دھڑکنیں اور نئے ہنگامے ایک ایسا ماحدول آپ کے سامنے لایں گے کہ آپ بہر حال یہ ضرور سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جاسوی ادب نے ایسا کارنامہ اب تک کسی زبان میں پیش نہیں کیا گیا۔

اس کہانی کے مجرم کوئی معمولی انسان نہیں ہیں۔ فریڈرک، شلائر، اور گارسان تین بھیاں ایک انسان جن کی آپس کی لڑائی نے فریدی جیسے ذہین عذر اور با حوصلہ شخص کو پریشان کر دیا۔ ایک میں الاقوای مجرم ہندوستان کے ایک عظیم سائنسدان سے ایک گہر اراز حاصل کرنے کے لئے کتنے خون کر ڈالتا ہے۔ مجرموں کا یہ گروہ انہیں میں سے ہے جس نے مسولیٰ کو دوسری جنگ عظیم کے

آزادی نہیں دل بجے رات کو ٹرانسپریٹ پر سنائی دیتی تھیں۔ آپ پیر کا بیان تھا کہ اس لیے ابھی تک فرق نہیں آیا تھا۔
ایشیا کا عظیم سراغِ رسان فریدی سب سے الگ تھا۔ بیٹھا آپ پیر کی روپورٹ پڑھ رہا تھا۔
لئر میں جس کے کالر کافوں تک کھڑے ہوئے تھے اس کا خوبصورت چہرہ بڑا حسین لگ رہا
س کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں اور ہونٹ قدرے سکر گئے تھے۔
”ہم لوگ تو محض جبک مارنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔“ اس کے کافوں میں انپکٹر
کی آواز گوئی جو ابھی آیا تھا اور دروازے میں کھڑا تھا۔ سخرا نداز سے اس کی طرف
بنا تھا۔

”درمرے انپکٹر ہٹنے لگے لیکن نہ جانے کیوں ان کے قیقہے فریدی کی ہلکی ہی مسکراہٹ کے
بے جان معلوم ہو رہے تھے۔

یہ آج کوئی نئی بات نہیں تھی۔ فریدی کے سارے ساتھی اس کی دولت شہرت اور مقبویت
باہر پاس سے بلنے لگے تھے اور موقع بے موقع اس پر نظر کرنے اور پھیتاں کئے سے باز نہیں
نہ تھے۔ اس کے ساتھ کے سبھی انپکٹر معمرا اور بزرگ خود جہان بیدہ اور تجربہ کار تھے۔ الہزادہ اپنے
بلے میں ایک ”نوجوان انپکٹر“ کو آگے بڑھتے کس طرح دیکھ کر تھے۔ انپکٹر آصف ان
کا پیش رو سمجھا تھا اور وہ تھا بھی ان سب سے سینئر لیکن کارکردگی میں کسی رنگروٹ سے بھی
تھا۔ فریدی عموماً اس کی باتوں کو نہیں کرنا ہال دینے کا عادی تھا۔ آصف پونکہ اس سے عمر میں
بڑا تھا اس لئے وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن کبھی کبھی خود اسی کی چھیڑ چھاڑ فریدی کو بے تکلفی
ماہد کر دیتی تھی۔

”ای لئے میں آپ سب سے کافی فاصلے پر بیٹھا ہوں۔“

”بچوں کا ہم لوگوں میں کام ہی کیا۔“ آصف نے کہا اور اپنا اور کوت اتنا رنے لگا۔
فریدی اسے لوچپی سے دیکھ رہا تھا۔ آصف نے جیب سے رو مال نکالا اور تاک پر رکھ کر دو
ماکر یہ آوازیں نکالنے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
”آصف پچا۔۔۔!“ انپکٹر نگہ بولا۔ ”اب تمہارا بڑھا پا ہے بے ہی انگلی پکڑ کر تمہیں

انجائے اشارے

محکمہ سراغِ رسانی کی عمارت کے کلاک ٹاور نے نوجائے اور رات کا سناٹا کچھ
ہو گیا۔ وسطِ دمبر کی ایک تاریک اور انتہائی سر در رات تھی۔ کہرے کی وجہ سے ستارے بھی
آرہے تھے۔ سر دی کی شدت میدانی علاقے میں بھی تخت پہاڑوں کی یادِ دلاری تھی۔
ہی بجے تھے لیکن سناٹے کا یہ عالم تھا جیسے کافی رات گزر گئی ہو۔ اگر کبھی سڑک پر ایک آدھ
جانی تو سکوت کچھ اس طرح ٹوٹتا جیسے کسی مریض نے کراہ کر کوٹ بدی ہو اور پھر بے خبر ہو۔
محکمہ سراغِ رسانی کے آپریشن روم میں تقریباً تمام مقامی سی آئی ڈی انپکٹر موجود۔
میں رات کی ڈیلوٹی والے بھی تھے اور دن کی ڈیلوٹی والے بھی۔ سپرینٹنڈنٹ نے انہیں ایک
مقصد کے تحت اس وقت یہاں الٹھا کیا تھا اور خود موجود نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ کئی راؤ
ٹرانسپریٹ پر کچھ عجیب و غریب آزادیں سنی جا رہی تھیں۔ افران بالا کا خیال تھا کہ وہ کوئی
کی اشاراتی زبان تھی اور کسی خاص مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی تھی۔ آپ پیر کے
راتوں سے رابری کا رذ کر رہا تھا۔ اس کی ایک ایک کاپیِ محکمے کے سارے انپکٹروں کے با
دی گئی تھی لیکن کوئی ابھی تک اس کا مفہوم نہیں پیدا کر سکا تھا۔ آخر افران بالا نے تھک
فیصلہ کیا کہ وہ سب آج رات کو بذاتِ خود آپریشن روم میں موجود رہیں۔

چلاں گے۔"

انپکڑنے کے بھی ایک نوجوان آدمی تھا۔ فریدی سے اس کے گھرے تعلقات تھے۔ ان بھی انہی چند انپکڑوں میں سے تھا جو اپنی عمر اور کارکردگی کی وجہ سے پرانے انپکڑوں تشیع کاشکار ہوتے تھے۔

"ہمارے سامنے کے شیر خوار ہو۔" آصف گروں اکٹا کر بولا اور سگریٹ سلگا نے "اور یہی شیر خوار کچھ دنوں کے بعد ڈی۔ ایس۔ پی اور ایس۔ پی ہو جائیں لیفٹینٹ سعید نے کہا۔

لیفٹینٹ سعید ملڑی کی سیکٹ سروں سے مرکزی سی۔ آئی۔ ڈی میں آیا تھا اور ابھی مجھے کے نوجوان انپکڑوں میں ہوتا تھا۔

"نوجوانی کے خواب کافی حسین ہوتے ہیں۔" انپکڑ آصف مسکرا کر بولا۔ "ابھی کے چکر میں پڑ کر ان خوبصورت دنوں اور سحر اگیز راتوں کو بر بادنہ کرو۔ جاؤ میرے رات اس لئے نہیں کہ تم یہاں سر کھپاؤ۔"

"پھر کہاں جائیں....؟" فریدی نے مخصوصیت سے پوچھا۔
"تم تو بیکار ہی پوچھ رہے ہو۔" آصف نے طنز آمیز مسکراہٹ کی ساتھ کہا۔
"کیوں.....؟"

"تباہ ہے تمہیں عورتوں کے قریب بھیج کر چکر آنے لگتے ہیں۔"
اس پر ایک قہقہہ پڑا۔ فریدی کے ہونتوں پر اب بھی وہی خود اعتمادی کی مسکراہٹ ہے۔

"چکر محض اس خیال سے آتے ہیں کہ آخر انہیں بوڑھے کس طرح سنبھالنے ہوا اس نے کہا۔" "خصوصاً وہ بوڑھے جن سے پست قدور تھیں بھی نہیں سنبھال جاتیں۔"

آصف چکر کر فریدی کو گھومنے لگا اور فریدی نے ایک چھت شکاف قہقہہ لگایا۔
"ایک بے شکی بات کہہ کر اس طرح قہقہہ لگانا یقینی کی علامت ہے۔" آصف بھنا
"میں دراصل یہ عرض کر رہا تھا۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ "جب بوڑھوں سے رقم کو پناہ ملے گی تو ہم نوجوان بھی اس کے متعلق پچھہ سوچ سکیں گے۔"

"کیا مطلب.....؟" آصف پھر اسے گھومنے لگا۔

"کیا آپ کچھ در قبل ہوئی ڈی فرانس میں ایک پستہ قدورت کے ساتھ نہیں ناج رہے تھے؟"
"وسروں کی ٹوہ میں رہنا کہیتے ہیں ہے۔" آصف جلا کر بولا۔

"خیر اس کہیتے ہیں میں تو ہم سب سرکاری طور پر ملتا ہیں۔" فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "مسٹر ہر اس بات کے شاہد ہیں کہ میں پانچ بجے سے اسی کمرے میں موجود ہوں۔"
"تب تم نے کسی سے نہ ہو گا۔"

"مسٹر آپ پریزیری بھی بتا سکتے ہیں کہ کوئی اس وقت سے میری کری کے قریب بھی نہیں آیا۔"
آپ پریزیری نے فریدی کی تائید کی۔

"کیوں استاد آصف.....؟" انپکڑ بزرگی نے قہقہہ لگایا۔ "ہم تمہیں قطعی اگھر یلو آدمی سمجھتے تھے۔"
"بجھوٹ ہے! بکواس ہے۔" آصف نے جلا کر کہا اور فریدی کو گھومنے لگا۔
"میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ آپ تین راؤٹن تاچے تھے۔"

آصف نے بوکھلا کر اپنے کوٹ کے اوپری جیب پر نظر ڈالی۔ ایک خوش رنگ رومال کا کونہ
ٹکلا ہوا تھا۔ جسے اس نے جلدی سے اندر کر لیا۔
"اوہ..... اس رومال کی بناء پر تم ایسا کہہ رہے ہو۔" آصف نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "ہو سکتا
لیے کسی دوسرا کا ہو۔"

"نہیں جتاب یقینی آپ کا ہے۔" فریدی نے خود اعتمادی کے ساتھ کہا۔
"اور بھی بات ظاہر کرتی ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں آج پہلی بار ہوئی ڈی فرانس
رقص میں شرکت کی تھی۔"

"بالکل بکواس ہے۔"
"اگر یہ رومال کی اور کا ہوتا تو وہ اس کے صحیح مصرف میں لا لایا ہوتا۔"
"صحیح مصرف.....؟" انپکڑ بزرگی نے فریدی کو ٹوکو۔

"تھی ہاں یہ رومال ہوئی ڈی فرانس والوں کی ایک اجتماعی جدت ہے۔ اگر آپ تین راؤٹن
کو خریدیں تو آپ کو ٹکنوں کے ساتھ اس قسم کا ایک رومال بھی ملے گا جو قطعی اس قابل نہیں

”سگار لگانے لگا۔
”مگر یا تمہیں یہ کس طرح معلوم ہوا کہ عورت پستہ قدھی۔“ یقینیت سعید نے پوچھا۔
”پھر وہ بھی کہاں کی باتیں لے یہیں۔“ انپکڑ آصف نے اکتا کہا۔

”واہ پچا.....!“ انپکڑ نے قہقہہ لگایا۔ ”ذرا بچوں کو بھی تو لطف انداز ہونے دیجئے۔“
فریدی شرارت آمیز نظرؤں سے آصف کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”جب کسی شریف آدمی کے سینے پر۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”لپ اشک کا دھبہ دکھائی
لے تو یہی بھجننا چاہئے کہ عورت پستہ قدھی۔ اگر کاندھے پر یہی دھبہ دکھائی دے تو عورت ہر
میں دراز قد بھی جائے گی۔ لیکن یہ دھبے عموماً بے ساختگی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ناپتے
پتے دونوں لاکھڑا جائیں اور گرنے کے خوف کی وجہ سے لپ اشک کی تہہ بگڑنے کا دھیان نہ
جائے۔“

آصف نے بوکھلا کر اپنے سینے پر نظر ڈالی۔ سفید قمیض پر ایک واضح قسم کا دھبہ موجود تھا۔
بلڑوں نے قہقہے لگائے اور وہ جھلاہٹ میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ قہقہے اور تیر ہو گئے۔

”کون جانے یہ حضرت اسے لے کر گھر ہی پڑے ہوں۔“ انپکڑ بزی بہت ہوا بولا۔
”نہیں.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ دھبہ پھیل جاتا۔ آصف صاحب
تے گرتے سنبھل گئے تھے۔“

”مگر یا تم نے پکڑا خوب۔“ یقینیت سعید بولا۔ ”اپنا جواب نہیں رکھتے۔“
فریدی بجا ہوا سگار لگانے لگا۔ اتنے میں کینٹین کا پیرا کافی لے کر آیا۔ اسی کے پیچے
چیز انپکڑ آصف بھی داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر اب بھی غصے کے آثار تھے۔ ایک بار پھر آپریشن
امتحنوں سے گونج اٹھا۔ آصف ہونٹ سکوڑے ہوئے ایک بیالی میں کافی انٹریل رہا تھا۔
”میرے خیال سے تو اس وقت ٹھنڈا پانی زیادہ مناسب رہے گا۔“ یقینیت سعید مکرا
رہا۔

”تم بدتریز ہو۔“ آصف اس کی طرف پلت پڑا۔
”ٹھاپ.....!“ یقینیت سعید پیریخ کر کھڑا ہو گیا۔

ہوتا کہ کسی اوپنے مقام کی آدمی کے استعمال میں رہ سکے۔ پھر اگر یہ ردمال واپس کردا
ایک راؤٹ کا لکٹ مفت مل جاتا ہے۔ صرف اٹاڑی ہی اسے استعمال کے لئے رکھ لیتے ہیں
جانے والے اسے واپس کر کے ایک راؤٹ مفت ناجیتے ہیں۔“

”تم میری توہین کر رہے ہو۔“ آصف گرجا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس کے نوجوان ساتھی بھی دل کھول کر بنس رہے تھے
وقت وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جوان سے پرخاش رکھتے تھے۔ آصف نے
صورت بچاؤ کی نہ سمجھی تو وہ خود بھی ہنسنے لگا۔

”خیر..... خیر.....!“ آصف نے بلند آواز میں کہا۔ ”میری جیب میں یہ ردملا
کوئی بھی واقف کار اتنی باتیں بتا سکتا تھا۔“

”لیکن شاید وہ یہ نہ بتا سکتا کہ آپ کی ہم رقص پستہ قدھی۔“ انپکڑ نے بولا۔
”یہ غلط ہے۔“ آصف نے بگڑ کر کہا۔

”قطیعی صحیح ہے۔“ فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔ ”اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ
تاتھے تاپتے بری طرح لاکھڑائے بھی تھے مگر گرے نہیں! ہاں تو جتاب سوئنگ لینے سے
ابنی طاقت اور عورت کے وزن کا اندازہ ضرور لگالیا کیجئے۔“

آصف منہ پھاڑے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم غلط کہتے ہو! تم وہاں نہیں تھے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔
”مسٹر آپ پریٹر.....!“ فریدی نے آپ پریٹ کو مخاطب کیا۔

”یہ حقیقت ہے کہ مسٹر فریدی پانچ بجے سے یہیں اسی کمرے میں موجود ہیں۔ شاید
اپنا السر پہنچنے کے لئے گئے تھے۔“ آپ پریٹ نے کہا۔

”تب کسی اور نے اطلاع دی ہو گی۔“ آصف نے کہا۔
”کسی نے بھی نہیں..... یقین کیجئے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”تب تم آدمی نہیں ہو..... بھوت ہو۔“
”ہو سکتا ہے کہ یہ بات درست ہو۔“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک۔

”تم تھیک کہتے ہو۔“ سعید اپنے ہوتوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ ”یہ گھر گراہٹ کسی کار
ی کی تھی۔“

”لیکن یہ جیج۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”کسی غیر ملکی کی نہیں تھی۔“
”تمہیں دھوکا ہوا ہے۔“ انپکڑ بڑھی نے کہا۔ ”وہ جیج نہیں تھی۔“
”آپ پریٹر..... ریکارڈ لیا ہے؟“ فریدی نے آپ پریٹر سے پوچھا۔
”جی ہاں.....!“

”شاؤ.....!“

تحوڑی دیر بعد آپ پریٹر نے ریکارڈ سنایا۔ جیج موجود تھی۔ ”ارے باپ“ صاف سنائی دیا۔
”آخر یہ ہے کیا بل.....؟“ انپکڑ سکھ نے کہا۔
کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ فریدی نیسا گار سکار ہاتھا۔
”اس میں دونام بھی لیے گئے ہیں۔“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اویو ہادرڈ اور سیسل براؤن۔“
”یہ لپ اسک کے دھوں پر نظر رکھنے والوں کے بس کاروگ نہیں معلوم ہوتا۔“ آصف
نے سکرا کر کہا۔

فریدی جواباً مسکرا کر رہا گیا۔

”اس بار تو ہبی تیر ماریں گے جن سے عورتیں نہیں سنبھلتیں۔“ سعید نے تھوڑہ لگایا۔
”میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔“ آصف تنخ بجھ میں بولا۔
”میں خود چھوڑ دے آدمیوں سے بات کرنا پسند نہیں کرتا۔“
”منہ میں لگا م د۔“ آصف کھڑا ہو گیا۔

”یار تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔“ فریدی نے کہا اور سعید کو کھینچتا ہوا باہر لایا۔

”تم دل مت دیا کرو۔“ سعید ہانپا ہوا بولا۔ ”اس کے کیرٹے جھاؤ نے ہی پڑیں گے۔“
”اونہ..... چلو..... آؤ..... تھوڑی تفریخ ہو جائے۔ تم نے ابھی کھانا نہ کھایا ہو گا۔“
فریدی کی کیڈی لاک کو تار کی چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی اور اس کا ذہن ان آوازوں
سے زیادہ اس جیج میں الجھا ہوا تھا۔

آصف پیالی رکھ کر اسے خونخوار نظردوں سے گھورنے لگا۔ فریدی اٹھ کر ان کے آگیا۔

”سعید! مذاق کو مذاق ہی میں رہنے دو۔“ وہ اس کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”میں نے اسے مذاق کی حدود سے نہیں نکالا۔“ سعید آصف کو گھورتا ہوا بولا۔

”خیر! چھوڑو..... قضولیات میں کیا رکھا ہے۔“ فریدی نے کہا اور اسے درمری کا
دھکیل لے گیا۔

پھر وہ سب خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ آصف اور سعید اب تک ایک دوسرے کو کہ
جاری ہے تھے۔

دفعہ ٹرانسیمیٹر کے رسیوگ میٹ کی آواز بلند ہو گئی۔

”مک ٹکل ٹاک“ وہ سب چونک پڑے۔ رسیوگ میٹ سے آوازیں آتی رہیں۔
ٹکل ٹکل ٹکل ٹاک..... اویو ہادرڈ..... ٹکل ٹیپ ٹیپ رافت..... سیسل براؤن.....
لاک لاک..... ٹافت.....!“

بولنے والا بجھ کے اعتبار سے دیکی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ سب غور سے ستر

”رک..... رک..... روٹی ٹکل ٹاک..... پلیٹ ہاف..... ٹکل ٹکل..... ارے باپ۔“

”یہ جیج کیسی؟“ فریدی اچھل کر بولا۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے
”ٹکل ٹکل“ کے فوراً بعد ایک جیج سنائی دی تھی اور یہ جیج قطعی دیکی تھی۔ چینے والا
چینا تھا۔ پھر ہلکی ہلکی گھر گھر اہٹ سنائی دینے لگی۔ ”ٹکل ٹکل“ اور دوسری آوازیں بھی ٹاٹا
رہیں جن کے پس منظر میں گھر گھر اہٹ برابر جاری تھی۔ پھر تھوڑی دیر بعد سنائا چھا گا
معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کے ہونٹ سل گئے ہوں۔

سب سے پہلے فریدی ہی بولا۔

”میرے خیال سے یہ جس ٹرانسیمیٹ کی آوازیں ہیں وہ کسی کار میں فٹ ہے۔“
”وہ سب ان کی طرف دیکھنے لگے۔“

”مگر یہ جیج کیسی تھی؟“ وہ آہستہ سے بڑی بڑیا۔

”سپرشنڈٹ نے تھنچ اتنی بھیڑا کھائی تھی۔“ سعید بولا۔
”کیوں؟“

”اُس قسم کے اشارے نتوالے ہیں ملٹری ہی میں رانگ ہیں اور نہ ہی مرکزی سی آئی ڈی میں۔“
”یہ تو ہے۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔

”ظاہر ہے کہ یہ سب بیچارے انگلوں کے نشانات کے ماہر ہیں۔“
”مگر یا ر..... وہ جیچ۔“ فریدی نے دھیرے سے کہا۔

”وہ اور زیادہ حیرت انگیز تھی۔ جیچ کے ساتھ ہی پکھ دیر کیلئے وہ آوازیں بند ہو گئی تھیں۔“
”اور پھر گھر گھرا ہٹ سنائی دی تھی۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ان آوازوں کا سلسلہ پھر جاری
ہو گیا تھا۔“

”تم کسی خاص نتیجے پر پہنچ ہو؟“ سعید نے پوچھا۔

”فی الحال اس کے علاوہ اور پچھنیں کہہ سکتا کہ وہ کسی ایسے ٹرانسیسٹر کی آوازیں تھیں؛
کسی کار میں فٹ ہے۔“

سعید پکھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر یک سکریٹ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا پھر کہنے لگا۔

”اور وہ مجھے تقریباً زبانی یاد ہے۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن یہ اشارے میرے لئے قلعی نہ
تھے۔ دوسرا جگ ٹنکیں میں بعض پارٹیوں نے نے اشارے اختراع کئے تھے ان میں سے کچھ
مجھے بھی معلوم ہیں لیکن یہ ان میں سے بھی نہیں تھے۔“ کیڑی لاک سے پول ہوٹل کے ساتھ
رک گئی۔

اور وہ دونوں اتر کر اندر چلے گئے۔ ایک حصیں اور خوش گلور قاصہ ایچ پر رقص کر رہی تھی۔
لیکن فریدی کا ذہن ان آوازوں میں الجھا ہوا تھا۔

چوت

107
ناموئی چھائی ہوئی تھی۔ آدمی رات کے ستارے نہایی آنکھوں سے اپنے نیچے پھیلی ہوئی تکرار
خلاویں میں گھور رہے تھے۔ کرام پورٹر انور نے بے خبری میں کروٹ لی اور سڑک کے نیچے
لوٹک آیا۔ اس کے چاروں طرف سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بکھرا ہوا تھا اور سر پر سیاہ اور
ٹھنڈی رات اپنے تاریک بازو پھیلائے منڈلاری تھی۔

دفعاً وہ کراہ کر اٹھ بیٹھا اور بے ساختہ اپنے سر کی پشت پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ زخم سے بہے
ہوئے خون کے مجدد لختے بالوں میں پھیلنے لگے۔ وہ اس طرح اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اس کا یہ فعل
قلعی مخفی رہا ہو۔ نقاہت ضرور محسوس ہو رہی تھی اور رات کی تاریکی سے معمول سے زیادہ گھری
نظر آرہی تھی۔ لیکن پھر بھی اپنے اعضاء میں چحتی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ اس نے
جب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی چھوٹی سی تاریخ بدستور موجود تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ اسے استعمال
کرنے کے بجائے اپنی دکھتی ہوئی آنکھوں پر زور دینے لگا۔

ستانے کا تسلسل بدستور قائم تھا۔ انور ایک درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر
دیکھنے لگا۔ اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت آہتہ آہتہ وابس آرہی تھی۔ وہ کافی دیر یک اسی طرح
کھڑا رہا۔ پھر جیب سے رومال نکال کر زخم پر باندھتا ہوا مغربی خشیب میں اترنے لگا۔ جھاڑیوں
کی سرسرابہث سنائیں میں پھیل رہی تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ پھر رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ کسی آہٹ کا منتظر ہو۔

پھر اس نے جیب سے تاریخ نکالی اور جھاڑیوں میں روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی موڑ سائیکل
جوں کی توں موجود تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ شہر کی طرف واپس جا رہا تھا۔ سردی یونہی شدید اس پر
سے طوفانی رفتار سے دوڑنے والی موڑ سائیکل پر ہوا کے ملما پچھے..... انور کو ایسا محسوس ہوا تھا
جیسے اس کے زخم پر برف کے تھوڑے پڑ رہے ہوں۔ اس موسم میں شاید درد بھی مجدد ہو گیا تھا۔
زخم کی گلگ پر ایک بڑا سا دکھتا ہوا پھر معلوم ہوا تھا اور سر اتنا بھاری لگ رہا تھا جیسے ذرا سی بے
اختیال اسے گردن سے نیچے لٹھ کا دے گی۔

شہر کی س manus مگر روشن را ہوں سے گزرتے وقت وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں موڑ سائیکل فٹ
پاؤ تھا پنہ چڑھ جائے اس کے ہاتھ بڑی طرح کا پر رہے تھے اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے

سردی شباب پر تھی۔ شاہراہیں سنسان ہو چکی تھیں۔ خصوصاً شہر کے باہر تو قبرستان کیا

سنتری چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

”خانے سے کرو۔“

”اوہ.....!“ انور کے جسم میں پھر سے تو اٹائی آگئی۔ وہ بھول ہی گیا تھا کہ قریب ہی تھا

لے ہے۔

”اچھا دوست.....!“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”ذرایہ موڑ سائیکل دیکھنا، خانے والے مجھے

می طرح پہچانتے ہیں۔“

اس کے جانے کے بعد بھی سنتری کافی دریک وہاں کھڑا رہا۔

خانے کا انچارج انور کو اچھی طرح پہچانتا تھا اسے اس حال میں دیکھ کر مسکرا دیا۔ ”کہنے قبلہ

رہت تو ہے؟“

”میں ذرا فون کروں گا۔“

اس نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

انور نے ڈائل پر انگلی رکھی اور پھر پلٹ کر انچارج کی طرف دیکھنے لگا۔ جو منی خیز انداز
لے مکار رہا تھا۔

”یہ چوت کیسی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”گرگیا تھا۔“ انور نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔

”ہیلو..... فریدی صاحب ہیں۔ اوہ..... آپ..... آپ جاگ رہے ہیں۔ میں انور
لے رہا ہوں۔۔۔۔۔ وہی منی کے تھانے سے۔۔۔۔۔ مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ آپ تک پہنچ سکوں۔
درآئے۔۔۔۔۔“

انور بیسوار کر کر ایک پر بیٹھ گیا۔ انچارج اسے حرمت سے دیکھ رہا تھا۔

”آخر بات کیا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔“

”کیا ان پکڑ فریدی صاحب کفون کیا ہے؟“

انور نے اثبات میں سرہلا دیا۔

وہ پھر بیہوش ہو جائے گا۔

آخر کار اس نے ایک پلک ٹیلی فون بٹھ کے سامنے موڑ سائیکل روک دی۔ پچھے
کھڑا ہوا سنتری چوک پڑا۔ وہ اسے شک آ لوڈ نظر دیں سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی انور ٹیلی فون کی
کی طرف بڑھا اس نے آواز دی۔

”کون ہے؟“

انور رک گیا۔ سنتری اپنے جوتوں کی آواز سے سنائے میں گونج پیدا کرتا ہوا اس
قریب آیا۔

”کیا بات ہے؟“

”فون کروں گا۔“

”جانتے ہو کیا وقت ہے؟“ سنتری نے پوچھا۔

”اوہ.....!“ انور نے کافی پر بندھی ہوئی گھر دی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”پھر.....؟“ سنتری کی تیز نظر میں انور کوٹھو لئے لگیں۔

انور کو خیال آیا کہ بوقت کبھی کابند ہو چکا ہو گا۔

”اوہ..... مجھے دھیان نہیں تھا۔“ انور موڑ سائیکل کی طرف پڑا۔

”ٹھہر و.....!“ سنتری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ وہ پھر انور کے قریب آیا اور اس کی آنکھ
میں دیکھنے لگا۔

”کہیں دنگا فساد کیا ہے؟“ اس کی نظر میں چوت پر بند ہے ہوئے ردیاں کی طرف اٹھا
جس پر خون کا بڑا سادھہ دکھائی دے رہا تھا۔

”نہیں، گرگیا تھا۔“

”کہاں.....؟“

انور جھنگلا گیا۔ کوئی اور موقعہ ہوتا تو شاید وہ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے سے باز نہ آتا
اس وقت جب کہ ایک قدم اٹھانا بھی دشوار معلوم ہو رہا تھا خون کا گھوٹ پی کر رہا ہی جانا پڑا
”فون کرنا ضروری ہے۔ میں اس حالت میں گھر تک نہیں پہنچ سکتا۔“ اس نے کہا۔

انور بے ساختہ اچھل پڑا۔ وہ اندر میں آنکھیں چھاڑ کر فریدی کو گھوڑ رہا تھا۔

فریدی نے ہلاکا ساق قبھر لگایا۔

”آپ کو کیسے معلوم ہوا.....؟“

”میں نے تمہاری جیج سنی تھی۔“ فریدی بولا۔

”اور اس پر بھی آپ نے مجھے وہاں پڑا رہنے دیا۔“ انور نے خوشنگوار لمحے میں کہا۔

”تم غلط سمجھے! مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کرم تھے کہاں؟“

”پھر.....؟“

”میں نے تمہاری جیج ٹرانسپریٹ پر سنی تھی اور تمہارا الجھ صاف پہچانا تھا۔“

انور خاموش ہو گیا۔ پھر ٹھوڑی دری بعد بولا۔

”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ کار تھی؟“

”وہ آسانی سے معلوم ہو گیا تھا۔ تمہاری جیج کے فوراً بعد ہی کار اسٹارٹ ہونے کی آواز

ڈالی دی تھی اور کار کے انجن کی آواز کے ساتھ ہی کافی دیریک وہ اشارے بھی نے جاتے رہے تھے۔“

”میں کئی دنوں سے اس کار کے پیچھے لگا ہوا ہوں۔“

”ہوں.....!“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”اس کے متعلق کچھ اندازہ بھی لگایا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ کسی غیر ملک کے جاؤں ہیں۔“

”ان میں کسی کی شکل بھی دیکھی ہے؟“

”نہیں..... اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”کار کا نمبر.....؟“

”اندر میرا تھا.....!“

”ثخ.....!“ فریدی نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”اطمینان سے باتم کریں گے۔“

گھر پہنچ کر فریدی نے انور کے زخم کی ڈرینیگ کی اور ٹھوڑی دریک اس کے پھرے پر

فکر کی جائے رہا۔

”براعظی دوں.....؟“ اس نے پوچھا۔

”تب تو کوئی خاص ہی بات ہو گی۔“ انچارج سر ہلا کر مسکراتا ہوا بولا۔

انور جواب دینے کی وجہ سے سگر ہٹ سلاکنے لگا۔

”یقیناً کسی سے لا کر آ رہے ہو۔“ انچارج نے کہا۔

”پتہ نہیں آپ لوگ مجھے بدل کیوں سمجھتے ہیں۔“ انور کے لمحے میں تیکی تھی۔

انچارج ٹھوڑی دریک اسے پر تمسخر انداز میں دیکھتا رہا پھر ایک طرف مڑ کر او ٹھنڈے کا۔

انور اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے سگر ہٹ پر سگر ہٹ پھونک رہا تھا۔

تقریباً پندرہ یا بیس منٹ کے بعد سفتری انور کی موڑ سائیکل دھکیلا ہوا تھا نے میں۔

آیا۔ اسے غالباً یہ شب ہوا تھا کہ وہ کوئی مجرم تھا جو اس سے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے موڑ رہا۔

اس کی حفاظت میں دے کر خود کہیں فرار ہو گیا۔

انور کو انچارج کے قریب بیٹھا دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

”صاحب آپ کی موڑ سائیکل برآمدے میں رکھی ہے۔“ اس نے انور سے کہا اور وہ

چلا گیا۔

انچارج ایک لمحہ کے لئے چوک کر پھر او ٹھنڈے کا۔

ڈھانی بجے انپکٹر فریدی تھانے میں داخل ہوا۔ انچارج نے چوک کر اس کی طرف پھر کھڑا ہو گیا۔

”بڑی دری سے پوچھ رہا ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں۔“

فریدی نے انور کے سر پر بندھے ہوئے رومال کو بطور دیکھا۔ پھر انچارج کی طرز

دیکھ کر مسکراتے ہوئے اپنے سر کو جبش دی۔

”آؤ چلیں.....!“ اس نے انور سے کہا۔ ”موڑ سائیکل بیٹھیں رہنے دو۔“

انچارج نے اردو کو آواز دی۔

”موڑ سائیکل اندر رکھ دو۔“ اس نے اردو سے کہا۔

فریدی کی کیڈی لاک سنسان سڑکوں سے گزر رہی تھی۔

”تو تم اس کار کے پیچے لگ گئے تھے؟“ فریدی نے کہا۔

بلندبرہ

تحوڑی دیر بعد کافی تیار ہو گئی۔

”اب اس وقت گھر تو جاؤ گے نہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.....!“ اور نے کہا۔ ”لیکن میں حید کے کمرے میں نہیں لیشوں گا۔“

فریدی کے چہرے پر سکراہٹ بچھل گئی۔ ”نہیں..... وہ گھر میں ہے ہی نہیں۔“

”تب میں خوش نصیب ہوں۔ خواہ مخواہ بھیجا چاٹ کر رکھ دیتا ہے۔“

فریدی نے کافی کی پیالی انور کی طرف بڑھا دی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فریدی

بچ کہنے ہی والا تھا کہ باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔

مرجنٹ حید کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے سیاہ سوت پر المشرپین رکھا تھا۔ فلت ہیٹ سر

کی پٹ پر جکی ہوئی تھی اور بال پیشانی پر لٹک آئے تھے۔ کمرے میں ان دونوں کو بیٹھا دیکھ کر

پر دکھائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تاربا

ہڈیک گیا۔ شاید وہ یہ سمجھا تھا کہ فریدی سو گیا ہو گا اور وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا جائے

گا۔ پھر منجھ کو اس سے کہے گا کہ وہ تو گیارہ بجے ہی واپس آگیا تھا۔ بہر حال انور کے سر زپر پیٹا

بن گیا۔ دیکھ کر اس کے ذہن نے قلبازی کھائی اور قل اس کے کفریدی اس سے اتنی رات گئے گھر

آنے پر باز پرس کرتا۔ حید انور کو مخاطب کر کے بولا۔

”تو آپ یہاں مزے کر رہے ہیں اور وہ بے چاری رشیدہ پریشان ہو رہی ہے۔“

فریدی نے حید کو گھوڑ کر دیکھا۔

”میں ہاں۔“ حید اپنی فلت ہیٹ اتار کر میز پر اچھاتا ہوا بولا۔ ”آپ آج شام کو چند

ٹھوٹوں سے لڑ کر کہیں غائب ہو گئے تھے۔ اس وقت سے میں اور رشیدہ نہ جانے کہاں کی

ٹھاک چھانتے پھر رہے ہیں۔“

”کس نال کا کچھر چاٹ کر آ رہے ہو؟“ انور نے مسکرا کر پوچھا۔

تمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے تیز لمحے میں پوچھا۔

”کہاں تھے؟“

”تباہ تو کرشیدہ کے ساتھ.....!“

”انور کی علاش کر رہے تھے۔“ فریدی نے جملہ پورا کر دیا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا۔“

”اور میں تمہاری اصول پرستی کی قدر کرتا ہوں۔“ فریدی مکرا کر بوا۔ ”بہر حال سر زدید ہے۔ ٹھہر..... میں کافی بناتا ہوں۔“

”آپ.....؟“

”ہاں..... رات کو میں کسی توکر کو جگانا پسند نہیں کرتا۔“

فریدی نے ہیٹ لا کر اس پر کافی کے لئے پانی رکھ دیا۔

”ہاں..... اب کہہ چلو.....!“

آج سے چار دن قل میں رات کو تارجام سے آ رہا تھا۔ راستے میں میں نے اس کا روکے اور اسے نظر انداز کر کے شہر واپس آ گیا۔ دوسرا رات پھر یہی واقعہ پیش آیا۔ کارٹھیک اسی مقام پر دکھائی دی لیکن میں جلدی میں تھا اور اس رات بھی میں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ تاربا

میں میں نے تھوڑا سا برنس بھی شروع کیا ہے بھی وجہ ہے کہ اکثر رات گئے تک مجھے دہاں ٹھہر پڑتا ہے۔ بہر حال تیرسی بار اس کار کو دہاں دیکھ کر مجھے اسے اہمیت دینی ہی پڑی۔ لہذا آج نے

تارجام جانے کی بجائے سر شام ہی وہاں جا کر چھپ گیا۔

انور سکریٹ سلاکنے کے لئے رک گی۔ فریدی کی نظریں ہیٹ پر رکھی ہوئی یتکلی پر جمی ہوئی تھیں۔

”ٹھیک دس بجے کار دہاں پہنچنی میں قریب ہی جہاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔“ انور سکریٹ طویل کش لے کر بولا۔ ”اور پھر کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ لبھہ یور و پین تھا۔“

زبان..... اس کے متعلق خود آپ ہی کہہ چکے ہیں کہ وہ کسی قسم کے اشارے تھے۔“

انور خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا جو ابھی تک کیتیلی ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”میں جہاڑیوں سے نکل کر کار کی پشت پر آ گیا۔ دراصل میں بولنے والے کا چہرہ دیکھا تھا لیکن اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ کار میں اندر ہرا تھا۔ البتہ میں نے یہ اندازہ ضر

لگایا کہ اس میں کئی آدمی تھے اور پھر شاید کسی نے پیچھے سے مجھ پر حملہ کیا۔“

”کار کا رنگ اور موزل وغیرہ بتا سکو گے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ ۲۷ء کی فورڈ تھی۔“

گلدان میں ہاتھی

”بیٹا یہ گلدان“ حمید نے میٹھل پیس سے ایک چینی کا گلدان اٹھا کر جھکلے دار آواز میں کہا۔
”میں چاہوں تو اس گلدان سے ہاتھی نکال سکتا ہوں۔“

”کیا کہتے ہو؟“ فریدی اسے گھور کر بڑھایا۔
”خدا کی قسم ہاتھی نکالوں گا۔“

اور پیراری سے دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور رشیدہ بھس رہی تھی۔ وہ اس وقت ڈائیننگ میں صحن کا ناشتہ کر رہے تھے۔ انور رات بھر گھر سے عائب رہا تھا۔ اس نے رشیدہ نے صبح ہی نریڈی کو فون کیا تھا۔ ایسے موقع پر وہ ہمیشہ ہی کرتی تھی۔ ہر حال فریدی سے انور کے متعلق مہونے پر وہ سیدھی بیٹلیں چلی آئی تھی۔

حمد پر اب تک پینا ژرم (عمل تنویر) کی مشقوں کا بھوت سوار تھا۔ اس نے وہ عموماً بہت ہلکا تم کا ناشتہ کرنا تھا۔ اس وقت بھی وہ تھوڑا سا پورچ کھا کر اور ایک گلاس گرم دودھ پینے بعد اٹھ گیا تھا اور اب ٹہل ٹہل کر کافی پی رہا تھا۔

”ہاں تو اس میں سے ہاتھی ضرور نکلے گا۔“ اس نے گلدان کو میز پر رکھ کر اسے رومنال سے لبریا۔

”جگن سے بیٹھو ورنہ چانثا مار دوں گا۔“ فریدی بولا۔

”پینا ژرم میں وہ قوت ہے کہ وہ ہی چانثا انور کے منہ پر بھی پڑ سکتا ہے۔“ حمید نے ہامک مار۔ ”لیکن ہاتھ بی رشیدہ کا ہو گا۔“

”رشیدہ کا سینڈل اور تمہارا سر بھی ہو سکتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”اخلاقاً اسے بھی برداشت کروں گا۔ کیونکہ فی الحال تمہارا سر اس قبل نہیں ہے اور رشیدہ جب اپنے معوقات میں فرق بھی نہ ڈال سکتیں گی کیونکہ رشیدہ صاحبہ یہ غذا آپ کے ناشتہ ہی رکھ بھایا کرنے کی عادی ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”اور انور کہاں تھا.....؟“

”جہنم میں.....!“ حمید جھلا کر بولا اور کیتیلی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگا۔
”شامت آئی ہے۔“

”پیچے نہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتی۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا اور پیالی میں کافی انڈیا پھر انور کی طرف دیکھ کر بولا۔

”اب غندہ گردی بھی شروع کروی ہے تم نے؟ یا کسی دن بندنہ کر ادول ہمیں۔“
”تم تھے کہاں.....؟“ فریدی نے سخت لمحے میں پوچھا۔

”تب معاملہ گڑ بڑ معلوم ہوتا ہے۔“ حمید بندیگی سے بڑھایا اور فریدی کی طرف مخصوصیت سے بولا۔ ”ہائی سرکل ناٹ کلب میں۔“

”کل سے چھانک نہیں کھلتے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ بات تو سمجھتے نہیں۔“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آج کل آہم نکل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ لہذا قبل اس کے کہ میری موت آئے میں اگلے سارے گناہ معاف کرایتا چاہتا ہوں۔“

”بکومت.....!“

”اچھا نہیں بکوں گا۔ میں سمجھا تھا شاید آپ میری بکواس سننا چاہتے ہیں۔“

”میرے خیال سے شاید اب وہ کاراں جگدنہ دکھائی دے۔“ فریدی نے انور سے پا میں خود بھی بھی سوچ رہا ہوں۔ ”انور بولا۔

”تم ہمیشہ غلط سوچتے ہو۔“ حمید نے کہا۔

”پھر بولے تم.....!“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

”لیکن غلط نہیں بولا۔“

”مشٹ اپ.....!“

”زرا سے اٹھانا تو.....!“ اس نے رشیدہ سے کہا۔

پیدہ نے وہ کھلونا فریدی کی طرف کھسکا دیا۔

پیدی اسے ہاتھ میں لے کر بغور دیکھتا رہا۔ پھر اسے میز پر کھر کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

دراز ایسا تھا جیسے وہ اپنے حافظے پر زور دے رہا ہو۔

حید...! اس نے آواز دی جو برابر والے کمرے میں کھڑا ہلکے سروں میں سیئی بجارتا تھا۔

فرمایے۔ اس نے ویس سے ہنکھناتی ہوئی آواز میں ہامک لگائی۔

”پہاں آؤ۔“

”وہر اکان میں اپنے لئے رکھنا چاہتا ہوں۔“

چلو....!“ فریدی کے لبجھ میں جلا ہٹتھی۔

غلام حاضر ہے۔ زیادہ تاؤ کھانے کی ضرورت نہیں۔“ حید نے ڈرائیکٹ روم میں آ کر کہا۔

”یہ تھی کہاں تھا.....؟“

”میں کیا بتائے سکتا ہوں.....!“ حید لاپرداں سے بولا۔

بیکا باتیں مت کرو۔“ فریدی نے نزچ ہو کر کہا۔ ”نداق کے درمے موافق بھی ہو سکتے ہیں۔“

”یہ بیکال کیسے آیا.....؟“ حید نے رشیدہ سے پوچھا۔

”گلدار میں تھا۔“

پیدے تھپہر لگایا اور پھر ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا۔

”اُور..... یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب.....؟“ انور بھتنا کر پلتا۔

”میں تم سے کہہ رہا تھا کہ انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر مت بیٹھو۔“

”بھروسی بکواس۔“ فریدی بولا۔

”اُگر یہ ایسا نہ کرتا تو ہاتھی زندہ اور گوشت پوسٹ میں ہوتا۔“

”چھا بیٹے ذرا قریب آؤ۔“ فریدی نے بیتل کے ہاتھی کی دم پکڑ کر اسے گھماتے ہوئے کہا۔

لے کی میں اس طرح گھوم رہی تھی جیسی دو چوڑیوں پر کس دی گئی ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے دم

”مجھے مت گھینٹے۔“ رشیدہ نے مسکرا کر کہا اور کافلی کا گھنٹ لے کر گلدار کی طرف

”آپ خود ہی اسکے ساتھ گھنٹی پھرتی ہیں۔“ حید منہ سکوڑ کر بولا۔ ”ورنہ یہ اس ہے۔“

”حید تمہاری زبان بند ہو گی یا دوسرا است اختری کیا جائے۔“ فریدی اسے گھوڑ

”ہاں تو جتاب.....! اس گلدار سے ہاتھی برآمد ہو گا۔“ حید نے اس کی بات

”اورے انور.....! اپنے دونوں ہاتھ اگ رکھو۔“ اگر انگلیاں پھنسائے رہے تو.....!

”اس کا جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دیا۔

حید نے پس اکھڑاگ اسی لئے پھیلایا تھا کہ اسے فریدی اور انور کی اس گھنٹ

مل جائے جو چھڑنے ہی والی تھی۔ آج کل وہ سر کھپانے کے موڑ میں نہیں تھا۔ وہ اچھی

تھا کہ ٹرانسپرٹ پر سنائی دینے والی آوازیں عنقریب ہی وہاں جان بننے والی ہیں۔ انور کا

والے حادثے نے تو رہی سکی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ بہر حال وہ دل میں تھا

کمرے سے نکل گیا۔

اسکے جانے کے بعد رشیدہ نے اٹھ کر گلدار پر سے رومال ہٹایا اور پھر کھل کھلا کر

”کیا ہے.....؟“ فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔

رشیدہ نے گلدار میز پر الٹ دیا۔

انور بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

پیتل کا ایک چھوٹا سا ہاتھی گلدار سے نکل پڑا تھا۔

”یار بڑا نئو رو ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن میں اسے خوب سمجھتا ہوں۔ بلا۔

بچوں کی سی حرکت ہے لیکن اس کا مقصد میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔“

”کیا.....؟“ انور نے پوچھا۔

”بس ڈوچ دے کر نکل گیا۔“

”یعنی.....؟“

”ہماری گھنگوں میں جسم نہیں لیتا چاہتا تھا۔“ فریدی پیتل کے ہاتھی پر نظریں جلا

بولا۔ وہ تھوڑی دیر اس کی طرف دیکھتا رہا پھر دفعتاً چونکہ پڑا۔

الگ ہوئی اور اس کی جگہ ایک سوراخ دکھائی دینے لگا۔ فریدی اپنا ہاتھ پھیلا کر اسے اپنے سطح تک لایا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اس کھوکھلے ہاتھی کے اندر پکھ دیکھ رہا ہے۔ ہاتھی والا ہاتھ اپنے چہرے کے قریب نہیں لے گیا۔

”زرادیکھو تو اس میں کیا ہے؟“ فریدی نے ہاتھی حمید کے چہرے کے قریب ہوئے کہا۔

حمدید یکھنے کے لئے جھکا لیکن سوراخ آنکھ کے بجائے ناک سے جالا اور حمید نے ہٹ گیا۔

وہ اس طرح منہ بنا رہا تھا جیسے چھینک روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر دفعتاں پر دورہ پڑ گیا۔

فریدی بے تحاشہ نہیں رہا تھا۔

”ارے..... ارے..... آق چھیں.....!“ حمید کمرے میں ناج رہا مصیبت..... آق چھیں۔“

انور اور رشیدہ تختیر تھے۔ وہ نہ تور ہے تھے مگر احقوں کی طرح۔ حمید برادر چھینک ”یہ کیا..... آق چھ..... چھیں چھیں..... ارے.....“ وہ جھلاہٹ میں پیدا ہوتھا تھا۔ ”میں تمہاری ناک سے دوسرا ہاتھی برآمد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ فریدی کربولا۔

”میں..... ہر..... آق چھیں..... جاؤں چھیں.....!“ حمید جھلا کر اپنے منہ پر چھڑا۔ انور اور رشیدہ کبھی اس کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی بیتل کے اس ہاتھی کی طرف۔ ”ارے چھیں..... چھیں..... چھیں.....!“ وہ درہ امام سے ناشتہ کی میز اسے پکڑو۔“ فریدی نے انور سے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ انور نے حمید کو اٹھا کر ایک آرام کری پر ڈال دیا۔ اسے اب بھی چھینکیں آرنا چاہیے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیدا میں سکت نہ رہ گئی ہو۔ سرخ سرخ آنکھیں اسے الی پر رہی تھیں اور آنسو تھے کرنے کا نام ہی نہ بیلتے تھے۔

”ماں یہ کیا ہوا.....؟“ انور گھبرائے ہوئے لجھ میں بولا۔ حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھوں سے بے بُی جھاٹکے لگی تھی اور چھینکیں ہی کے جاری تھیں۔ پھر کاہاتھی میز پر پڑا تھا اور رشیدہ جھکی ہوئی اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ دفعتاں وہ کچھ اور جھکی ہر ہاتھ سے اپنا کان لگادیا۔

”ارے.....!“ وہ اچھل کر میز سے الگ ہٹ گئی۔

”کیا ہوا.....؟“ انور چونک کرمڑا۔

”آواز..... اس میں سے آرہی ہے۔“

انور تیزی سے میز کی طرف چھپتا۔ اس نے جھک کر ستا اور احقوں کی طرح منہ پھاڑ کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”آواز.....!“ حمید اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ”آو..... اچھیں..... چھیں۔“

اس نے پھر اپنا سر پینا شروع کر دیا۔

فریدی ایک ہاتھ میں سرخی لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”اس میں سے آواز آرہی ہے۔“ انور نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

”حمدید کا پناہرزم بول رہا ہوگا۔“ فریدی نے کہا۔

”پناہرزم کی..... چھیں.....“ حمید نے پھر اپنے منہ پر چھڑا۔

فریدی نے اس کے بازو میں انگلخشن دے دیا۔ حمید کی حالت غیر ہورہی تھی۔ لیکن فریدی کے چہرے سے بے اطمینانی کا انہصار نہیں ہوا تھا۔ انور نے فریدی کو اس پیتل کے ہاتھی کی طرف تھپکنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ فریدی حمید کو چھیننے میں مصروف تھا۔ ”مل متع کرتا تھا کہ پناہرزم کے چکر میں نہ پڑو۔“

حمدید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کی چھینکیں اب کچھ کم ہو چلی تھیں۔ اس میں اتنی قوت بھی نہ رہ گئی تھی کہ وہ اس ہاتھی سے نکلنے والی آواز پر اپنے چہرے کو تھیر بنا سکتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی نے انور کی بات نہیں کر کیوں نہیں دی تھی۔ وہ خود اس ہاتھی کو ایک معمولی سا سکھلوٹا سمجھا

فریدی تھوڑی دیر بعد پھر بولا۔

”تم نے اس میں جو آوازیں سنی تھیں اس پر مجھے قطیٰ حرمت نہیں کیونکہ میں اس کے متعلق پہلے ہی سے تھوڑا بہت جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ حمید کو اس کی شرارت کا مزہ بھی اسی کے ذریعے چکھایا جاسکتا ہے۔“

”تو کیا حمید اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ انور نے کہا۔

”اگر جانتا تو اپنا چیڑہ اس کے قریب کبھی نہ لاتا۔“ فریدی بولا۔

”بہر حال اس کے تین مصروف ہیں۔ یہ کسی چھڑی کا دستہ بھی ہے۔ اسے نسوار دان بھی سمجھا جا سکتا ہے لیکن حقیقتاً ایک نخاں اڑا نسیمیر ہے۔“

”ٹرانسیمیر.....!“ انور بے ساختہ اچھل پڑا۔

”ہاں.....ٹرانسیمیر.....!“ بچھلی جنگ میں جاپانی جاسوسوں نے اسے چین ملایا اور اعتماد میان میں استعمال کیا تھا۔“

”لیکن آپ نے اسے ٹرانسیمیر ہی کیسے سمجھ لیا تھا.....؟“ رشیدہ حرمت سے آنکھیں چھاڑ کر بولی۔ ”اسے بچوں کا کھلونا بھی سمجھا جاسکتا ہے۔“

”کئی وجہات کی بناء پر“ فریدی نے پر خیال انداز میں کہا۔ ”ایک تو یہ لکڑی کا لکڑا.....“ ”ہمارا موٹر پر یہ ابھرا ہوا نوکیا لاثان اس کی چک دیکھ رہی ہو۔ یہ کرٹل ہے۔ آواز کی لہروں کا انجا باب اسی کرٹل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ لہروں کو اندر کی مشین بھی دکھاتا۔ ممکن ہے کوئی نئے پر یہ کام کا نہ ہے جائے۔“

انور اور رشیدہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

”یہاں پر اس کی موجودگی کوئی خاص معنی رکھتی ہے۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد خود بخود ”بیویا۔“

”کہنیں اس کا متعلق انہیں لوگوں سے نہ ہو۔“ انور بولا۔

”خیلیں.....وہ تو نہیں ہو سکتے۔“ فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“

تھا۔ لیکن اس کے اندر سے نکلنے والی دہ تیز قسم کی بوکیسی تھی جس سے اس پر چھینکوں کا دورہ ہے۔ تھا۔ اس ہاتھی کے سلسلے میں اسے چھپلی رات یاد آگئی۔

فریدی اٹھ کر انور اور رشیدہ کے پاس جا بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد حمید کو چھینکوں سے نجات اور اس پر غنوڈگی طاری ہو گئی۔ فریدی نے انور اور رشیدہ کو دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ اور خود بھی اٹھا۔ پیشک کا ہاتھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

”آخ یہ ہے کیا بلا.....؟“ انور نے دوسرے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

”ایک دلچسپ چیز.....!“ فریدی نے کہا۔ ”مگر یہ حمید کو کہاں ملا۔“

فریدی اسے پھر اتنے پلنے لگا اس کے پیٹ میں ایک دوسرा سوراخ تھا۔ جس کا قطر بچھے ضرور ہا ہو گا اور اس میں لکڑی کا ایک لکڑا پھنسا ہوا تھا۔ یہ لکڑا بھی گول ہی تھا لیکن اس کی پرکنی ابھرے ہوئے کمیلے نشانات تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی برا لکڑا رہا ہو اور سوراخ پاس سے ٹوٹ گیا ہو۔

فریدی حسب عادت خاموش ہو گیا تھا انور اور رشیدہ کو الجھن ہونے لگی۔ انور تو اس کی عادات و اطوار سے بخوبی واقف تھا لیکن رشیدہ کو حقیقتاً اس کی خاموشی کو رہی تھی۔

”آپ نے نہیں بتایا کہ ہے کیا.....؟“ وہ بے صبری سے بولی۔

”کسی چھڑی کا دستہ۔“ فریدی نے کہا اور ہاتھی کو میز پر کھکھل کر سرگار سلاکا نے لگا۔

”لیکن حمید صاحب کو یہک چھینکیں کیوں آنے لگی تھیں؟“

فریدی نے پھر ہاتھی کی دم علیحدہ کر کے اس کے نیچے سے نمودار ہونے والے سوراخ رشیدہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”اس کی تاک اس سوراخ سے جاگی تھی۔“

”شاید آپ زیادہ نہیں بتانا چاہتے۔“ رشیدہ شوخفی سے بولی اور انور اسے گھورنے لگا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ”تم نے کیسے سمجھ لیا۔ اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کا تذکرہ ہتا چھیڑتا۔“

رشیدہ خاموش ہو گئی۔

اور نے سرہلایا۔

”یعنی کوئی حال ہی میں اسے چھڑی کے دستے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے۔“ فریدی نے سارے لگاتے ہوئے کہا۔ ”اور پھر یہ کسی طرح چھڑی سے الگ ہو گیا۔ بہر حال اسے کوئی پہاں بھی آزادانہ طور پر ہی استعمال کرتا رہا ہے۔ ورنہ اسے چھڑی کے سرے پر لگانے کی کیا محدود تھی۔“

اور نے پھر سرہلایا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”لہذا تمہیں اس بات پر افسوس نہ کرنا چاہئے کہ تم اس قسم کے ٹرانسپورٹ سے پہلے واقع نہیں تھے۔ اس ٹرانسپورٹ کا راز عام نہیں ہے۔ مجھے اس کے متعلق ایک جیلانی جاسوس ہی سے معلوم ہوا تھا، جو اتفاقاً میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔“

”تب پھر مجھے واقعی افسوس نہ ہونا چاہئے۔“ انور مسکرا کر بولا۔

فریدی کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ ایک نوکر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس میں ایک ملاقلی کارڈ رکھا ہوا تھا۔ فریدی نے کارڈ اٹھا کر پڑھا پھر اٹھتا ہوا بولا۔

”تمہیں تھوڑی دیر بیٹھنا پڑے گا۔“

”نہیں اب ہم بھی چلیں گے۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”حید صاحب کو ہوش آنے پر فون کر دیجئے گا۔ میرے خیال سے کوئی تشویش ناک بات نہیں۔“

”قطعی نہیں۔“ فریدی بولا۔

انور اور رشیدہ چلے گئے۔

شوہر کا بھوت

ٹرالنگ روم میں ایک نوجوان عورت فریدی کا انتظار کر رہی تھی۔ ملاقلی کارڈ دیکھ کر ہی فریدی نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ اس کے شناساؤں میں سے نہیں ہے۔ اس نے لیڈی ہمپٹن کی

”وہ آوازیں جو میں نے آفس کے ٹرانسپورٹ پر سی تھیں وہ اس کے لئے قطبی بیکار ہیں۔“ صرف اسی ٹرانسپورٹ کی تشریکی ہوئی آوازیں قول کر سکتا ہے، جو اسی کی ساخت سے منابعہ کر ہوا رہا۔ ٹرانسپورٹ وں کے لئے تو یہ بالکل ہی لایعنی ہے۔“

انور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ خود بھی کافی ذہین، تیز اور طرار تھا لیکن فریدی کا رام ہوتے ہی کچھ اس طرح احساس کتری کا شکار ہوتا کہ بعض اوقات تو خود کو بالکل ہی احتقان کرنے لگتا تھا۔

”مجھے کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے۔“ فریدی پھر بولا۔ ”جیسے ملک میں بیرونی جاسوسوں کا حصی بڑی تعداد موجود ہے۔“

”وہ تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔“ انور نے کہا۔

”لیکن فی الحال وہ کسی خاص چکر میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ ٹرانسپورٹ پر انہیں خاص نہ کے اشارے نہ کرنے کی ضرورت نہ محسوس ہوتی۔ خیر چھوڑو ہتاو..... ہاں تو اس ہاتھی نما ٹرانسپورٹ کی بات ہو رہی تھی۔ اس کے استعمال کا ڈھنگ بڑا ڈچپ تھا۔ جیلانی جاسوس عموماً نہ پیشواؤں کے بھیں میں رہا کرتے تھے اور اس قسم کے ٹرانسپورٹ علاوہ طور پر لئے پھرتے تھے۔ ان کے عصا کے سر پر نصب ہوتے تھے۔ از میں وہ اپنی نسوار بھی رکھا کرتے تھے اور نسوار گنگے کے بہانے جمع عام میں بھی ان کے ذریعہ بہ آسانی پیغام بازی کر سکتے تھے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ میں اس سے پہلے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔“ انور بڑا بڑا۔

”یہ نسوار ہی جس نے میاں حید کو چینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

”یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر اس کے متعلق زیادہ لوگ جائے ہوتے تو یہ اتنی آزادی سے استعمال نہ کیا جاتا۔“

”تو اس کا مطلب!“

”مطلوب بالکل صاف ہے۔“ فریدی نے پیش کا ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اس لکڑی کے لکڑی دیکھ رہے ہو۔ یہ کتنا صاف خلاف ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسے چھڑی سے علیحدہ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ورنہ اس لکڑی کے لکڑی پر خاصی میل جمع ہوتی۔“

بکلی زرد ساری پر سوردار کالمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔

ساری کا آنچل سر پر تھا۔ لمبی اور گھنیری پلکیں جگی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا یہ، زیادہ تنفسیں نیچی ہی رکھنے کی عادی ہو۔ کبھی بھی انکی نظریں دروازے کی طرف اٹھ جائی تھیں۔ فریدی کوڈر انگ روم میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

”تشریف رکھئے؟“ فریدی قدرے جھک کر بولا۔

وہ تھوڑی دیریک خاموش کھڑی رہی پھر فریدی کو مخاطب کر کے کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”کیا فریدی صاحب بہت زیادہ مصروف ہیں۔“

فریدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھینگی۔

”ایسا تو نہیں۔“

”کیا وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی گے؟“

”کیوں نہیں.....!“

”تو پھر..... انہیں اطلاع دے دیجئے۔“

”فرمائیے..... میں ہی فریدی ہوں۔“

”اوہ آپ.....!“ عورت کے انداز میں استقباب تھا۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ لوگ جو فریدی سے ذاتی طور پر واقع نہیں تھے اسے بوزھائی سمجھتے تھے۔ یہ عورت بھی شاید اسی خیال میں تھی۔ وہ تھوڑی دیریک فریدی کو اس طرح دیکھتی رہی جیسے اسے اس کے بیان پر شبہ ہو۔

”میں نے ساہے کہ آپ.....؟“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”فرمائیے.....!“ فریدی سمجھیگی سے بولا۔ ”اس کمرے کی کوئی بات اس کی دیواروں سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔“

”میں نے ساہے کہ آپ پر ایسویہ طور پر بھی ضرورت مندوں کی مدد کرتے ہیں۔“

”جی ہاں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوئے ہیں۔“

عورت چند لمحے خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ بات شرعاً

کرنے کے لئے مناسب الفاظ طلاش کر رہی ہو۔

فریدی استفہامیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی عمر ۲۵ اور ۲۸ کے درمیان میں رہی ہوگی۔ چہرہ حد درجہ پر کشش اور متین تھا۔ پیشانی کی بکلی بکلی سلوٹس تمکنت ظاہر کر رہی تھیں۔ رنگ بیٹھی تھا۔ بڑی بڑی نشیل آنکھیں اور بوجھل بکلکیں عجیب سی کیفیات کی حالت تھیں۔

”آپ نے پروفیسر چودھری کا نام تو سنایا ہو گا۔“ وہ آہستہ سے بولی۔

”پروفیسر چودھری۔“ فریدی اپنے ذہن پر زور دینے لگا۔

”ایشیا نک سائنس کا گنگریں کے صدر.....!“ عورت نے کہا۔

”اوہ جی ہاں۔“ فریدی سوالیہ نظرؤں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہ میرے شوہر ہیں۔“

”اوہ مز چودھری۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میں ذاتی طور پر ان سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہوں۔ شاید ایک بار وہ اچانک کہیں غائب ہو گئے تھے۔“

”تب سے اب تک لاپتہ ہیں۔“ مز چودھری نے کہا۔

”اوہ.....!“

”تقریباً چھ ماہ ہونے کو آئے..... لیکن.....!“

”لیکن کیا.....!“ فریدی چوک کر بولا۔

”میں وہی کہنا چاہتی ہوں جس کے لئے آپ کو تکلیف دی ہے۔“

فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔

”وہ چھ ماہ قابل اچانک غائب ہو گئے تھے۔“ مز چودھری مضمحل آواز میں بولی۔ ”میں نے پلکس میں بھی روپورث درج کرائی تھی۔ چھ ماہ تک ان کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہو سکا لیکن ادھر کئی نوں سے.....!“

”وہ پھر چب ہو گئی۔“

”کہے..... کہے!“

”اہر کئی نوں سے وہ کوئی میں دکھائی دیتے ہیں۔“

”کیا مطلب.....؟“ فریدی چوک کر بولا۔

”کافی رات گئے وہ کوئی میں نہیں ہوئے پائے جاتے میں۔ لیکن ہم میں سے کسی ہمت نہیں کر ان کا سامنا بھی کر سکے۔“

”صاف صاف کہئے۔“ فریدی بے چینی سے بولا۔

”ان کا چہرہ حد رجہ خوفناک ہوتا ہے۔ اندھیرے میں شعلے کی طرح دہکتا رہتا ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی بے چینی سے اپنے ہونتوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”اکثر وہ میرے قریب سے بھی گزرنے میں لیکن میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں مجھے ایسا محسوں ہوتا ہے جیسے ان کی آنکھیں گردش ہی نہیں کر سکتیں۔“

عورت پھر خاموش ہو گئی۔

فریدی کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

”سارے نوکر خوفزدہ ہو کر کروں میں جا چھتے ہیں اور اب تو میں بھی سینی کرنے لگی ہوں۔

”کتنے بھوکتے ہیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میرے بیہاں کتے نہیں ہیں۔“ وہ بولتی گئی۔ ”میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی کہ کروں۔ نوکروں کا خیال ہے کہ چودھری کسی حادثے کا شکار ہو گئے اور یہ انہیں کا بھوت ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا سمجھوں۔ پہلی رات میں نے ان کے چہرے کی شعلکتی کا نہ کئے بغیر انہیں آوازیں بھی دی تھیں۔ لیکن وہ چوکتے تک نہیں۔ نہ ان کی ٹکلیں جھکیں۔“

آنکھوں نے گردش کی۔ میں آپ سے کیا بتاؤں کرو۔ کتنے خوفناک معلوم ہوتے ہیں۔ اب ا

معلوم ہوتا ہے جیسے پیروں کے علاوہ ان کا بقیہ جسم پھر کا ہو۔ چلتے وقت ہاتھ بھی نہیں لختے۔

میرے خدا۔“

اس نے جھک کر اپنا چہرہ دنوں ہاتھوں سے چھپالی۔ فریدی کے ماتھے پر سوچ کی گئی لکیریں ابھر آئی تھیں۔

”اچھا وہ غائب کن حالات میں ہوئے تھے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اچاک.....!“ وہ سراٹھا کر بولی۔ ”ایک رات وہ اپنے کمرے میں سوئے اور دوسرا۔

”لمبے میں نہیں پائے گے۔“

”ان کا کچھ سامان بھی غائب تھا۔“

”نہیں..... میرے علم میں تو کوئی ایسی چیز نہیں جو غائب ہوئی ہو۔“

”کچھے تو پہنچ ہیں ہوں گے۔“

”نہیں! ان کے جسم پر وہی سلپینگ سوٹ تھا جو وہ پہن کر سوئے تھے۔“

”اور سلپینگ گاؤں.....!“

”وہ کمرے ہی میں موجود تھا۔“

”اور آپ نے ان کے غائب ہونے کی یونہی سرسری روپورٹ کر دی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اس کے علاوہ اور میں کر بھی کیا سکتی تھی۔ میں نے روپورٹ درج کر دی اور بر اعلیٰ

ام سے بات بھی کرتی رہی لیکن ہمیشہ ہی جاب ملا کہ تلاش جاری ہے۔“

”ہوں.....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”آپ نے اسکے دوستوں سے بھی پوچھ گئے کی ہو گئی۔“

”میں ہاں! جتنے میرے علم میں تھے۔“

”اچھا آج کل پیش آنے والے واقعات کی روپورٹ بھی کی آپ نے؟“

”کس طرح کرتی۔ نہ جانے کیا بات ہے۔ معلوم نہیں کیا حادثہ پیش آئے۔ ویسے میں خود وہ پریت قسم کے واہموں کی قائل نہیں۔ میں نے نوکروں کو بھی منع کر دیا ہے کہ اس کا تذکرہ کیا سئہ نہ کریں۔“

”تو پھر آپ بیہاں کیسے آئیں؟“

”بچھلی رات حالات نے دوسری ٹکل اختری کر لی اور جب میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو

پکے پاس چل آئی۔“

فریدی اسے مشتبہ نظرؤں سے دیکھ رہا تھا۔

”حالات کی دوسری ٹکل سے آپ کی کیا مراد ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”بچھلی رات وہ اور پری منزل میں جل رہے تھے۔ میں نیچے تھی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے ہال

مل اڑائے اور ہمیں بھاگ کر ایک کمرے میں پناہ لئی پڑی۔ میرے ساتھ میرے تین ملازم

بھی تھے۔ ہم نے کمرہ بند کر لیا اور پھر محسوس کیا کہ ہال کی روشنی گل ہو گئی۔ وفتحا بھاگ دوڑا آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے ہال میں بہت سے آدمی موجود ہوں۔ اب آدھے چینیں بھی تی گئیں۔ ہم میں سے کسی کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ پھر ایسا معلوم ہوا ہے سب بھاگتے ہوئے باہر چلے گئے ہوں۔ پھر دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں جو کسی غیر غریب زبان میں گفتگو کر رہے تھے اور دونوں کے بھروسے میں کتوں کی غراہٹ تھی۔ ایسا ماہوتا تھا جیسے ان کے سینوں میں منوں بلغم اکٹھا ہو۔ وہ زبان نہ انگریزی تھی نہ جمن، فرانسیسی! نہیں تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ اپنے یہاں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سے بھی نہیں تو پھر کوئی ہال میں گرا۔ ایک چیخ سنائی دی پھر بھاری قدموں کی آوازیں۔ شاید وہ دونوں بھاڑ رہے تھے۔ اس کے بعد بالکل سناثا چھا گیا۔ ہم تقریباً آدھے گھنٹے تک اسی کمرے میں رہے باہر نکل آئے۔ ہال میں روشنی کی لیکن اس وقت ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے یہاں کہ نہ تو کوئی کرسی اپنی جگہ سے بیٹھی اور نہ کوئی چیز اٹھی تھی۔ شیشے اور چینی کے بڑے بڑے گلہ اپنی جگہوں پر بدستور رکھے تھے۔ ہنگامہ اتنا شدید ہوا تھا کہ پورے ہال میں انتہی ہونی جا تھی۔ ہم لوگ جی کڑا کر کے باہر نکلے۔ باہر بھی سناثا تھا۔ البتہ پائیں باغ کا پھانک کھلا ہوا کہ دیا۔ نوکر آگے بڑھتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ میں ہمت کر کے آگے بڑھی۔ پھر ہم چاروں نے کر پائیں باغ کا پھانک بند کیا۔ واپسی میں پھر ہمارے دانت خوف سے بنتے گے۔ چودا صاحب اوپری منزل کی ایک کھڑکی میں دکھائی دیئے۔ ان کا چہرہ اندر ہیرے میں دکھتا ہوا کہ دیا اور ان کی آنکھیں ہمیں دیکھنے کے بجائے ٹھیک اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔ ہم پھر بھائی اندر آگئے اور ہم چاروں نے ساری رات جاگ کر گزاری۔

”بڑی عجیب بات ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا یا۔

عورت تھوڑی دیر تک فریدی کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی۔

”اب بتائیے! میں کیا کروں؟“

”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا مشورہ دوں۔“

”کیا میں پولیس کو اس کی اطلاع دے دوں۔“

”ہونا تو بھی چاہئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”ان کے غائب ہونے سے پہلے ان کا کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا تھا۔“

”میرے خیال سے تو نہیں۔ وہ بہت زیادہ تہائی پسند تھے۔ ان کے کسی سے ایسے تعلقات

نہیں تھے کہ جھگڑے تک نوبت پہنچتی۔“

”لیکن کوئی نہ کوئی تو ایسا ضرور ہی رہا ہو گا جس سے ان کے زیادہ تعلقات رہے ہوں۔“

”یہ بنتا دشوار ہے۔“ مزر چودھری سوچتی ہوئی بولی۔ ”لیکن مخبر یہے۔ یہاں صرف ایک عیا آدمی ہے جس سے ملنے کیلئے وہ اکثر جایا کرتے تھے اور وہ خود کبھی ہمارے گھر نہیں آیا۔“

”کون.....؟“

”علم الاجسام کا ماہر پروفیسر درانی۔“

”اوہ.....!“

”وہ اکثر اس کے یہاں جایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ خود سے بھی کسی اور سے ملنے نہیں کے۔ زیادہ تر لوگ انہیں سے ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔“

”کیا آپ ان غیر ملکیوں میں کسی کے متعلق کچھ بتا سکتے گی؟“

”شاید نہ بتاسکوں۔ کیونکہ مجھے ان کے اس قسم کے ملنے والوں یا ان کے مشاغل سے کوئی خاص روپی نہیں تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہوا پھر بولا۔

”میرے خیال سے ابھی آپ پولیس کو باقاعدہ طور پر مطلع نہ کریں۔ میں آج کسی وقت اپ کے یہاں آؤں گا۔“

”میں زندگی بھر آپ کی شکر گزار رہوں گی۔“

اس عورت کی عجیب و غریب کہانی ختم ہوتے ہی فریدی پھر اس ہاتھی نماڑ نسیمیز کی گتھی میں الجھا گیا۔ فی الحال وہ کوئی اور کسی لیتا نہیں چاہتا تھا لیکن اس عورت نے ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ کر دیا تھا کہ وہ دیکھی لینے پر مجبور ہو گیا۔ یہ پروفیسر درانی کی شخصیت تھی۔ تعلیم یافت طبقوں میں اس کا نام بہت عزت سے لیا جاتا تھا۔ لیکن دوہی چارائیے خوش قسمت رہے ہوں گے جنہوں

نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اپنی کوئی سے شاذ نادر ہی لکھتا تھا اور وہ بھی بند گاڑی میں۔ روزِ رہ میں تو وہ بند گاڑی بھی نظر نہیں آتی تھی اس سلسلے میں اس کے لئے کئی باقی مشہور تھیں۔ کچھ انتہے کے وہ اتنا بد صورت اور بے نظم ہے کہ پیلک کے سامنے آتے ہوئے شرماتا ہے۔ کچھ کا یہ زخم تھا کہ اسے دن میں کچھ بھائی ہی نہیں دیتا۔ زیادہ ذہین لوگ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ایسا عجیب و غریب انتہا تھا کہ اپنی شہرت میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال وہ ہر اس شخص کیلئے معمر قاچروں متعلق تھوڑا اہبہ بھی علم رکھتا تھا۔ ویسے سارے ملک میں اسکی تکلیف کا ایک بھی ماہر علم الاجرام نہیں تھا۔ فریدی نے اس کی لیبارٹری کے مختلف بہت کچھ سن رکھا تھا۔ اس کے پاس قدیم اور بہ جوانات کے بے شمار ڈھانچے تھے لیکن انہیں بھی شاید وہی چار آدمیوں نے دیکھا ہو۔ فریدی انہیں خاص طور سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کا کوئی مناسب حیلہ آج تک ہاتھ نہیں آیا تھا۔ مزروں دھری کو چھانک تک پہنچانے کے بعد فریدی مڑا ہی تھا کہ اسے حمید دکھانی رہا۔ برآمدے میں لکھجہ تھا کہ مڑا تھا اور وہ تین نوکر دو رکھڑے مسکرا رہے تھے۔ فریدی نے انہیں کر دیکھا اور وہ چپ چاپ کھسک گئے۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ فریدی نے برآمدے میں پہنچ کر پوچھا۔
حید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں کھڑا آنکھیں چھاڑے چھانکا
طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا بیووگی ہے۔“ فریدی جھنگلا کر بولا۔ ”تمہیں نوکروں کا بھی خیال نہیں ہوتا۔“
”نوکری میرے باب پتو نہیں۔“ حید پلٹ پڑا۔ لیکن پھر مضخل ہو کر چھانک کی طرف دیکھنے لگا۔ ”انہیں تک تھارا دماغ درست نہیں ہوا۔“
”جید نے پھر پلٹ کر فریدی کو دیکھا۔ لیکن اس بار اس کی آنکھوں سے غم جھانک رہا تھا۔
فریدی کو اس ایکنگ پر بے ساختہ ہٹی آگئی۔

”حید ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔“ اے برادر یہ کس گلشن کی کلی تھی۔ کس جھنابی اکارا
ڈرخوش آب تھی۔ یہ کون تھی، جو میرے دل کے سمندر کے جوار کو چھانٹا کھلا کر چلی گئی۔“
”آگے اوقات پر.....!“ فریدی منہ بنا کر بولا۔

”اے پرچھر ہیں۔ اگر اسے والد صاحب قبلہ بھی دیکھتے تو زیلخا کی طرح دوبارہ جوانی کی
انتہے۔“

فریدی اس کا گریبان پکڑ کر اسے اندر کھینچ لے گیا۔

”وہ رُنسیمیر تمہیں کہاں سے ملا تھا۔“ اس نے پوچھا۔

”رُنسیمیر.....!“ حمید بولکھلا کر بولا۔ ”کہیں آپ کی عقل اسی کے ساتھ تھی تو نہیں چل گئی۔“
”جیکھت..... وہ کھلونا نہیں بلکہ رُنسیمیر ہے۔“ فریدی نے اکتا کر کہا۔

”تو کیا وہ آواز.....؟“ حمید بے ساختہ اچھل پڑا۔

”تم نے سنی تھی.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... جب میں اس مصیبت میں مبتلا تھا تو انور اور رشیدہ نے کوئی آواز سنی تھی۔ میں
ذائق سمجھا تھا۔“

”تو کیا اس رُنسیمیر پر چھینکیں براڈ کاست کی جاتی ہیں۔“ حمید نہیں کر بولا۔

”نہیں وہ ایک تیز قسم کی نسوار تھی جس نے تمہیں چھینکنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

پھر فریدی نے اسے سب کچھ بتادیا۔ حمید حیرت سے آنکھیں چھاڑے سن رہا تھا۔ فریدی

خاوش ہوتے ہی بولا۔ ”تو یہ بلا میں خود ہیں اپنے گلے باندھ لایا ہوں۔“

”تمہیں وہ ملا کہاں تھا.....؟“

”جگ کا نام شاید نہ بتا سکوں لیکن جگ دکھا سکتا ہوں۔ پچھلی رات جب میں ناٹ کلب سے

شارما تھا تو میں نے اسے راستے میں پڑا میا تھا..... مگر یہ عورت کون تھی؟“

”مگر تاکوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم ذرا بجلدی سے کپڑے تبدیل کر ڈاؤ۔“

”آ..... اے پیاری شامت۔“ حمید چھپت کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”مجھے تجھ سے محبت

لگا ہے کیونکہ تو کسی حال میں میرا پچھا نہیں چھوڑتی۔“

نیا انکشاف

ٹھوڑے سمجھئے بعد فریدی کی کینڈیلاک چھانک کے باہر لگی۔ حمید فریدی کے برابر بیٹے اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنجال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر ہے۔ اس نے عورت پھینک ماری اور آپ چین مار کر بیہوش ہو گئے۔ پھر اس نے اطمینان سے منہ بنا رہا تھا۔

”جان لکھنی شروع ہو گئی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”بیکارتا وہ نہ دلایے مجھے۔“ حمید نے کہا۔ ”آپ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کر دیں.....!“

”اس ٹرانسیور کا چکر چھوڑ کر آپ کو اس بیچاری کی مدد کرنی چاہئے۔“

”شاید تم اس کی پوری کہانی بھول گئے۔“ فریدی بنس کر بولا۔

”میں اب بھوتوں سے نہیں ڈرتا۔ بشرطیکہ وہ کسی عورت کا بھوت نہ ہو۔“

فریدی بنس کر چپ ہو گیا۔

”بائیم روڈ کی طرف چلے۔“ حمید ٹھوڑی دیر بعد بولا۔ ”وہ اب تک میرے ذہن ہوئی ہے۔“

”تمہارا ذہن تو اچھا خاصاً کا نجی ہاؤز ہے۔“

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں نے ایک ہزار سال قبل اسے یونان میں دیکھا،“ ”بہت اچھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”کیا بھی حال ہی میں رائیڈر ہیگرڈ کا کو پڑھا ہے؟“

”نہیں میں حق کہہ رہا ہوں۔“ یونان کے کسی قدیم سنگ تراش کا شاہکار معلوم ہوتا

”یار حمید! میرا بھیجا مت چاٹ۔“

”قبل محترم میں آپ کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہو..... ہاں واہنی طرف موڑ لیجئے۔“

”فرمائیے۔“ فریدی نے اسٹریمگ گھماتے ہوئے کہا۔

”آپ عورتوں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دیجئے۔“ ورنہ آئندہ آپ کے دشنا آ۔“

انہی کی بجائے عورت پھینکا کریں گے۔“
زیری بے اختیار مسکرا پڑا۔

”فرض پیچھے۔“ حمید پھر بولا۔ ”آپ کہنی سے گزر رہے ہیں اور ایک مجرم آپ کی تاک
ہے۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر ایک خوبصورت سی عورت سنجال رکھی ہے جیسے ہی آپ زد پر
ہے اس نے عورت پھینک ماری اور آپ چین مار کر بیہوش ہو گئے۔ پھر اس نے اطمینان سے
پی گردن رہی اور چلتا پڑا۔“

”یار کوئی کام کی بات کر۔“ فریدی اکتا کر بولا۔

”یہ کسی کام چور سے کہنے گا۔“ حمید نے کہا۔ ”اوہ ٹھیک یاد آیا۔ کیا آپ کسی ایسے مصنف کو
کام چور کہنیں گے جو انگریزی کے ناولوں کے پلاٹ چراکاردو میں ناول لکھتا ہو۔“
”کیوں اسے کیوں کام چور کہنیں گے۔“

”بھی مصنفوں کے کارناموں کو انگریزی میں ورک کہتے ہیں جس کے معنی اردو میں
کام ہوئے۔ لہذا میری دانست میں چور قسم کے مصنفوں کو اردو میں کام چور کہا جاتا ہے۔“
”لیکن تم مصنفوں پر کیوں آکوئے۔“

”اں لئے کر کہنیں وہ کم بخت ٹرانسیور نہ کوڈ پڑے۔“ حمید نے اپنے پابند میں تباکو
استہوئے کہا۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اس قسم کی چیزیں میرے یا آپ ہی کے ہاتھ
ملیں گا کرتی ہیں۔ کسی اور رائگیرنے اسے کیوں نہیں اخھا۔ یہ ٹھوکریں میرے ہی مقدار میں
ملیں گے کہی ہوئی تھیں۔ بچھلی رات والا حادثہ انور عی کو کیوں نہیں آیا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اسی
یہاں میں وہ یہاں تار جام تک کی دوڑ لگایا کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی تذکرہ نہیں نے
نواقفات کو لکھا تو لوگ سو فیصدی غب سمجھیں گے۔“

”میں حمید خال! اسی قسم کے اتفاقات ہمیں مجرموں تک پہنچاتے ہیں ورنہ ہم ساری زندگی
کوئی بے مارتے رہیں۔ سراغِ رسان غیب دان نہیں ہوتے۔“

”آخر اس قسم کے نواقفات پیش ہی کیوں آئیں۔“ حمید منہ بنا کر بولا۔ پھر چونکہ
ہاں روزک دیجئے۔“

بکھری لاک ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ حمید اتر پڑا۔
”غالباً بھی جگہ تھی۔“ وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”رات اندر ہری تھی حمید صاحب۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے لے
”ٹھیک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرے پاس تاریخ تھی درنے اس کم بخت پر کیسے نظر پڑا
”پھر بھی۔“ فریدی پر خیال انداز میں بولا۔ ”وہ کوئی اسی عجیب و غریب چیز نہیں تھی
گردو پیش بھی تاریخ کی روشنی ڈالنے کی زحمت گوارا کرتے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔“ حمید تذبذب کے عالم میں بولا۔ ”لیکن سامنے والی کوئی کے چاہے
رکھے ہوئے پھر کے شیر اس وقت تاریخ کی روشنی کی زندگی میں تھے۔“

”تب ٹھیک ہو سکتا ہے کیونکہ اس سرک پر ایسے شیر اور کہیں نہیں ہیں۔“ فریدی لہ
طرف دیکھتا ہوا بولا۔ پھر دفتار چوک پر اور حمید کا ہاتھ اس زور سے دبایا کہ وہ بلبا اٹھا۔
حمدکبھی فریدی کی غیر متحرک آنکھوں کی طرف دیکھتا اور کبھی کوئی کوئی کی طرف۔
”کیا یہ شیر پھر کئی نہیں ہیں؟“ حمید بوکھلا کر بولا۔

فریدی اپنی نظریں چاہنک سے ہٹا کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گاہ
آنکھیں چکنے لگی تھیں۔

”حمد! شاید اس بار بھی سہرا تمہارے ہی سر رہے گا۔“
”سہرا.....!“ حمید طنزیہ انداز میں بولا۔ ”لاحول ولا قوۃ..... تو بہ کچھے! بھلا آپ کے
رہ کر سہرے کی نوبت کہاں آئے گی۔“

”ہشت.....!“ فریدی نے دبے ہوئے جوش کے ساتھ کہا۔ ”چاہنک پر لگی ہوئی نہیں
دیکھ رہے ہو۔“

”میری آنکھیں کمزور نہیں ہیں۔ میں پڑھ بھی رہا ہوں۔ پروفیسر لی۔ سی چودہ
حمد نے کہا اور پھر یک اچھل کر بولا۔ ”یہ اسی کی کوئی تو نہیں جو اسی آپ سے ملے گئی
”تم ٹھیک سمجھے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”تو گویا کہ واقعی شامت آگئی۔“

”کیوں؟ تم تو ابھی اس سے ملنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھے۔“

”لیکن اب ان حالات میں نہیں ملتا چاہتا۔“

”کن حالات میں؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”آپ اس کے گھر میں ہونے والے ہنگامے اور اس ہاتھی میں کوئی تعلق پیدا کرنے کی
وشن کر رہے ہیں۔“

”تو کیا میں غلطی کر رہا ہوں۔“

”نہیں..... غلطی تو مجھ سے ہوئی کہ اس وباں جان کوٹھوک سے ادھر ادھر کر دینے کی بجائے
پس ساتھ لے لیتا گیا۔“

”کیا بکتے ہو۔ آزاد اندر چلیں۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر کیڈی کی طرف لے آیا۔

انہیں دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ وزینگ کارڈ ملے ہی سمز چودھری خود ہی باہر نکل
یں۔ اس کے چہرے پر سرست کی لہریں تھیں۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اسے ان کی غیر متوقع
وچیز تھی ہے اور خوشی بھی۔

”آئیے..... آئیے..... بہت بہت شکریہ۔“

وہ انہیں ایک وسیع ہال میں لے آئی۔ فریدی کی نظریں زینے کی طرف اٹھ گئیں جو اوپری
تل کی طرف گلری سے ملچھ تھا۔

”میں کبھی تھی شاید آپ نے مجھے ٹال دیا۔“ سمز چودھری بولی۔

”آپ غلط کبھی تھیں۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”کیا آپ پچھلی رات کو اسی کمرے میں تھیں؟“

”تھی ہاں.....!“ سمز چودھری پتھیر ہو کر بولی۔ ”آپ کو کیسے معلوم ہوا۔ یہاں کئی کمرے
نہ۔ آپ نے خصوصیت سے اسی کے متعلق کیوں پوچھا؟“

”کوئی خاص بات نہیں..... یہ میرا قیاس تھا۔“
”قیاس کی بھی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔“

”بھی یونہی۔“ فریدی نے کہا اور پورے ہال کو بچس نظروں سے دیکھنے لگا۔
”آپ کی تحریف.....؟“ سمز چودھری نے حمید کی طرف اشارہ کیا جو دیا سلاسلی کاشکا چبا

رہا تھا۔

”میرے ساتھی سرجنٹ حمید۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”انہیں اس لئے ساتھ لایا ہوں کہ بھوتوں کے اسی شہنشہ میں۔“

”اوہ..... بڑی خوشی ہوئی۔“ مزچودھری نے مصالحت کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن حمید انداز میں سرد ہری تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ فریدی سوچ رہا تھا کہ اس وقت حمید کوئی بوكھلاہٹ کیوں نہیں سرزد ہوئی۔

”تو آپ لوگ لئے میرے ہی ساتھ کھائیں گے۔“ مزچودھری نے کہا۔

”اُسکی ضرورت نہیں“ فریدی بولا۔ ”بھر کجھی! ہم لوگ فی الحال بہت زیادہ معروف ہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔“ مزچودھری نے کہا۔

”آپ کی مرضی.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

”میں ابھی حاضر ہوئی۔“ مزچودھری نے کہا اور ہال سے چل گئی۔

”یہ کیا حرکت..... میں تو نال رہا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”میں بھوتوں کا اسی شہنشہ ہوں نا۔“ حمید نے دیدے پھرا کر کہا۔ ”اور آپ اسی کے تحت مجھے یہاں لائے ہیں لہذا میں نے جو کچھ مناسب سمجھا کیا۔“

”چند ہیں آپ اچھے خاصے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”اگر آپ میرا چند پن بھی ملاحظہ فرمانے کے موڑ میں ہوں تو اب کی بحثیت؟ متعارف کراؤ بھجنے۔“

”بکومت.....!“

”نہیں بکوں گا..... لیکن یہ بتائیے کہ آپ نے خصوصیت سے اسی کمرے کے متعلق بناء پر کہا تھا۔“

”تم واقعی چند ہو۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”انتا نہیں دیکھ سکتے۔“ صرف اسی کمرے کے دروازے کی چیختی اس طرف ہے۔ دوسرے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ انہیں شاذ و نادر ہی کھولا جاتا ہوگا۔ اس دروازے کا پردہ سر کا ہوا ہے جس کا مطلب

”کہ دروازہ باقاعدہ استعمال ہوتا ہے۔“

”میں اتنی ذرا ذرا سی باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔“ حمید منہ بگاڑ کر بولا۔

”اُسی لئے ہر موقع پر چند ہو جاتے ہو۔“

”چند کے ساتھ سملہ ضرور استعمال کیا کیجھ۔ ہاں الوکے لئے اس کی قید نہیں کیونکہ وہ عموماً

کسی کا ماتحت نہیں ہوا کرتا۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مزچودھری واپس آگئی۔

”چودھری صاحب کی لیبارٹری تو بڑی شاندار ہوگی۔“ فریدی دھنٹا اُسکی طرف مڑ کر بولا۔

”میں ہاں..... کیا آپ دیکھیں گے؟“

”میں پوری کوئی دیکھنا چاہتا ہوں۔“

نچلے کروں کو دیکھتے ہوئے وہ بالائی منزل پر آئے۔ یہیں پروفیسر چودھری کی شاندار

بانیارٹری بھی تھی جہاں چاروں طرف بڑی بڑی میزوں پر شستے کے آلات رکھے ہوئے تھے۔ دو

یک مختلف انواع میزین بھی نظر آئیں۔ ان میں چھ بارس پاور کا ایک انجم بھی تھا۔

”میرے خیال سے پروفیسر کے نائب ہونے کے بعد سے یہاں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہوگی۔“

”نہیں! لیکن اکثر میں ان آلات کی صفائی اور دیکھ بھال کرنی رہتی ہوں۔“

”مچھلی بار آپ نے ان کی صفائی کب کی تھی؟“

”شاید ایک ہفت قبل.....!“

”اس کے بعد سے انہیں کسی نے نہیں چھوا.....!“

”نہیں۔“

”یا آپ کیسے کہہ سکتی ہیں۔ ممکن ہے نوکروں میں سے کسی نے چھوا ہو۔“

”نیچے اس کی تو قع نہیں۔“ مزچودھری بولی۔

فریدی جیب سے محدب شیشہ نکال کر آلات کا معائنہ کرنے لگا۔ دھنٹا وہ تحوزی دیر بعد مڑا۔

”قریب آئیے۔“ فریدی نے مزچودھری سے کہا۔

پھر وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محدب شستے کی مدد سے اس کی لٹکیاں دیکھنے لگا۔

افزنا آجائیں۔ ”فریدی نے کہا۔
”میں ہاں.....!“

”بہتر ہے..... آپ کو تکلیف تو ہوگی۔“

خودی دیر بعد وہ ہاں میں بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران میں حید نے اپار مزر چودھری کو بے تحاشہ ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”پوفسر درانی کے متعلق آپ کیا جانتی ہیں؟“ فریدی نے اچانک پوچھا۔
”میں کیا بتائیں ہوں جب کہ میں نے آج تک اسے دیکھا ہی نہیں۔“

”پوفسر چودھری سے اس کے متعلق کچھ سنتا تو ہو گا۔“
”سننے کو تو بہت کچھ سناء ہے۔“

”آخرو ڈپلک کے سامنے کیوں نہیں آتا۔“

”شاید اپنی بد صورتی کی بنا پر۔ وہ بہت ہی بے ذوق آدمی ہے۔ چودھری صاحب کا کہنا کہ اسے دیکھ کر اپنی بھی روک ہی نہیں سکتا۔ اکثر یونیورسٹی کے طلباء اس سے درس لیتے ہیں، ناہیں نے بھی اسے نہیں دیکھا۔“

”بھلا وہ کیسے؟“ حید نے ہمدرتن اشتیاق بن کر پوچھا۔
”اس کی لیبارٹری میں لاڈ ایسٹریکٹ فٹ ہے۔ طلباء ہاں بیٹھتے ہیں اور وہ اپنے کمرے سے سارے دنیا ہے۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی سوال کرنا ہو تو اس کیلئے ٹیلی فون استعمال کیا جاتا ہے۔“
”لیکن کبھی تو وہ باہر نکلتا ہی ہو گا۔“ حید نے کہا۔

”ہاں! چودھری صاحب سے بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ ادھر دس بارہ سال سے گوششین یا ہے۔ اس سے پہلے وہ اتنا بے ہنگام نہیں تھا۔ جوانی کے زمانے میں وہ خاص اسٹول آدمی تھا۔“
”وہ تمہارا ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”نہیں اس کی ایک لوکی بھی ہے۔ اسے میں نے دیکھا ہے، یہی بھولی ہے۔ لیکن اس لیکم کے گھٹے گھٹے سے ماحول نے اسے بھی نیم خطی بنا دیا ہے۔ ایک بار وہ چودھری صاحب لہرا دیا ہاں آئی تھی۔“

مزر چودھری کا ہاتھ کانپ رہا تھا اور چہرہ ایسا ہو گیا تھا جیسے کسی نے سرخ رنگ کی پچکاری مار دی۔ حید اپنے خلک ہونتوں پر زبان پھیرنے لگا۔ البتہ فریدی کا چہرہ کسی پر سکون جھیل کی راڑ طرح پاٹ تھا۔

”ذرا اپنے تینوں توکروں کو بھی بلایے۔“ فریدی نے اس کے دلوں ہاتھوں کی انگریزی لینے کی بعد کہا۔

مزر چودھری کھڑکیوں کی طرف بڑھی۔

”مہم ہے۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بچھل رات آپ نے مزر چودھری کو کھڑکی میں دیکھا تھا.....؟“

مزر چودھری نے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

فریدی اس کی چوکھت کو غور سے دیکھ رہا تھا اور مزر چودھری اسے گھوڑہ تھی۔

”تو کروں کو بلا لیجئے۔“ اس نے سزاٹھا کر کہا اور پھر اس کی نظر میں محب شستے پر جم گیم مزر چودھری نے کسی توکر کو آواز دے کر سمجھوں کو اوپر لانے کو کہا۔

فریدی نے توکروں کے ہاتھ بھی دیکھے اور انہیں رخصت بھی کر دیا۔ اس کی پیٹا سلوٹیں ابھر آئی تھیں اور آنکھیں کسی گہری سریع کا پتہ دے رہی تھیں۔

”آپ کو یقین ہے کہ انہیں کسی نہیں چھوا۔“

”مجھے یقین ہے..... لیکن مہم ہے۔ میں صرف اپنی اور توکروں کی ذمہ داری لے سکتی ہوں۔“
”فون تو ہو گا ہی آپ کے یہاں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میں ہاں!“

”حید.....!“ فریدی حید کی طرف مڑ کر بولا۔ ”فکر پرست کے فوٹو گرافر کو یہاں آ کر لئے فون کر دو۔“

جید مزر چودھری کے ساتھ نیچے چلا گیا۔ فریدی کھڑکی سے پائیں باغ میں جھاںک رہا۔
خودی دیر بعد وہ دلوں والیں آگئے۔ مزر چودھری کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔
”کیا اوپری منزل اس وقت تک کے لئے مقفل کی جا سکتی ہے جب تک کہ ہمارے

کے دن میں نے اسے خرید لیا تھا۔ لیکن وہ آخوند گلری میں لگی رہی۔ بعد کو پتہ چلا کہ اول
ماہ تصوری کو ملا تھا۔“

”اس میں کیا بات پسند آئی تھی آپ کو.....؟“

”رُگوں کا امتحان! جو چہرہ آپ نے پینٹ کیا تھا اس کی پس منظر کے لئے اوس شام کا
ب اور اس ادا کے انہار کے لئے مناسب رُگوں کا استعمال اور وہ چہرہ صحیح معنوں میں
لکھنے کا حامل تھا۔“

”فریدی صاحب! آپ کے اندر کس کہنہ مشق مصور کی روح موجود ہے۔“ مزرا چودھری
ترنیق نظرؤں سے دیکھتی ہوئی بولی۔ ”وہ دراصل پروفیسر درانی کی لڑکی عاصمہ کا چہرہ تھا۔ اس
لئے میں نے اسی کو مڈل بنایا تھا۔“

لئے فتح کرنے کے بعد وہ پھر ہال میں آمدیٹھے۔

توڑی دیر بعد فلنگر پرنٹ سائنس کے فوٹو گرافر بھی آگئے اور لیبارٹری میں تصویریں لینے کا
اڑا ہو گیا۔ مختلف قسم کے آلات کی تصویریں لی گئیں۔ اس کھڑکی کی چوکھت کی تصویر بھی لی
اُسی میں پچھلی رات کو پروفیسر چودھری کا بھوت دکھائی دیا تھا۔

مزرا چودھری ان ساری مشغولیات کو محبت کی نظرؤں سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ کچھ بولی نہیں۔
ٹپٹے وقت فریدی نے اس سے کہا۔ ”اب آپ کو تو ای میں روپورٹ کر دیجئے کہ کچھ نامعلوم
کافی رات کے آپ کی کوئی میں گھس کر آپ کے آرام میں مغل ہوتے ہیں اور وہ کوششوں
باوجو بھی ابھی نک نہ تو پہچانے جاسکے ہیں اور نہ پکڑے جاسکے ہیں..... اور ان کی اس
اگل کا متصدر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔“

”فون گرافر جا پکھ تھے۔

لیکن میں فریدی چاہنک کے قریب پوپی کرسٹ کی کیاری میں جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔

ہماری نئی نئی نئی پودوں میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے لمحے میں وہ ایک لمبی سی چھڑی کو
نیالا انداز میں دیکھ رہا تھا۔ جس پر پالش نہیں تھی لیکن اس کی سطح پر ہی نفاست کے ساتھ ہمار
اگلی..... پاکل سیاٹ اور چکنی..... پاٹش نہ ہونے کے باوجود بھی اس میں چک تھی۔“

یہ باشکن ہو رہی تھیں کچھ کیلئے گاگ، بجا اور وہ تینوں ڈرائیکٹ روم کی طرف چلے
لئے کے دوران میں فریدی نے مزرا چودھری سے پوچھا۔

”پوچھری صاحب غائب ہونے سے کچھ دن قبل کی غیر ملکی سے ملے تھے؟“

”مجھے یاد نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان سے ملنے کے لئے جتنے بھی لوگ آتے
عموماً خنک طبیعتوں کے ہوا کرتے تھے اس لئے میں ان کا نوٹس ہی نہیں لیتی تھی اور
چودھری صاحب نے مجھے اس پر مجبور کیا۔“

”ویسے تو چودھری صاحب بھی خنک آدمی رہے ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔

”قطعی نہیں..... گھر یلو زندگی میں وہ قطعی خنک نہیں تھی۔“

”عجیب بات ہے۔“ حمید بولا۔

”ہم دونوں قطعی متضاد طبیعتوں کے مالک تھے۔“ مزرا چودھری غمگین آواز میں!

”انہیں سائنس سے پیار تھا اور مجھے آرٹ سے لیکن ہم دونوں کے یہ مختلف رجحانات
بانے کے حاصل نہیں بنے۔ میں ان کی لیبارٹری سے اٹھنے والی بدبوؤں پر جھلایا کرتی تھی
انہوں نے میری بنائی ہوئی تصاویر کو ہمیشہ قدر اور پسندیدگی کی نظرؤں سے دیکھا ہے۔
میری تصاویر کے مڈل بھی بننے پڑے۔ وہ مجھ سے آرٹ پر اسی انداز سے بحث کرتے تھے؟
خود بھی ایک اچھے آرٹسٹ اور میرے ہم ذوق ہوں۔“

”آپ مصور بھی ہیں۔“ حمید اسے ترقی نظرؤں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”کیوں نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تمہارے یہاں بھی تو تارا چودھری کا ایک
موجود ہے۔ وہ دشیں کی تصویر۔“

”اوہ..... تارا چودھری آپ ہی ہیں۔“ حمید تھیر ہو کر بولا۔

لیکن فریدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اس کی یہ حرمت قطعی مصنوعی تھی۔ اسے بھلا اسی
غرض ہو سکتی تھی کہ اس عورت کا سو شل ایشیں کیا ہے۔ وہ تو ہر عورت کو صرف عورت سمجھتا تھا۔ اور ان
”تو وہ تصویر آپ نے خریدی تھی۔“ مزرا چودھری نے مسکرا کر فریدی سے پوچھا۔

”بھی ہاں..... پوری گلری میں مجھے صرف وہی تصویر پسند آئی تھی اور نمائش کے اہم

فریدی ممزوج دھری کی طرف مڑا۔

"کیا میں اسے لے سکتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"شوک سے۔" ممزوج دھری نے قہقہہ لگایا۔

لیکن فریدی کی بندی دیکھ کر فروز آئی سنبل جگی۔

فریدی کی کیڈی لائل جا چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک چھانک کے قریب کھڑی پکھ سوچا۔

حید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

"خیریت.....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"مزہ آ رہا ہے۔" حید نے کہا اور سیٹی بجانے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "پروفیسر درانی
کے کبل رہے ہیں؟"

"ضوری نہیں کہ اس سے ملاہی جائے۔"

"آپ ملے یا نہ ملے..... میں تو ملوں گا۔" حید نے کہا۔
"کیوں.....؟"

"میں وہیں کی اس تصویر کو گوشت و پوست میں دیکھنا چاہتا ہوں۔"
"یار تم آدمی ہو یا آدم خور۔"

"فی الحال میں بہت شدت سے یور ہوں۔" حید ڈرامائی انداز میں بولا۔ "جب سے میں
نے یہ سنا ہے کہ وہیں کا مودل وہی تھی۔ کیا نام بتایا تھا اس نے عامرہ..... نام بھی بڑا
نوٹاک ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں برسوں سے یہ نام ستا آیا ہوں۔ میں نے کئی بار
چاہا ہے کہ میں وہیں کی اس تصویر کو چوم لوں مگر وہ کافی اونچائی پر گلی ہوئی ہے۔ ایک بار سیری ہی
اڑھاتا کرتے بھوکنے لگے۔"

"بکونہیں۔" فریدی بیزاری سے بولا۔

"تو پھر کیا کروں؟"

فریدی اسے گھومنے لگا۔

"سامنے..... دیکھنے سامنے۔ کہیں جہنم میں نہ پہنچا دیجئے گا۔"

واقعی سڑک پر ٹریک بہت زیادہ تھا۔ ذرا سی غلطی نہیں دوسرا دنیا میں پہنچا سکتی تھی۔

فریدی کی اپنا نچلا ہونٹ داتوں میں دبائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

گارسال

"اب آفس میں چل کر سر کھپائیے۔" حید منہ بگاڑ کر بڑا لایا۔

"نہیں فی الحال آفس نہیں جائیں گے۔" فریدی نے کہا۔

"آخر یوٹی پھوٹی چھڑی..... شرم نہیں آتی۔"

"گھر چل کر بتاؤں گا کہ شرم کیوں نہیں آتی۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"اوہ..... تو آپ کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹرانسیسٹر۔"

"چل آر دیکھیں گے۔" فریدی نے لاپرواپی شے کہا۔ "لکڑی کی ساخت تو یہی ہے
اور اس کا سرا بھی ٹوٹا ہوا ہے۔"

حید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"آلات پر آپ نے جو نشانات دیکھتے تھے.....؟"

"وہ ممزوج دھری اور اس کے توکروں کی انگلیوں کے نہیں تھے۔"

"تو پھر اس بھوت کے ہو سکتے ہیں..... آخر اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"فی الحال کچھ بھی نہیں..... لیکن اس کی یہ حرکت حیرت انگیز ضرور ہے۔ چھ ماہ قبل

مگر پیچ کر مہمان خانے کی طرف چلا گیا۔ کیونکہ اسی حصے کے ایک کمرے میں چودھری کی بھائی نوئی تصویر آؤی زیاد تھی۔ وہ بڑی دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ تصویر یا اس لارڈ کوئی لپچی رہی ہو یا نہ رہی، ہو لیکن وہ اس وقت فریدی کو تاؤ دلانے کے لئے ایسا کر رہا تھا۔ نے سوچا تھا کہ وہ اس ماہ میں ایک یا دو ہفتے کی چھٹی لے کر کہیں باہر چلا جائے گا۔ یا ٹرانسیور والا معاملہ ٹیچ میں آ کودا۔ لہذا ایسی صورت میں اس کی گلوخلاصی ناممکن تھی۔

تحوڑی دیر بعد ایک بوکر اسے تلاش کرتا ہوا وہاں آپنچا۔

فریدی اپنے سونے کے کمرے میں اسکا انتظار کر رہا تھا۔

”تم کہاں پلے گئے تھے؟“ فریدی نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

”آپ کے پاندان کے لئے ڈیلیاں کتر رہا تھا۔“ حمید نے ناک پر انگلی رکھی اور اس بولا۔ لیکن اس کے انداز میں جھلاہٹ تھی۔

”اوٹر.....!“ فریدی نے اٹھ کر اسکا گریبان پکڑا۔ ”ہزار بار منع کیا کہ زخوں کی طرح۔“

”صحبت کا اثر.....!“ حمید جلدی سے بولا۔

”گٹ آؤٹ.....!“ فریدی چینا۔

”مشکریہ.....!“ حمید بھی اسی انداز میں چیخ کر باہر چلا گیا۔ اس کے سونے کا کمرہ نہ کے سلپیگ روم سے ملتی تھا۔ وہ بھی اپنے پلٹک پر بیٹھ کر جوتے کے بند کھولنے لگا۔ حمید جاتا کہ آج رات اسے جاگنا بھی پڑے گا اور سردی بھی کھانی پڑے گی۔ بھلا فریدی اس بھوت درشن کے بغیر کیسے رہ سکتا تھا۔ بھی وجہ تھی کہ وہ آج خلاف معمول اس وقت اپنے سونے کرے میں نظر آ رہا تھا۔ حمید کو اس ٹرانسیور کے متعلق معلومات بھیں پہنچانے کی خواہش فرمیں۔ لیکن وہ نہ جانے کیوں اس وقت فریدی کو بخ کرنے پر تلا ہوا تھا۔ وہ جانتا چاہتا تھا کہ اس پر کا کیا ہوا۔ ٹرانسیور اس پر فٹ ہوا نہیں۔

اس نے غیر ارادی طور پر اٹھ کر ریڑی یوکھوں دیا۔ بی بی سی سے مغربی موسيقی برادکا ہو رہی تھی۔ دفتا اسے شرات سوجھی اور اس نے اچھل اچھل کر انگریزی میں گانا شروع کر دیا۔ موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا۔

ہوا..... ای..... او..... ای

اوپارا البتہ لوگ تم اڑ جا رہا ہے

ہم کو بھی سُنگ لے جائے گا کر نہیں

بنلے آ ساں میں اوپر چڑیا لوگ بھی اڑتا ہے

مگر ہم سالا الوکا بچھا..... او و بلا ہے

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا.....

ہوا..... ای..... او..... ای

ای..... او..... ای

نئی اپنے بچے کو دودھ پلا رہا ہے

اوٹی افسے دے رہا ہے

پیاری اور پیار اشاہ بلوط کے درخت پر چونچ ملارہ ہے

گھاس لگرتے کوچوتا ہے

ہم سالا بالکل اکیلا ہے

بیوی بچے کو ترس جائے گا

موت بھی سالی نہیں آنا مانگتا

ہوا..... او..... ای..... او

فریدی دروازے میں کھڑا بے بی سے بنس رہا تھا۔

”آخڑم چاہتے کیا ہو.....؟“

”اک بخت کی چھٹی..... ای..... او..... ای“

”شـاـپ.....!“

”اـی..... او..... اـی.....“

فریدی نے آگے بڑھ کر اس کا منہ دبادیا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حمید کو اس پر تھکل کا نہیں آیا۔ وہ اس کی گرفت سے نکل کر پھر ہلا جانے لگا۔ نہ جانے کیا کیا بک رہا تھا۔

فریدی اسے سخیگی سے گھوڑا رہا۔ پھر ہفت پچھا کر بولا۔ "تمہیں چھٹی مل جائے اور کمرے سے چلا گیا۔

حید تھوڑی دیر تک کھڑا مکرا اتا رہا۔ شاید اب اسے نئی شرارت سو جھی تھی۔ وہ جم چاپ اپنے کمرے سے نکل کر فریدی کے کمرے میں چلا گیا۔

فریدی لیٹنے ہی جارہا تھا کہ حید نے اس کے سرہانے کی گول میز پر سے پیش کا ہاتھ اور دیوار سے نکلی ہوئی چھڑی کے سرے پر اسے فٹ کرنے لگا۔

فریدی کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ ہاتھی کے پیٹ میں پھنسنے ہوئے لکڑی کے کلو ایک ایک ریشہ چھڑی کے نامہوار سرے پر ٹھیک بیٹھا۔

حید نے پر خیال انداز میں سرہا یا۔ وہ دراصل فریدی کی نقل کر رہا تھا۔ اس کے بعد، کے خصوص انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"یہ باوا آدم کا عصائے پیری ہے۔" حید نے فریدی کے لجھ کی نقل اتاری۔ تھوڑا خاموش رہا پھر بولا۔ "ہائل اور قاتل کی جگ کے بعد اس پر بائیل نے تغیر کر لیا تھا۔"

فریدی بے ساختہ بہس پڑا۔

حید نے ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور آگے کی طرف بھکتے ہوئے دانت پر دانت جما کر لگا۔ "جب آپ ہنتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے دور کسی دیرانے کے ایک چھوٹے سے میں چاندی کی گنڈیاں نکل رہی ہوں۔ جیسے کہکشاں کی ساری لڑیاں پھن چھن کرتی ایک" سے نکراتی سنگ مرمر کے فرش پر آگری ہوں۔"

"جیسے تمہاری عقل.....!" فریدی نے کہا۔ "کسی دیرانے میں گھاس چڑھی ہو.....نا پہنچنا بھی کھلنے لگتا ہے۔"

"تو جناب والا میں آپ کی طرح خس تو نہیں ہو سکتا۔ خدا نے اچھا کیا کہ آپ کو عورت کرم زاد غائب کے زمانے میں نہیں پیدا کیا ورنہ وہ پیش آبا کو شاعری پر ترجیح دیئے اور آج مجھے اس جیرانی کا موقع نصیب نہ ہوتا کہ دل کو روؤں کی پیٹوں جگر کو میں۔"

"بک پکھے.....؟"

"میں ہاں!"

"جو جا کر سور ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری زندگی کی آخری نیند ہو۔"

زیدی نے کہا اس کا لہجہ بتارہا تھا کہ اس نے یہ بات مذاق میں نہیں کی۔ حید بھی یہ کہا۔ "جید، ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"جاوہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمہاری آخری قبیلہ رہے ہے ہوں۔" فریدی نے پھر کہا۔ "آخر بات کیا ہے؟" حید آہستہ سے بولا۔

" مقابلہ ایسے آدمی سے ہے کہ میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھ سکتا۔"

"لعن.....!"

زیدی نے وہ چھڑی حید کے ہاتھ سے لے لیا اس کے نیچے لگی ہوئی نوہے کی سلاخ کو اپنا پھر چھڑی کا اور پری حصہ کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

اپنا پھر چھڑی کا اور پری حصہ کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

"پھر.....!" وہ آہستہ سے بولا۔

چھڑی کے اور پری حصہ کی سطح پر مستطیل کی تھوڑی سی خلاء پیدا ہو گئی تھی۔

"گارس.....!" حید جھک کر بڑا ہوا۔ پھر سیدھا ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نام سنانے کے بھی۔"

"سنا تو ہے لیکن.....!"

"اں کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔" فریدی بولا۔ "یہ دنیا کا خوفناک ترین آدمی ہے۔" پچھلے

سمیں جزا اڑاٹھمان میں جاپانیوں کا داخلہ اسی کے دم سے ہوا تھا۔ چین کے بعض اہم مقامات

اک بدولت نکل گئے تھے۔ بعد کو اس نے جاپانیوں کو بھی جپ کا دیا اور اتحادیوں سے جاملا۔ پھر

ایک بھی ایک زیر دست چوت دے کر روپوٹھ ہو گیا تھا۔ بہر حال آج ساری دنیا کی حکومتیں

بات پر تنقیب میں کردہ جہاں دکھائی دے اسے گولی مار دی جائے۔"

حید ایک کری پر بیٹھ گیا۔

"کیا فرانس کا باشندہ ہے؟" حید نے پوچھا۔

"نہیں.....!"

”لیکن نام تو فرانسیسوں ہی جیسا ہے۔“

”تم اسے فرق اٹھو چائیز کہہ سکتے ہو۔ اس کا باپ اٹھو چائیز تھا اور ماں فرانسیسیں آئیں۔ خیر مجھے اسی کی توقع تھی۔ اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے۔ اور میں بھی بیدائش اٹھو چائیز میں ہوئی تھی۔“

”اور موت شاید ہمارے یہاں ہوگی۔“ حمید بولا۔

”ایسا نہ کہو۔ یہ وہ شخص ہے جس کی دشمن ساری دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اب آسمان پر رہا ہو گا اور نہ تھنکت اس کے متعلق جانتا چاہتا ہوں۔ بہر حال تم اس سے برق

”لیکن آج تک کوئی اس کا کچھ نہیں بلکہ سکا۔“

”یہی تو دیکھنا ہے۔“ فریدی نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ حمید کو اس کی قلمدری میں بہت سر اسیگی بھی نظر آ رہی تھی۔

”لیکن میں اسے اس لئے ڈھیل نہیں دے سکتا۔“ فریدی خود بخود بڑا بڑا یا ”کرا چودھری کی کوئی تعلق معلوم کروں۔ اگر وہ نظر آ گیا تو۔۔۔“

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا پھر بولا۔

”مسز چودھری نے کچھلی رات کو دھینگا مشتی کی آوازیں بھی سنی تھیں۔ اگر وہ وہاں تو انتہائی سر اسیگی کی حالت میں وہاں سے بھاگا ہے۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”اس کا ثبوت وہاں اس ٹرانسیور کی موجودگی ہے۔ وہ اتنا بدوس تھا کہ ایسی چیز چھوڑ گیا جس سے اس کی خصیت پر روشنی پڑ سکتی تھی۔“

”ممکن ہے۔۔۔ چودھری کا بھوت۔۔۔!“ حمید بولا۔

”لیکن چودھری کا بھوت کیا بala ہے؟“

فریدی نے فون کا رسیور اٹھایا۔

”ہیلو۔۔۔ آفس آف دی نیواشار۔۔۔ ذرا انور صاحب کو فون پر بلا دیجئے۔“ وہ تھوڑا تک خاموش رہا پھر بولا۔

”ہیلو انور!۔۔۔ میں بول رہا ہوں۔۔۔ فریدی۔۔۔ ہاں۔۔۔ حمید بالکل ٹھیک ہے؟“

اب کام ہے۔۔۔ تم کبھی پروفیسر درانی سے ملتے ہو؟۔۔۔ وہی ماہر علم الاجسام۔۔۔ جو پہلک میں نہیں آئی۔۔۔ خیر مجھے اسی کی توقع تھی۔۔۔ اسے بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے۔۔۔ اور میں بھی بیدائش اٹھو چائیز میں ہوئی تھی۔۔۔

”ہمیں میں فون ہی پر نہ تھاں دے۔۔۔ عموماً پرنس پورٹوں کے ساتھ یہی برداشت کرتا ہے۔۔۔

”ارجمنے کی کوشاں کرتا۔۔۔ میں اس کے متعلق جانتا چاہتا ہوں۔۔۔ بہر حال تم اس سے برق

آسمان پر رہا ہو گا اور نہ تھنکت اس کے متعلق جانتا چاہتا ہوں۔۔۔ اچھا چلو موضوع بھی بتائے دیتا

ہیں۔۔۔ ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا

۔۔۔ ساخت کے اعتبار سے وہ ایک ہاتھی سے بھی بڑے نکاروں کا ڈھانچہ معلوم ہوتا

ہے۔۔۔ تم اسی کے متعلق اس کی رائے لے سکتے ہو۔۔۔ بہر حال کوشاں کرو۔۔۔ اگر کامیابی ہو گی

۔۔۔ ابھی حال ہی میں برازیل کی پہاڑیوں میں کسی قدیم جانور کی ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا

۔۔۔ ردار کے متعلق بہت کچھ بتا سکو گے۔۔۔ اچھا۔۔۔

فریدی نے رسیور کھدیا۔

”کیوں کیا یہ کام میں نہیں کر سکتا تھا۔۔۔؟“ حمید منہ سکوڑ کر بولا۔

”تمہارے میں کا نہیں۔۔۔“

”میں دکھادوں گا۔۔۔“

”لیں بس میری مرضی کے بغیر کسی کام میں ناگز اڑانے کی کوشاں نہ کرنا۔۔۔ ورنہ متوجہ کے تم

”بڑے دار ہو گے۔۔۔“

”اپ مچھ پر انور کو ترجیح دیتے ہیں۔۔۔“

”اپاں کہہ دیا ایک بار کہ یہ کام تم نہ کر سکو گے۔۔۔ تم رپورٹوں کے ٹیکٹ سے واقف نہیں۔۔۔“

”خوب ہو گا، مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔“

”وہ جیسیں بہت کچھ کرنا ہے۔۔۔ فی الحال جا کر سو جاؤ۔۔۔“

”زمرہ دستی سو جاؤ۔۔۔؟“

”کیا تم کل تین بجے تک جا گئے نہیں رہے؟“

”یہاں نو!۔۔۔ میں بول رہا ہوں۔۔۔ فریدی۔۔۔ ہاں۔۔۔ حمید بالکل ٹھیک ہے؟“

"یقیناً جاگتا رہا تھا مگر یہ ضروری نہیں کہ اس وقت نیند آتی جائے۔"

تھے بھروسے۔

"بلاؤ اسے۔" فریدی تنخ بچے میں بولا۔ "ورنة اگر آج رات تم نے نیند کا نام لیا

"آپ کے ساتھ کبھی خیریت رہ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ بھی موئٹ ہے۔"

"پھر آگئے اسی موئٹ مذکور پر۔ یار میں تیر اسر کہاں دے ماروں۔"

"کسی زم و لطیف سینے پر۔"

"دور ہو جاؤ۔" فریدی نے اس کی گردن میں ہاتھ دے کر اسے کمرے سے باہرڑا

ہمید اپنے کمرے میں چلا آیا۔ حقیقتاً اسے نیند پر پیشان کئے ہوئے تھی۔ سر میں ہا

بھی ہونے لگا تھا۔ لیکن کل رات سے اب تک اتنے تحریر اگلیز و افات پیش آئے تھے کہ

ذہن کی یکسوئی ہی رخصت ہو گئی تھی۔ لہذا اسی حالت میں سوجانا کافی مشکل تھا۔

کسی نہ کسی طرح اسے نیند آتی گئی۔

آہنی گرفت

کرامم روپرڑا اور سگریٹ کا ایک طویل کش لے کر گلرمنڈ انداز میں رشیدہ کی ط

جس کی انگلیاں برق رفتاری کے ساتھ ناٹپ رائز کے بورڈ پر دوڑ رہی تھیں۔

رشیدہ اور وہ دونوں ابھی تک نوساٹار ہی کے دفتر میں کام کر رہے تھے۔ عصہ

کے رازک سے پر دہ اٹھ چکا تھا اور وہ دونوں اب بھی بہترین دوستوں کی طرح ایک ساہ

تھے۔ کئی بار ان کی بعض ہمدردوں نے انہیں شادی کا مشورہ دیا اور رشیدہ راضی ہی ہو گئی۔

مان انکار کر دیا۔ ان دونوں میں اکثر اب بھی نہ صرف لڑائی جھگڑے بلکہ دھول دھپے کی نیت آجائی تھی۔ مگر یہ چیز دوستائے شکر رنجی سے آگے نہ بڑھتی۔
"کچھ سوچا تم نے؟" اور اسے گھوڑ کر بولا۔

"ہاں.....!" رشیدہ نے سر ہلا دیا۔

"کیا.....؟"

"بھی کہ اس بار پھر قرض لے کر کام چلانا پڑے گا۔"

"میں پروفسر درانی کے متعلق پوچھ رہا ہوں۔" اور جھلا کر بولا۔

"اوہ.....!" رشیدہ مخصوصیت سے یوں "اس کے متعلق میں نے یہ سوچا ہے کہ وہ واقعی ماہرا نہندان ہے۔"

"چنان تو نہ کھاؤ گی۔"

"میرا گھونسہ ہضم کر سکو گے۔"

"رشو میں کچھ بچپن مار دوں گا۔"

"میں تھماری گال کانوں تک پھاڑ دوں گی۔"

اور تھوڑی دیر تک اسے غصیل نظروں سے دیکھتا رہا پھر شہنشہ لگا۔

"چھانتا پ کرو۔" کچھ دیر بعد پھر وہ رشیدہ کی طرف مڑا۔

"کر تو رہی ہوں۔"

"یہ شیٹ نکال دو اور جو میں کہوں وہ تاپ کرو۔"

رشیدہ نے تاک بھوں سکوڑ کرو۔ شیٹ الگ کر دیا اور دوسرا شیٹ چڑھانے لگی۔

"ویر مسٹر انور.....!" وہ بولے لگا۔ "حالانکہ مجھے تھماری برادری اور تھمارے پیشے سے تنفس ہے اور میں نے آج تک کسی روپرڑ کو منہ نہیں لگایا لیکن میں تمہیں یہ شرف بخشی کے لیے اپنے بھروسے کی خیال آ رایاں نظر آ رہی ہیں اور میں کئی دنوں سے اپنے ملک کے جاہل لوگوں کی عکس پہنچا رہا ہوں۔ لہذا میں تمہیں یہ عزت بخشنا چاہتا ہوں کہ تھمارے اخبار کے لئے اس

”بے تو نہیں ہے۔ موت بھی اطلاع دیے بغیر ہی آتی ہے۔“

”مش.....!“

انور اپنی میز پر بیٹھ کر کام کرنے لگا۔ اس کی نظریں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

”میں بھی چلوں گی۔“ رشیدہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

”خوبی.....!“

”دیکھتی ہوں تم کس طرح روکتے ہو۔“

”اس طرح۔“ انور نے کہا اور انھ کر کرے کے دروازے بند کر دیے اس کرے میں صرف وہی دونوں بیٹھے تھے۔ پہلے انور بیٹھتا تھا اور رشیدہ کی میز کپوزیشنوں کے کمرے میں ہوا کرتی تھی لیکن بعد کو انور نے اسے بھی وہیں بلا لیا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ رشیدہ کی طرف آیا۔ اس کے دونوں کان مضبوطی سے پکڑ کر دو تین گھرے جھکوئے دیئے اور پھر تین چار مرتبہ تھپٹھپٹ جھاڑ کر الگ ہٹ گیا۔

رشیدہ نے شور نہیں چایا پہلے اسے گھوڑی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

”کہنے کتے۔ سور۔ وحشی۔ جنگل۔ یہ آفس ہے۔ جہنم میں جاؤ۔“

آنکھیں خنک کر کے وہ پھر تائپ کرنے لگی۔ انور نے دروازہ کھول دیا اور اپنی کرسی پر بیٹھ کر گھر ہٹ سکانے لگا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ رشیدہ نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ وہ بدستور سر جما کر تائپ کرتی رہی۔

گھڑی نے سازھے چار بجائے اور انور کرے سے نکل آیا۔ رشیدہ نے سراہا کر دیکھا جس نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کی موڑ سائیکل پروفیسر درانی کی کوئی کی طرف جا رہی تھی۔ موڑ را لائلک اس نے پوری کوئی میں پہنچ کر رکوکی اور دو منٹ تک انہن بند نہیں کیا۔ پوری کوئی شور سے کوئی رہی تھی۔

ایک دباؤ پکا اور کافی لمبا آدمی برآمدے میں کھڑا اسے گھوڑا تھا۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کی رنگ کا سوٹ پکن رکھا تھا اور گردن میں شوخ رنگوں والی تائی تھی۔ چہرہ سفید اور زندگی کے

کے متعلق اپنے خیالات کا انہمار کروں۔ میں آج پانچ بجے شام کوں سکتا ہوں۔“

انور خاموش ہو گیا اور رشیدہ سراہا کر تھیں آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”اس کا کیا مطلب.....؟“

”شیٹ نکال دو۔“ انور نے کہا۔ رشیدہ نے شیٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ انوار پڑھتا رہا۔ پھر اس نے اس کے پیچے فاؤنڈین پن سے پروفیسر درانی کے دھنخط کر دیے۔

”کیوں شامت آتی ہے۔“ رشیدہ سر ہلا کر بولی۔ ”میں نے سنا ہے کہ وہ بعض اوقات پائیں لکھ آتا ہے۔“

انور رشیدہ کی بات کا جواب دیے بغیر ٹھیلی فون کی طرف مڑا۔

”ہیلو.....!“ وہ رسیور اٹھا کر ماڈھپھیں میں بولا۔ ”پروفیسر صاحب..... نہیں۔ ڈائریکٹر نیکٹ..... پروفیسر صاحب..... میں انور بول رہا ہوں..... عزت الزانی..... شکریہ..... لیکن میں فون پر انڑو یونہیں لوں گا..... میں آپ کے سامنے بیٹھنا چاہتا ہوں۔“

اور پھر اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ رسیور رکھ دیا اور اپنا کان سہلانے لگا۔

”میں سمجھ گئی.....!“ رشیدہ نے قہقہہ لگایا۔ ”لیکن یہ نہ بھولو کر ابھی تمہارے سر کے زخم کناروں پر بھی کھڑے گئیں جی۔“

انور پھر کچھ نہ بولا۔

”تمہاری مرضی.....!“ رشیدہ پھر تائپ کرنے لگی۔ ”لیکن اگر تمہارے منہ کا ایک دانت کم ہوا تو میں تمہیں گھر میں نہ گھسنے دوں گی۔“

انور تھوڑی دریک اسے گھوڑا تھا پھر بولا۔

”تم اس کے متعلق کیا جانتی ہو؟“

”آج سے دو ماہ قبل اس نے ڈیلی میل کے روپرڑ کی چلنی بنا دی تھی۔“

”مجھے بھی معلوم ہے۔“ انور سگر ہٹ سکانا تھا ہوا بولا۔

”اور جو راستہ تم اختیار کر رہے ہو وہ تو اسے بھیڑا بنا دے گا۔“

”میں نے کبھی کوئی کام سوچ کبھ کرنہیں کیا۔“

ہم کہتے ہیں..... لیں سر۔

پھر وہ ماڈھ پیس کو ہاتھ سے بند کر کے انور کی طرف مڑا۔ ”کیا نام بتایا تھا آپ نے؟“
”انور سعید۔“

سیکریٹری ماڈھ پیس میں بولنے لگا۔

”لیں سر..... انور سعید صاحب..... اچھا صاحب نہیں..... صرف انور سعید..... لیں سر۔“
”مسٹر، آپ خود گفتگو کر لجئے۔“ اس نے رسیور انور کی طرف بڑھادیا۔
”یہلو.....!“ انور کو فون میں عجیب قسم کی غواہت سنائی دی۔

”کون ہوتا.....؟“

”انور سعید..... نیواشار کار پورٹ.....!“

”کیا ہے؟“ عجیب طرح کی آواز تھی۔

”آپ نے مجھے بلایا ہے۔“

”کوئاں ہے..... تمہارا داماغ خراب ہے۔“

”تو پھر آپ نے مجھے کیوں پریشان کیا۔“ انور اس زور سے چینا کہ کمرہ گونج اٹھا اور
ٹکڑا بے گھونٹنے لگا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک اطمینان بخش مسکراہت تھی۔
انور اسے سمجھیوں سے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے تمہیں نہیں بلایا۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”میرے پاس آپ کی تحریر موجود ہے۔“ انور جھلانے ہوئے انداز میں بولا۔ ”میرا وقت
تھی تھی ہے۔“

”اچھی بات ہے۔“ تھوڑے روقف کے بعد آواز آئی۔ ”سیکریٹری۔“

انور نے رسیور سیکریٹری کی طرف بڑھادیا۔

”لیں سر..... لیں سر..... ویری ول سر.....!“

”جا گئے۔“ وہ رسیور کھکھ کر انور کی طرف مڑا۔ ”راہداری کے آخری سرے پر داہتی طرف
جل جل۔“

صحت مند آثار سے قطعی محروم تھا۔ آنکھیں دھنڈلی اور عرق آلود تھیں۔

انور نے اسے دیکھ کر انہیں بند کر دیا اور اسٹینڈ گر اکر سیڑھیاں طے کرنے لگا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ آدمی اسے خواب تاک انداز میں گھوٹا ہوا بولا۔

”پروفیسر سے ملتا ہے۔“ انور لاپرواٹی سے بولا۔

”پروفیسر سے.....؟“ اس نے اس انداز میں دھر لیا جیسے انور ملک الموت سے نٹے کا تھنی۔

”خود انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

”انہوں نے! لیکن مجھے تو اس کی اطلاع نہیں۔“

”آپ ہیں کون؟“ انور نے اسے گھوٹ کر پوچھا۔

”ان کا سیکریٹری۔“

”لیکن انہوں نے مجھے بلایا ہے اور برادر راست مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

”برادر راست.....!“ وہ اس طرح بولا جیسے خواب میں بڑی بارہا ہو۔ اس کی نظریں ا
کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کیوں انور کے ذہن میں ایک کچھی چڑھا ہوا پر انداز
کلبانے لگا۔

”ہاں ہاں جتاب برادر راست.....!“

”ثبوت.....؟“

”اچھی کچھ دیر قبل میں نے فون پر ان سے بات کی تھی۔“

”خیر میں پوچھتا ہوں..... آئیے۔“

وہ دونوں ایک چھوٹے سے کرے میں داخل ہوئے۔ سیکریٹری نے ایک کری کی طرز
اشارہ کر کے ٹیلی فون کا رسیور اٹھایا۔

انور بیٹھ کر اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرہ برابر بھی سراسیگی کے آثار نہیں
تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پروفیسر نے کچھ اُسے مدعو کیا ہو۔

سیکریٹری ماڈھ پیس میں ہکلارہا تھا۔

”لیں سر..... ایک صاحب..... اوہ لیں سر..... آپ نے انہیں بلایا تھا..... لیں سر۔“

”آپ چل کر دکھا دیجئے۔“

”میں.....اوہ.....!“ وہ ہکلایا۔ ”مجھے فون پر اس قسم کی کوئی ہدایت نہیں ملی۔“

انور چند لمحے اسے گھوٹا رہا پھر اہمادی میں داخل ہو گیا۔ آخری سرے پر پنچھے سے ہی اسے اپنی پشت پر ایک سر میلی آواز سنائی دی۔

”مُهْبَرِيَّے۔“

انور چوک کرمڑا۔

اس سے پچھے فاستے پر ایک دلی پتی اور خوبصورت سی لڑکی کھڑی تھی۔ اس کی بڑی آنھیں کسی خوفزدہ ہرنی کی آنکھوں سے مشابہ تھیں۔ پھرے پر ایک غم آسودہ اصحاب طاری انور، دار العرواء، احمد، اسٹرن، نن کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

”آپ ڈیڈی سے ملنے آئے ہیں؟“

”جبی ہاں.....! غالباً آپ کا مطلب پروفیسر صاحب ہے۔“

لوکی سرلاکر بولی۔ ”آپ اس سے پہلے کبھی کبھی ان سے مل چکے ہیں؟“

”جی نہیں!“

لوکی کی آنکھوں سے خوف جھاکنے لگا۔

”خدا را ان سے کسی بات پر بحث نہ کیجئے گا۔“

”کیوں؟“ انور نے پوچھا۔

”کیا آپ نے ان کے متعلق کچھ نہیں سنایا۔؟“

”نہیں۔“

”آپ کے سر پر پٹی کیسی بندھی ہوئی ہے؟“ لوکی نے پوچھا۔

”چوٹ ہے۔“

”تب تو آپ خدارا واپس چلے جائے..... جائیے۔“

”میں ان سے مل کر ہی جاؤں گا۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“

لوکی تھوڑی دری کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”جائیے! لیکن جیسے ہی انہیں کسی بات کی

”آنہوں کی گول میز پر کھی ہوئی گھنٹی بجاؤ دیجئے گا۔ میں فوراً آتا جاؤں گی۔ داہنے ہاتھ کی طرف بنے والا کمرہ۔ لیکن اندر داخل ہونے سے پہلے تین بار دروازہ پر بلکی بہلکی دستک ضرور دیجئے گا۔“

انور نے دروازے پر پنچھے کر دستک دی۔

”آ جاؤ.....!“ اندر ایک غراہٹ نما بے ہنگام آواز سنائی دی۔

انور دروازے کو دھکا دے کر بے دھرک اندر چلا گیا۔ ایک بڑی میز کے پیچے اسے ایک بالتفت آؤ دی یا جانور کا سردھائی دیا۔ چہرے پر ڈاڑھی بھی تھی اور اس ڈاڑھی کی موجودگی اور سر کی ارنے بھینیے کا سر معلوم ہو رہا تھا۔

”گلڈ ایونٹ پروفیسر.....!“ انور قدرے جھک کر بولا۔

”انگریز کی پیچے ہو؟“ ایک پنچھاڑ سنائی دی۔

”اچھا السلام علیکم.....!“

”علیکم السلام..... تم جھوٹے ہو..... میں نے پہلے کبھی تمہیں نہیں دیکھا..... بیٹھ جاؤ۔“
مانے بڑی میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اور بیٹھ گیا۔

پروفیسر درانی ایک چکر کھانے والی کرسی میں وضنا ہوا تھا۔ انور نے محسوں کیا کہ سر کی بس اس کا جسم بھی کافی پھیلا دی رکھتا ہے۔

”وہ میری تحریر کہاں ہے؟“ پروفیسر کی پنچھاڑ پھر سنائی دی۔

انور نے تاپ کیا ہوا خط اس کی طرف بڑھا دیا۔

خط پڑھتے وقت پروفیسر درانی کا چہرہ حدود جہ خوفناک ہو گیا۔ اس کی سرخ سرخ آنھیں شکل لگیں۔ اور پھر..... انور نے اس کے حلق سے نکلنے والی بے ہنگام آوازوں کو مصلحت نظر انداز لنسکی کوشش کی۔

”یہ بگرے دستخط نہیں ہیں۔“ وہ چکھاڑ کر کھڑا ہو گیا اور اس کی عظیم الشان تو نہ میز کے اوپر مانسکی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے غل طرز کی کسی عمارت کا گنبد تحرک ہو گیا ہو۔ وہ میز پر اپنے ٹھوٹ اٹھوٹ کیا اور کوئی خونوار نظر وہ سے گھور رہا تھا۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اسکے جسم میں دوڑ گئی۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ انور نے لاپو والی سے کہا۔

”میں تمہیں سمجھاؤں گا۔“ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں اس ڈھانپے کی خنزوار پیچھے کے کٹھے میں بند کر دیا گیا ہو۔ متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلاوں گا۔ تمہیں تم جو ایک مائل پر انخطاط انفل تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت مینڈ ک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تم پر لیں روپڑ، پچھوے سے بدتر میں تمہیں بلاوں گا ایک سائیٹیفک مسلک پر انھماں کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک چھپزی کی کھال بھی نامناسب معلوم ہوگی دفان ہو جاؤ۔ ”میں آپ کی زندگی میں دن ہونے کے لئے تیار نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”دفن نہیں دفان !“ وہ میر پر گھونسہ مار کر طلق کے مل چینا اور کمرے میں کم از کم ہزار آوازیں کھڑکیں۔

انور خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دیدہ و دانستہ یہ بات ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ”ا سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں۔ پروفیسر رانی کی سانس پھول رہی تھی۔ ”میں سمجھتا ہوں۔“ وہ دانست پیس کر ہانپا ہوا بولا۔ ”تم نے میرا وقت برباد کرنے کے لئے چال چلی ہے۔“

”بیشیت بزرگ آپ کو میری اس شرارت پر بھی آئی چاہئے تھی۔“ انور سمجھ گی سے ”بھی !“ پروفیسر اچھل کر بولا۔ ”مجھے کبھی بھی نہیں آتی۔ میں بندروں کی طرح نکالا پنڈنہیں کرتا۔“

”تو پھر آپ کو بن مانسوں کی طرح خاک بھی نہ اٹانی چاہئے۔“ انور اپری ہوفٹ بھجن کر بولا۔ ”کیا ?“ پروفیسر پھر کھڑا ہو گیا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں اس وقت دنیا کے عظیم ترین سائنسٹ سے گفتگو کر رہا ہوں۔“ کے لئے میں بیزاری تھی۔

پروفیسر پھر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں پلے سے بھی زیادہ شعلہ بار ہو گئی تھیں۔ ”گٹ آؤٹ۔“ دفتار وہ اتنی زور سے چینا کہ انور چوک پڑا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے بھی یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے پرائیسی آثار پیدا نہ ہونے دے گا جس۔“

لار ہو سکے کہ وہ اس سے مرغوب ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے شروع ہی سے یہ محسوں ہو رہا تھا جیسے

”میں تمہیں سمجھاؤں گا۔“ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ بیٹھتا ہوا بولا۔ ”میں اس ڈھانپے کی خنزوار پیچھے کے متعلق گفتگو کرنے کے لئے تمہیں بلاوں گا۔ تمہیں تم جو ایک مائل پر انخطاط انفل تعلق رکھتے ہو۔ تم جس کی ذہانت مینڈ ک اور چوہے کی ذہانت کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تم پر لیں روپڑ، پچھوے سے بدتر میں تمہیں بلاوں گا ایک سائیٹیفک مسلک پر انھماں کرنے کیلئے۔ تمہارے اوپر تو ایک چھپزی کی کھال بھی نامناسب معلوم ہوگی دفان ہو جاؤ۔ ”میں آپ کی زندگی میں دن ہونے کے لئے تیار نہیں۔“ انور مسکرا کر بولا۔ ”دفن نہیں دفان !“ وہ میر پر گھونسہ مار کر طلق کے مل چینا اور کمرے میں کم از کم

ہزار آوازیں کھڑکیں۔

”بھجو پر اپنے چیخڑے کے ذریعے گندگی اچھا لو گے۔“ پروفیسر اٹھتا ہوا بولا۔

”نہیں میں اتنی پست ذہانت نہیں رکھتا۔“ انور جانے کے لئے مڑا۔

”نہہرو! کیا تمہیں ڈیلی میں کے روپڑ کا حشر نہیں معلوم تھا۔“

”معلوم تھا..... اور اس وقت میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاید اس نے بھیڑ کا دودھ پیا تھا۔“

پروفیسر درانی اچھل کر میز کے پیچھے سے نکل آیا۔

انور کے سامنے دنیا کا آٹھواں جوبہ کھڑا تھا۔ اس کا قد ساڑھے چار فٹ سے کسی طرح نیاہ نہ رہا ہو گا۔ مگر پھریا ڈا۔ خدا کی پناہ..... انور سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں اتفاق سے اس پر گئیا تو اس کی بہیاں سرمه ہو جائیں گی اور جسم امرد کی جیلی بن جائے گا۔

”لیکن تم نے شاید کسی گھنی کا دودھ پیا ہے۔“ پروفیسر انور کی طرف چھپتا۔ انور اچھل کر لیکن طرف ہو گیا اور پروفیسر اپنے زور میں دیوار سے جاٹکر لیا۔ اس کے منہ سے ایک بھی ایک پھر پلٹ پڑا۔ انور نے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا بھاری بھر کم جسم اسے ہلنے سے بھی باز رکھتا ہو گا۔ لیکن اس کا پھر تیلا پن دیکھ کر اسے چکر آنے لگا۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر اسے پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور انور سارے کمرے میں بھاگتا پھر رہا تھا۔ اس نے یہ بھی محسوں کیا کہ

”پروفیسر درانی کی خاص طور پر حفاظت کر رہا ہے۔ کمرے کی چوڑائی کم تھی اسے خدشہ تھا کہ اگر اس نے ایک بار بھی اس کے قریب سے نکلنے کی کوشش کی تو موت ہی ناگز کر لے گی۔“ انور نے

”جاو..... بھاگو.....!“ وہ انور کو دروازے کی طرف دھکلتی ہوئی بولی۔ انور اس طرح تین بار انہا چاہتا تھا لیکن اس سے اس کارروائی دیکھا گیا۔ وہ کسی شخصی سی بچی کی طرح بلکہ رورہی تھی۔ اس نے انور کو باہر دھکل کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

انور چند لمحے کھڑا لڑکی کے رو نے کی آواز سنتا رہا۔ شاید پروفیسر سے چکار رہا تھا۔

دہاں مزید شہرنا فضول سمجھ کر انور چل پڑا۔ اس کی حالت بڑی مصکنہ خیز تھی۔ سارے پڑے ستیا ہاں ہو گئے تھے اور اسے یہ سوچ سوچ کر شرم آرہی تھی کہ اب بھی اسے اسی حالت میں پڑیں ہوں گے۔

پڑیں ہوں گے۔

بیر حال وہ جوں توں گھر پہنچا۔

سات نج گئے تھے اور اندر ہیرا گھرا ہو گیا تھا۔

اس کے قلیٹ میں روشنی تھی۔ رشیدہ قلیٹ میں موجود تھی۔ انور کو اس حال میں دیکھ کر اس نے اپنے ہونٹ بھینچ لئے۔

چند لمحے خاموش کھڑی اسے گھومنی رہی پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھی اور پھر دونوں فنون سے اس کے گالوں پر چانٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔

”توور..... کینے..... کتے..... میں منع کرنے تھی۔“

انور خاموشی سے پثارا۔

پھر رشیدہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا اور پھر بہت پھوٹ کر رونے لگی۔

انور اس کا نوٹ لئے بغیر کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ رشیدہ کی سکیاں کمرے میں لکھنے رہی تھیں۔ انور کی نظریں باہر سڑک پر جھی ہوئی تھیں۔

پھر اس نے فون کاریسیور اٹھایا اور فریڈی کو فون کرنے لگا۔

ثرہ سے آخر تک کی رواداد ہرانے کے بعد اس نے رسیور رکھ دیا اور رشیدہ کی طرف بڑک بلا۔

”تمہارے زخم صاف کر کے بیٹھ تھ کر دو۔“

رشیدہ آنسو پوچھتی ہوئی اٹھی اور ڈرینگ کا سامان درست کرنے لگی۔

پوری قوت لگا کر بڑی میز الٹ دی۔ پروفیسر زخمی شیر کی طرح دھاڑ کر اس کی طرف جمپلا۔ جھک کر میز کی اوٹ میں ہو گیا۔ پروفیسر بھی دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر جھکا۔ انور نے بالائے کی مشق کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کی ایک ناگہ پروفیسر کے ہاتھ میں آتی گئی اس کی انتہائی انجمن کی حالت میں بھی اسے بھی آگئی۔ وہ فرش پر اونڈھا پڑا تھا۔ اس کی دونوں ہاتھ پروفیسر کے ہاتھوں میں تھیں اور پروفیسر بھی اونڈھا پڑا ہوا بن مانسوں کی طرح شور چارا تھا۔ کو اپنی پنڈلیاں ٹوٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ لیکن اسے اطمینان تھا کہ اب پروفیسر خود قیامت تک نہ اٹھ سکے گا۔ تاوقتیکہ اس کی ناگہیں نہ چھوڑ دے۔ انور کہیاں زمین پر نیک کراؤ۔

ھکنے کے لئے زور لگا تھا۔

اس جدو جہد کے دوران میں انور کا سر کئی بار دیوار سے نکلا گیا تھا اور زخم پھر سے تازہ تھا۔ زخم پر بندھی ہوئی پٹی سے خون رنسنے لگا۔ پیچرے پر کمی جگہ خداشیں آگئی تھیں۔ تاک قریب داہنے گال کا بہت سا چجزہ نکل گیا تھا۔

پروفیسر نے بھی شاید تیریہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی ناگہیں نہ چھوڑے گا۔ دونوں ابھی تک نہ پر اونڈھے پڑے تھے۔ پروفیسر نے چھنابند کر دیا تھا۔ البتہ اس کی جدھنی ہوئی سانسیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

وھتنا انور کو آبنوس کی گول میز کا خیال آیا۔ جو قریب ہی پڑی ہوئی تھی اور اس کی دہنے سے باہر نہ تھی۔ اس نے خود کو آدھے دھر سے اٹھایا اور میز پر رکھی ہوئی برتنی گھنی کا ٹین دیا۔ تھوڑی دیر بعد رہداری میں تیز تیز قدموں کی آواز سنائی دی اور وہی بڑی اندر گھس آئی۔ ”ڈیڈی.....!“ وہ زور سے چینی اور انور کی ناگہوں پر پروفیسر کی گرفت پہلے سے زیادہ سخت ہو گئی۔

”ڈیڈی چھوڑ دو اسے۔“

”بھاگ جاؤ!“ پروفیسر غرایا۔

”میں اپنا گا ہونٹ لوں گی۔“ وہ بدللا کر روپڑی۔

پروفیسر نے انور کے پیر چھوڑ دیے اور انور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

اور سگر بیٹ سلاکر شیلنے لگا۔
رشیدہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

”او..... رشیدہ کی بچی مجھے آنسوؤں سے فرط ہے۔“ انور نے کہا اور اسے گھوڑنے

”آپ بھی عالم میں اسی لئے میں شہرا جاتی ہمیشہ جوتے گا نہ تارہتا ہوں اس
لیے ہرے ہاتھ میں تو جوتا ہو گا۔“
”تم انور سے زیادہ طاقت و نہیں ہو۔“ فریدی مکر اکر بولا۔
”کیا فرمایا آپ نے خدا کی قسم پھر ایک دن بھی سکی۔“

”کیا.....؟“

”میری اور انور کی کشتی۔“

”آپ کشتی لڑیں گے؟“ فریدی تمثیر انداز میں بولا۔

”آپ مجھے اتنا کمزور کیوں سمجھتے ہیں۔“ حمید اکڑ کر بولا۔ ”اچھا آپ ہی میرا پچھہ موڑ دیجئے۔“

حمد نے پنجا آگے بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنی انگلیاں اس میں پھنسائیں اور
”اے اے“ حمید بل کھانے لگا۔ ”توڑنے کو کب کہا تھا۔“

فریدی نے پس کر ہائھ چھوڑ دیا۔

”اچھا ب اٹھنا چاہئے۔“ فریدی نے گھٹری کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ٹھہریے!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ذر ایک بات اور سمجھ لینے دیجئے ورنہ بعد کو آپ
خوازم دیں کیونکہ آج کل مجھ پر کشت و خون بڑی طرح سوار ہے۔“

فریدی استقہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ظاہر ہے کہ آپ کسی ارادے سے نہیں ہیں اور آپ یہ بھی کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک
ٹڑک آدمی ہے اور آپ کو یہاں اس کی موجودگی کا یقین واثق ہے اور ہم دونوں تھاواں
بڑھے ہیں۔ آپ نے مجھے کو بھی اس سے باخبر نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ بڑی اہم چیز تھی۔“

حمد خاموش ہو گیا۔

”تم اپنا کس بات کا جواب چاہتے ہو؟“ فریدی بولا۔ ”میرے خیال سے تم نے کوئی
جاہل طلب بات کی ہی نہیں۔“

”نہ اٹھا کیوں جا رہے ہیں؟“

”معاملات کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ابھی ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“

کچھ گھونسے کچھ فارم

نو بے رات کو فریدی اور حمید آرچوڈ میں کافی پی رہے تھے۔ کچھ دیر قبل حمید انور کی ”
مرمت پر دل کھول کر تین چکا تھا اور اب دونوں خاموشی سے کسی منسلک پر غور کر رہے تھے۔

”کیا آپ کو واقعی پروفیسر درانی پر بھی شبہ ہے؟“ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”نہیں لیکن ہو سکتا ہے کہ وہ پروفیسر چودھری کے معاملے پر کچھ روشنی ڈال سکے۔“

”تو آخر انور کی جامت بنوانے سے کیا فائدہ ہوا آپ کو؟“

”میں پروفیسر درانی کو اتنا پاگل نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال اس سے ملنے سے قبل میں اس
شخصیت۔ کہ بارے میں اندازہ لگالیا چاہتا تھا۔ وہ انتہائی ضدی مغرو اور احساس برتری کا۔“

”معلوم ہوتا ہے۔ اس سے کوئی کام کی بات معلوم کرنے کے سلسلے میں کافی احتیاط برتنی پڑے گا
آپ تو اس طرح کہہ رہے ہیں جیسے وہ کوئی ہوا ہو۔“

”یہ بات نہیں وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ ملک کے چوٹی کے لیڈر اس کا ہم از
سے لیتے ہیں اور اس کی بد دماغیوں کے باوجود بھی اس کا احترام کرنے پر مجبور ہیں۔ تم شاید
خیال میں ہو گے کہ اس سے ہونس دھڑلے سے بھی کام نکل جائے گا۔“

”اچھا اگر وہ کینگی ہی پر آمادہ ہو گیا تو کیا کیجئے گا۔“ حمید بولا۔

”طرح دینی پڑے گی حمید صاحب۔ اس کی علیمت کی بناء پر میں اس کا احترام کرنا ہو۔“

فریدی بولا۔

”اور اگر معاملات نے ہمارا صحیح اندازہ لگایا تو۔“

”بکومت..... گٹ آؤٹ۔“

ریپشن روم میں آ کر انہوں نے اپنے اوور کوت پہنے۔ فلٹ ہیٹ اٹھائے اور کھڑے کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ٹھنڈی ہوا ان کے گال سہلانی ہوئی کانوں میں گم تھی۔ سڑک پار کر کے ایک گلی میں گھستے وقت انہوں نے فلٹ ہیٹوں کے گوشے پر جھکا لے۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی چل پڑی۔ حید پاپ تم بھرتا ہوا فریدی کی طرف مرا۔ جو سیٹ بجائے کے انداز میں ہونٹ سکوڑے سامنے دیکھ رہا۔ ”تم تو عورتوں کے بڑے گھرے بناض ہو۔“ دھنٹا وہ حید کی طرف مڑ کر بولا۔

”خیر ہے.....؟“ حید نے پاپ سلاگاتے رک کر کہا۔

”مسز چودھری نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا تھا کہ پروفیسر چودھری کے سارے جو موجود تھے اور وہ چیل بھی پلٹنگ ہی کے پاس پڑے پائے گئے تھے جنہیں وہ رات کو پہننا کرنا۔“

”اس نے بتایا نہیں تو آپ کو معلوم کیسے ہوا.....؟“

”پولیس کی تفتیش روپورٹ سے۔“

حید کسی سوچ میں پڑ گیا پھر سکرا کر بولا۔

”میں یقیناً عورتوں کی نفیات کا ماہر ہوں لیکن جو توں اور چلوں پر میری نظر نہیں۔ Leg Fetishism کا خال نہیں۔“

”یقیناً ہو..... میں نے تمہیں انہیں عورتوں کے پیچھے بھاگتے دیکھا ہے جن کے اور حسین ہوتے ہیں کچھ تجھب نہیں کہ تم ان کے انگوٹھے بھی چوتے ہو۔“

”اس کی نوبت آنے سے پہلے ہی اپنا ہی انگوٹھا چونے لگتا ہوں۔“

”بات پھر ادھر ادھر ہو گئی۔ میں نے وہ بات اس لئے کہی تھی کہ تم اس پر سنجوگی کے۔“

”تو جا ب آپ سمجھی سے پوچھتے ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ میں اسے مکار سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ بڑی پیاری عورت ہے۔“

”ذبذبات سے الگ رہ کر سوچ.....!“

”ہم ممکن فریدی صاحب۔ آپ قطعی غیر فطری بات کہ رہے ہیں۔ کوئی مرد کسی ایسی عورت کے تعلق ذبذبات سے الگ رہ کر کچھ سوچ ہی نہیں سکتا جس کے ساتھ اس کے جنسی رشتے کا قیام لئے ہو۔“

”کبھی کبھی یہ بھول جایا کرو کہ تم مرد ہو۔“

”یہ بھی غیر فطری ہے۔“

”میری مثال بسانے رکھو۔“

”آپ خود کو دھوکا دیتے ہیں۔ آپ کسی خطرناک Complex کے خلاں ہیں۔“

”خیر چلو یہی سکی۔ میں اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ اگر آدمی کے ساتھ Complex نہ ہوں تو وہ اپاچ ہو جائے۔ مگر تم اس پر مختنے والے سے غور کرنا۔“

”خدا نے کہ کبھی میرا دل ٹھنڈا ہو۔..... جس دن ایسا ہوا خود کشی کر لوں گا۔“

پروفیسر چودھری کی کوئی قرب ہی تھی۔ فریدی نے ٹککی روکائی اور وہ دونوں نیچے اتر گئے۔ سڑک سنان پڑی تھی اور اس کے کنارے بیکل کے کھمے اپنی زرد روشنی سمیت بے کران تھیں کا ایک حصہ معلوم ہو رہے تھے۔

فریدی اور حید سڑک چھوڑ کر عمارت کی پشت پر بھیل ہوئی تاریکی میں چلے گئے۔

”میرا خیال ہے کہ چودھری کی کوششی ہی ہے۔“ فریدی بولا۔ تھوڑی ہی تاریکی میں باہر کی عمارت کے نیچے سے اوپر تک دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔ ”تھوڑی بہت محنت تو کرنی ہی اس لئے۔“

”معنی.....؟“

”تمہرے دھناتا ہوں.....“ فریدی نے کہا اور دیوار کی طرف چلا گیا۔ حید بھی بڑا فریدی پر لارک سماں لے آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اپر کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے جیب سے مارچ روشن کر کے چاروں طرف دیکھا۔ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جو روم کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا رہا ہو گا اور گرد وغبار سے ظاہر ہو رہا تھا کہ عرصہ سے برہنیں لی گئی۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ فریدی کو اس دروازے کا بھی ایک شیشہ کا شنا قبیل وہ پاسپ ہی پر چڑھے چڑھے کھڑکی کا بھی شیشہ کاٹ چکا تھا۔ دروازے کے میانہ میں تھا۔ اس لئے دروازہ کھول لینے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کمرے سے ٹکل کر درقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ دن ہی میں اپری منزل کو اچھی طرح دیکھ بھال چکے تھے۔ ولی راہداری سے گزرتے وقت دفتار فریدی نے حمید کا شاند دبیا۔ حمید بھی رک گیا۔ پآہٹ سنائی دے رہی تھی۔ وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے ہال کی طرف والے زینوں چلے گئے۔ انہوں نے وہ آہٹ بیر ونی زینوں پر سکنی تھی۔

انے والا تھوڑی دیر تک راہداری کی ایک کھلی کھڑکی کے قریب کھڑا رہا۔ تاروں بھرے کے پس منظر میں اس کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کوئی مرد تھا وہ آدھے دھڑ سے کے باہر جھکا اور پھر وہاں سے بہت کر پرو فیر پو دھری کی لیبارٹری کے دروازے پر انہوں نے تالے میں کنجی گھمانے کی آواز سنی۔ دروازے ہلکی آواز کے ساتھ کھلے اور کی آہٹ دور ہوتی چلی گئی۔

وہ دونوں تیزی سے چلتے ہوئے لیبارٹری میں داخل ہو گئے۔ لیکن..... ابھی ان کی آنکھیں نکل کوٹا شکر ہی تھیں کہ پیچھے سے کئی آدمی ان پر ٹوٹ پڑے اور پھر میزوں پر رکھے ٹھٹھے کے آلات چھتا چھن ٹوٹنے لگے۔ فریدی اور حمید کو ایک درمرے کی خبر نہ رہی۔

وہ کل پانچ تھے۔

”غلاز! خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“ دروازے پر کسی نے انگریزی میں کہا۔ لہجہ بھی انہوں نے کہا تو کچھ کہا کر رک گئے۔ فریدی کو چھینک آئی۔ پھر ایک دوسرا چھینک سنائی دی۔ ملکانے اندازہ لگایا کہ حمید کہاں ہے۔ شاید یہ اشارہ انہوں نے ایسے ہی موقع کے لئے لایا تھا۔

انہیں ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کھڑا تھا۔ شاید ان میں سے کوئی بھی یہ نہیں سوچ

”اس پاسپ کے سہارے ہمیں اور جانا ہے۔“ فریدی نے سرگوشی کی۔

”اپنے بس کا روگ نہیں۔“ حمید بھتنا کر بولا۔ ”پہلے سے بتا دیا ہوتا تو لگوٹی باندھ رہا۔ آپ بھی مکال کرتے ہیں۔“

”کیا مصیبت آگئی۔“

”الشر لہذا دکر مجھ سے نہ چڑھا جائے گا۔“

”الشر اتار دو۔“

”رکھوں کہاں.....؟“

”مجھے دو.....!“ فریدی نے کہا اور بیٹھ کر اپنے جو تے اتارنے لگا۔ جو تے جیوں ٹھوں کر اس نے حمید کا الشر کا نہیں پڑا اور فلکت ہیٹ کو سر کی پشت پر چکا کر پاسپ سہارے اور چڑھنے لگا۔ حمید کو طعوا کر کہا اس کی تکلیف کرنی پڑی۔ پاسپ کے لوہے کی خندل کے ہاتھوں کی ہڈیوں میں گھسی جا رہی تھی۔ تھوڑی دور چڑھنے کے بعد اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ فلکت ہیٹ سرک کر نیچے چلی گئی اور دل ہی دل میں کوئی اچھوٹی اور نی گالی ٹالا۔ پاسپ سے ملی ہوئی کھڑکی صاف نظر آ رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے فریدی نے ایک ٹانگ کر کھڑکی کے اندر رکھی اور حمید کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

حمدیکی حالت ابتر تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاسپ گرفت سے اب نکلا تبا سانس پھول گئی تھی۔ ہاتھ اور پیر پھر کی طرح سخت اور بے حس ہوئے جا رہے تھے۔ بد نہ کھڑکی تک پہنچ ہی گیا۔ لیکن اگر فریدی اسے فوراً ہی سنبھال نہ لیتا تو وہ کھڑکی اس کے جنت کی کھڑکی تابت ہوتی۔

کمرے میں اندر ہمرا تھا۔ حمید جو تے پہنچنے لگا۔ پھر فریدی نے اس کا اور کٹ لے طرف بڑھا دیا۔ اتفاقاً اس کا ہاتھ حمید کے سر سے جا لگ۔ اور وہ چوک کر بولا

”فلکت ہیٹ کیا ہوئی۔“

”اس پر زمین کی قوت کشش غالب آگئی۔“

”خیر..... اس بات کی خوشی ہے کہ تم ایسے موقوں پر بھی اچھے جملے بول سکتے ہو۔“

سلتا تھا کہ ابھی اسی کمرے کی ایک کرسی اچھل کر دروازے میں کھڑے ہوئے آدمی پر پر
گی اور وہ زمین پر چاروں خانے چت ہوگا۔

اس کے گرتے ہی فریدی نے ایک ہاتھ سے نارچ نکالی اور دوسرے سے رویا اور سمن
”آپ مائی لیڈس.....!“ وہ بھکھناتی ہوئی آواز میں بولا۔ نارچ کی روشنی میں چ
اپنے ہاتھ اور اٹھائے کھڑے تھے اور فریدی کے رویا اور کی نال ان کی طرف تھی۔

”حمدی! ان کی ٹائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پشت پر باندھ دو۔“ فریدی نے اردو میں
”یہ سب کسی سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔“

حمدی تین کے ہاتھ باندھ چکا تھا۔ دفتار کسی نے چیچھے سے فریدی کے رویا اور والے ہا
زور سے ہاتھ مارا اور اس کی گردن پکڑ کر آگے کی طرف دھکا دیا۔ فریدی اس غیر متوقع ٹھا
لنے تیار نہیں تھا۔ رویا اور اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ منہ کے مل زمین پر جا رہا۔

”بھوت.....!“ اس نے حمدی کی چیخ سنی۔

فریدی نے گرتے ہی نارچ بھجا دی اور لیٹیے ہی لیٹیے اچھل کر ایک بڑی میز کے پ
گیا۔ وہ تین آدمی جن کے ہاتھ حمدی نہیں باندھ سکا تھا اس پر ٹوٹ پڑے۔ حمدی نے رویا اور
کرفائز کر دیا۔ اس نے چودھری کے بھوت کا نشانہ لیا تھا۔ جس کا چہرہ اندر ہرے میں شد
طرح دبک رہا تھا اور جس نے فریدی کو دھکا دیا تھا۔ فائز خالی گیا۔ حمدی نے ایک میزال د
کوئی دب کر چینا۔

بھوت غائب ہو چکا تھا۔ میز پھر سیدھی ہو گئی اور کوئی اس کے نیچے سے نکل کر دروازے
طرف بھاگا۔

حمدی نے پھر فائز کیا لیکن یہ بھی خالی گیا۔

”کیا کرتے ہو۔“ اسے فریدی کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کوئی دھم سے گرا۔ رابہ
میں بہت سے قدموں کی آہیں گونج رہی تھیں۔ پھر سکوت طاری ہو گیا۔

فریدی کی نارچ کی روشنی لیبارٹری میں پھیل گئی اور حمدی نے دیکھا کہ فریدی ایک آدمی
سوار ہے۔

دونوں نے مل کر اسے اٹھایا۔ یہ انہیں میں سے تھا جن کے ہاتھ حمدی نے باندھے تھے اس
کے ہاتھ ابھی بک بندھے ہوئے تھے۔ فریدی اسے کار سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ہال میں جانے والے
بنل کی طرف چلا۔ حمدی ان کے چیچھے تھا اس کے ایک ہاتھ میں نارچ تھی اور دوسرے میں رویا اور
ہال میں روشنی تھی اور وہ بالکل سنان پڑا ہوا تھا۔ فریدی نے قیدی کو ایک صوفے میں
پھیل دیا اور صوفے کے ہتھی پر چیر کر کہ کہاں کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اس کی ناک سے خون
پھرنا تھا اور چہرے پر سراسیگی کے آثار تھے۔

”کیوں بیٹھے! یہ سب کیا ہے؟“ فریدی نے انگریزی میں پوچھا۔
وہ بکھرنے بولا۔ فریدی نے اس کے منہ پر چھپر سید کر دیا۔

”بولو نا پچھا.....!“ حمدی نے اس کی زخمی ناک پکڑ کر زور سے دبادی اور وہ بیساختہ چھپڑا۔
دفعتا سامنے والا کمرہ کھلا اور سزر چودھری باہر آتی دھکائی دی۔ وہ حدود رجہ خوفزدہ نظر آرہی
تھی۔ وہ فریدی اور حمدی کی طرف بے تحاشہ دوڑی۔

”فریدی صاحب..... کیا ہوا.....؟ یہ سب کیا ہے؟ میں نے ابھی فارک کی آواز سنی تھی۔“

”کوئی بات نہیں ہم لوگ غالباً نہیں تھے۔ کیا آپ نے اسے کبھی دیکھا ہے؟“
تارا چودھری اسے غور سے دیکھتی رہی پھر نغمی میں سر ہلا کر بولی۔ ”میں نہیں جانتی..... لیکن
یہ..... کیا یہاں میری کوئی میں؟“

”میں ہاں..... یہاں کوئی حرمت انگیز بات ہونے والی ہے۔“

”کیا بہت سے تھے؟“

”بھی ہاں.....!“

”اور وہ.....؟“

”چودھری صاحب کا بھوت.....!“ فریدی مکرا کر بولا۔ ”وہ اتفاق سے نکل گیا۔ لیکن
طنک اپنے نہ دو چودھری صاحب ہیں اور نہ ان کا بھوت.....!“

”پھر.....؟“

”کچھ بھی نہیں۔“ فریدی صوفے کے پاس سے بہتا ہوا بولا۔ پھر حمدی کی طرف مڑ کر کہا۔

”کوتوالی فون کردو۔“

”آپ کی پیشانی زخمی ہو گئی ہے۔“ تارابولی۔

”مُکْرَمْ سَيِّدِي۔“

”میں ڈرینگ کا سامان لاتی ہوں۔ لیکن فریدی صاحب میں اب اس کوشی میں نہ رہ سکو۔“
”ٹھیک ہے۔“ فریدی نے سرہلا کر کہا۔ ”آپ اسے پولیس کے حوالے کر کے کہے یہاں چلی جائیے۔“

دفعتاً قیدی کی جیج سے ہال کی دیوار میں جھبھنا آجیں۔
وہ دونوں اچھل پڑے۔

قیدی زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا..... اور..... اس کے پیٹ میں ایک تیر بیوست تھا۔
اس نے کربناک انداز میں آخری جست لگائی..... اور گر کر ٹھنڈا ہو گیا۔
تارا جیخ کر فریدی کے بازوؤں میں آگری۔

جہید جو دوسرے کمرے میں فون کر رہا تھا..... رسیور پھینک کر ہال میں آگیا۔
ہال میں قبرستان کی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

پھر سب سے پہلے فریدی چونکا۔

انہوں نے پوری کوشی چھان ماری لیکن ایک نفس بھی نہ دکھائی دیا۔

بکر مچھ

ای رات کو پروفیسر چودھری کی کوشی میں پولیس نے ڈریاڈاں دیا۔ پروفیسر چودھری
بیوی کوشی چھوڑ کر اپنے ایک عزیز کے یہاں چلی گئی۔ اس کوشی میں ایسے عجیب و غریب ما

کی پوروپین کی لاش مٹا معمولی بات نہ تھی۔ دوسرے ہی دن ملک کے اخبارات کے کالم کے
لیے ہو گئے اور پروفیسر کے اچاک غائب ہو جانے والا واقعہ پھر سے کریدا گیا لیکن صحیح
فان کا انہمار کسی نے نہیں کیا تھا اور کرتا بھی کیسے جب کہ..... فریدی ہی نے غلط روپوٹ دی
لے۔ اس کے روپوٹ کے مطابق وہ اور حمید چودھری کی کوشی کے قریب سے گزر رہے تھے کہ
ہل نے کچھ آدمیوں کو مشتبہ حالات میں کوشی کے اندر داخل ہوتے دیکھا پھر وہاں انہیں ان سے
نایاب بھی کرنی پڑی۔

چودھری کی بیوی نے پہلے ہی اپنی کوشی میں ہونے والے واقعات کی روپوٹ درج کرادی
لے۔ بن ان دونوں روپوٹوں کو ملا کر اخبارات نے عجیب عجیب کہانیاں تراشی تھیں۔

فریدی رات ہی سے بہت مصروف تھا۔ اس نے بے شمار فائل کھول رکھے تھے۔ لاعداد
ماہر اس کے سامنے پڑی تھیں اور وہ انہیں بغور دیکھ رہا تھا۔ ایش ٹرے راکھ سے بھر گیا تھا۔
زیادا ”بچے رات کو ان کی واپسی ہوئی تھی۔“ تب سے وہ جا گتا ہی رہا تھا۔ حمید بھی اس کے
دہبی موجو دھا لیکن اس رام کری پر۔ ویسے اگر وہ فوکیلے پھر دوں پر بھی بیٹھا ہوتا تو اس کی نیزد کو
لاؤں بیس روک سکتا تھا۔ پھر کچھلی رات کی ورزش اور دھول دھپے کے بعد کی تھکن..... وہ
لبان سے خرائے لے رہا تھا۔

سورج طلوع ہو گیا تھا اور دھوپ کھیلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً انور اور رشیدہ کمرے میں داخل
ہئے۔ انور کے سر پر پی بندھی ہوئی تھی اور چہرے پر کئی نیلے اور سرخ نشانات نظر آ رہے تھے۔
انور فریدی کے سر پر بھی پی بندھی دیکھ کر مسکرا یا۔

”آپ بھی زخمی ہو گئے؟“

فریدی نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”آپ نے مجھے اطلاع نہ دی۔“ انور بیٹھتا ہوا بولا۔

”مجھے اس کی توقع نہیں تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ خرائے فرمائے ہیں۔“ رشیدہ نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔

حمدان کی آوازیں سن کر جاگ پڑا تھا لیکن اس نے آنکھیں کھولنے کی رحمت گوارانہ کی۔

”خراٹ نشتر کر رہا ہوں۔“ وہ آنکھیں بند کئے ہی کئے بڑا بڑا۔

”آخربات کیا تھی؟“ انور نے فریدی سے پوچھا۔

فریدی نے مختصر اسارے واقعات دہرا دیئے۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔“ نے ہم پر کسی کے دھوکے میں جملہ کیا تھا۔“

”کسی اور کے دھوکے میں.....؟“ انور بولا۔

”ہاں..... کیونکہ انہوں نے شلائر کے نام سے مخاطب کیا تھا۔“

”شلائر.....؟“

”ہاں شلائر۔“ فریدی سگار کا کش لے کر بولا۔“ کیا تم نے کبھی یہ نام سنائے؟“

”ممکن ہے سناء ہو۔“

فریدی نے ایک تصویر انور کی طرف پر حادی جسے دیکھتے ہی وہ بے سانتہ چکر رشیدہ بھی جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

”یہ ناک.....!“ انور آہستہ سے بڑا بڑا اور فریدی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”یہ مغربی جمنی کا ایک جاسوس ہے اور آج کل یہاں باضابط طور پر آیا ہوا ہے۔“

کھوتوں کی طرف سے کوئی پیغام لے کر..... جس کی اطلاع ابھی تک ہمیں بھی نہیں ہوئی۔“

”بے کہ یہ گارس اسی کے متعلق پکھھ ہو۔“

”لیکن پروفیسر درانی کے یہاں اس کا کیا کام.....!“ انور نے بے چینی سے کہا۔

”پروفیسر درانی کے یہاں؟“ فریدی کے لمحے میں تحریر تھا۔

”می ہاں..... میں نے اسے کل رات کو بارہ بجے پروفیسر کے سیکریٹری کے کمرے سے گفتگو کرتے دیکھا تھا۔“

”اوہ تو تم پھر وہاں گئے تھے؟“ رشیدہ انور کو گھور کر بولی۔

”میں بتاؤں۔“ حمید یک انکوائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ ”پروفیسر کی لاکی بڑی ہیں؟“

رشیدہ انور کو تیز نظروں سے دیکھنے لگی۔

انور فریدی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں اسے تھوڑی سی سزادیے بغیر نہ ماںوں کا اور اسی پکڑ۔“

رات کو ہاں گیا تھا۔“

”نیتنا.....!“ حمید دیدے پھرا کر بولا۔ ”اگر تم اس کی لاکی کو الو بنا نے میں کامیاب

جن تو یہ اس کے لئے سخت ترین سزا ہوگی۔“

”حید.....!“ فریدی اسے گھونٹنے لگا۔

”سرکار.....!“ حمید اسی لمحے میں جھکتا ہوا بولا۔

”اگر بخیگی سے نہیں بیٹھ سکتے تو چلے جاؤ۔“

”بوجھ.....!“ حمید مسکرا کر بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

”تمہیں یقین ہے کہ وہ بیہی تھا جس کی تم تصویر دیکھ رہے ہو۔“ فریدی نے انور سے پوچھا۔

”مجھے یقین کاں ہے۔“

”اوہ.....!“ فریدی کری کی پشت سے نکل کر انور کی طرف دیکھنے لگا۔

”گارس کی تصویر نہیں ہے آپ کے پاس.....؟“ انور نے پوچھا۔

”اس کا کوئی صحیح روکارڈ کہیں نہیں ہے۔“

”لیکن ان ملکوں کے پاس تو ہوتا ہی چاہئے جن کے لئے وہ کام کرتا رہا ہے۔“

”وہ بھی اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے پاس اس کا صحیح روکارڈ نہیں ہے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ انور پکھ سوچتا ہوا بولا۔

”اس کی صحیح فہلک تک تو معلوم نہیں کسی کو۔“ فریدی نے کہا۔ ”بھی وجہ ہے کہ وہ آج بھی

ناالی سے اس زمین پر چل رہا ہے۔ ورنہ اس کی دشمن ساری دنیا ہے۔“

”میں ہے وہ چودھری کا بھوت ہی گارس ہو۔“ انور نے کہا۔

”لیکن آخر چودھری کی کوئی سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”یکساں سے بڑا سوال ہے۔“ فریدی نے کہا اور بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔ پھر تھوڑی

بڑا بڑا بولا۔ ”اوہ اب یہ بات بھی سامنے آگئی کہ شلائر بھی۔“

”کہہ کیسی چودھری کا بھوت چودھری ہی نہ ہو۔“ رشیدہ نے کہا۔

”پچھے میں بھی سیکھا تھا لیکن بچھلی رات یہ خیال ترک کر دینا پڑا۔“

”کیوں.....؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

ظاہر ہے کہ چودھری پر اسرار طریقے پر غائب ہو گیا تھا اس کی کوئی معقول ہے جا ہے۔ پھر اچا لمک چھ ماہ بعد بھوت کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی رہائی میں کچھ اور لوگ بھی دیکھی لینے لگتے ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو کسی خاص مصلحت کی یاد بھوت بننا ہو گا۔ فرض کرلو کہ وہ اپنی کسی خاص چیز کی حفاظت کے لئے ایسا کر رہا ہے اور کبھی اسی چیز کی تاک میں ہیں۔ چودھری انہیں اس بہروپ میں کوئی سے دور رکھنا چاہتا تھا۔ بھیجنیل رات کو جب میں ان لوگوں سے نیٹ رہا تھا اسی نے مجھ پر پیچھے سے حملہ کیا تھا۔ چودھری ہی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہاں ایک سے زیادہ پارٹیاں، دکھاری ہیں۔ اگر وہ چودھری ہے تو اسے اس سے واقف ہونا چاہئے ورنہ اس نے یہ کیوں بھرا ہے۔ ایسی حرکتیں عموماً بے بس آدمی ہی کیا کرتے ہیں۔ لیکن کل کی بات ہو رہا ہے کہ وہ بے میں نہیں ہے۔ جن لوگوں سے میں لڑ رہا تھا ان پر اس کی موجودگی کا اثر نہیں ہوا تھا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس کی حقیقت سے واقف ہیں اور وہ ان کی سے۔ اب سچو! چودھری اگر اتنا انتظام رکھ سکتا تھا تو پھر اسے بھوت کی شکل میں ظاہر ہو کیا ضرورت تھی اور اگر وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ لوگ اسے بھوت نہ سمجھیں گے تو پھر اس بہر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

”پھر وہ کون ہے؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”کوئی بھی ہو لیکن چودھری نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے کہا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔
”تھوڑی دیر بعد اس نے حمید کو آواز دی۔

”شیوکر ہوں۔“ حمید نے دوسرا سے کمرے سے کہا۔

”اس کے بعد ذرا یہاں آ جاتا۔“

”اس ٹرانسیمیٹر میں پھر کوئی آواز سائی دی تھی؟“ انور نے پوچھا۔

”نہیں لیکن آفس کے ٹرانسیمیٹر میں وہ اشارے بھیجنیل رات کو بھی نہ گئے تھے۔“

”وہ کارمیرے ذہن میں ہے۔“ انور بولا۔

”خطی بیکار ہے۔“ حمید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”تمہیں بازار تک جانا ہے۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔
”کیوں.....؟“

”ایک بڑی پچھلی اور ایک بکری کے بچے کا سر لاو۔“

حمید جرأت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس قسم کی خرید و فروخت عموماً باور چی کیا کرتے تھے۔ فریدی کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”باور چی سے کہئے..... آپ نے مجھے اتنا گھلیا کہھ لیا ہے۔“

”پھر وہی! میں کہتا ہوں فضول باشی مت کرو..... نوکروں کو اس کا علم نہ ہونا چاہئے۔“

”مجھے الومت بنائیے.....!“

”جاو.....!“ فریدی اسے گھوڑتا ہوا بولا اور حمید پر پیٹھتا ہوا باہر چلا گیا۔
رشیدہ ہنسنے لگی۔

”اس کا اسکر یو ہر وقت ڈھیلا ہی رہتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”خوبی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”مگر ہے شاندار آدمی۔“ کل تو اس نے اس بھوت کا صفا یا
قمار دیا تھا۔ تھوڑا بہت کام چور ضرور ہے لیکن جب کوئی کام کرنے پر آ جاتا ہے تو دنیا کی کوئی
طااقت اسے نہیں روک سکتی۔“

”لیکن بعض اوقات بہت تکلیف دہ ہو جاتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”تم اس سے اچھی طرح واقف نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”پروفیسر درانی کے یہاں نوکر کتنے ہیں؟“

”لوک.....!“ شاید یہ نہ بتا سکوں کیونکہ مجھے وہاں اس کے سیکریٹری اور اس کی لڑکی کے
ٹلاوہ اور کوئی نہیں نظر آیا۔“

حمدی کپڑے سے پہن کر پھر اسی کمرے میں آ گیا۔

”تم ابھی گئے نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”سنگے جتاب۔“ حمید ہاتھ پھیلا کر بولا۔ ”میں ابھی اتنا بڑا سراغ رسان نہیں ہوا کہ ناشتا
کرنا بھی بھول جاؤں۔“

بلبرہ

فریدی انور اور رشیدہ سے کافی دریک گنتگو کرتا رہا۔ چودھری کی گشتنگی کا بھی تذکرہ چھڑا۔
”مجھے یقین ہے“ فریدی بولا۔ ”کہ چودھری خود سے غائب نہیں ہوا بلکہ اسے غائب کیا

گیا ہے۔“

”اتفاقات کو آپ جس روشنی میں لے رہے ہیں اس سے تو بھی ظاہر ہوتا ہے۔“ انور نے کہا۔

”لیکن ان سب باتوں کا کیا مطلب ہے؟“ رشیدہ بولی۔

”شاید مطلب بھی واضح ہو جاتا۔ لیکن حمید نے فائز کر کے سب گزرا کر دیا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں اس سے کیا ہوا.....؟“

”جو بھی پاریاں اس کو بھی میں دلچسپی لے رہی ہیں وہ خود اس سلسلے میں احتیاط برتنی ہیں کہ ان کی موجودگی کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”وہ نہیں چاہتے کہ ان کی آپس کی جدوجہد کے سلسلے میں کوئی ایسی بات ہو جس کی خبر پہنچ جائیجے۔ کل بھی ان میں سے کسی نے ریواور نہیں استعمال کیا۔“

”حمدیکے ذہن میں ابھی کچاپن ہے۔“ انور بولا۔

استمنے میں حمید بھی واپس آگیا۔ شاید اس نے انور کا جملہ سن لیا تھا۔ منہ بنا کر کہنے لگا۔

”اور تمہارا ذہن پک کر سڑگیا ہے۔ تم جیسے لوٹوں کی یہ مجال کہ میرے ذہن پر تقید کریں۔“

”بات کہنے کا سیلہ پیدا کرو۔“ انور اپنا اوپری ہونٹ بھیجن کر بولا۔

”اکیلے کوئی کچھ نہیں پیدا کر سکتا۔“ حمید کچھ اور کہنے جا رہا تھا کہ فریدی بول پڑا۔

”لائے یا نہیں؟“

”لایا ہوں۔“ حمید نے تھیلا اس کے سامنے پیچ دیا۔

”اب یہی بد سیلگی ملاحظہ فرمائیے۔“ انور نے مسکرا کر کہا۔ ”باور پچی خانے کے بجائے اسے پہاں اٹھالا رہے۔“

”یہ جنم تمہارے ابلے ہوئے ذہن کے لاائق نہیں ہے۔“ حمید بولا۔ حالانکہ یہ حقیقت تھی

کہ خدا سے بھی نہیں معلوم تھا کہ فریدی نے وہ سب کیوں منگوایا ہے۔

”اوہ.....!“ فریدی نے انور اور رشیدہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”تم نے بھی ابھی ناشستہ کیا ہوا کرچکے ہیں۔“ رشیدہ بھس کر بولی ”اور اگر نہ بھی کیا ہوتا تو تم بھی یہی کہتے۔“

”کیوں.....؟“

”حمدی صاحب کی حق تلفی کے خوف سے۔“ رشیدہ نے کہا۔

”جملہ کچھ چاہیں۔“ حمید نے مہماں بنایا۔ ”مگر خیر میں اخلاق افسوس گا ضرور۔“

پھر اس نے زبردست ایک زور دار قہقہہ لگایا اور سب ہنسنے لگے۔

حمدی شاید ناشتے کے لئے کہتا آیا تھا کیونکہ اس کے آنے کے بعد ہمی ناشتے کی ٹرالی آ؟

ناشتنے کے دوران بھی حمید کی زبان نہ رکی۔

”یار جلدی کرو۔“ فریدی اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”اڑن طشتریوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔“ حمید نے فریدی کی بات اڑا کر ریڈ

مخاطب کیا۔

”وہی جو سب کا ہے۔“

”سب میں تو میں بھی آ گیا لیکن ان کے متعلق میرا کچھ خیال نہیں ہے۔“

”بہر حال دوسروں کے خیال سے تو متفق ہی ہو گے۔“

”دوسروں کی تو میری نظریوں میں کوئی اہمیت ہی نہیں۔“

”اے حمید صاحب۔“ فریدی نے اسے پھرڑو کا۔

”جتاب والا.....! ہاں تو رشیدہ صاحبہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ میری نظریوں میں ان خیالاں کی کوئی اہمیت نہیں۔ نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ کسی سیارے کے ہوائی جہاز ہیں اور نہ یہ کہا تھا کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا کوئی مہلک تھیمار ہیں۔ اللہ جمیں نور ایمان عطا کرے۔ میں یہ ہوں کہ وہ رحمت خداوندی کے خوان ہیں جن میں بھنی ہوئی تیسری اور سیتی کے کلب پائے جاتے ہیں۔“

”اچھا تو میں خود ہمی جاتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔

”بس ایک کپ کافی اور..... آخراً تی جلدی کیوں ہے؟“ وہ اپنی پیالی میں کافی اٹھیلا ہوا بولا۔

ناشتنے کے بعد حمید چلا گیا۔

"حمدیٹھیک کہتا ہے..... یہ سب باور بھی خانے کے لئے نہیں۔" فریدی نے کہا۔

اور تھیا اٹھا کر اس کے اندر دیکھنے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اسے اٹھائے ہوئے کمرے سے چلا۔

"خدا خیر کر کے۔" حمید اپنے چہرے پر سر اسیکی کے آثار پیدا کر کے بولا۔

"کیوں.....؟" رشیدہ اسے تحریر آمیز انداز میں دیکھنے لگی۔

"اب چپ چاپ بہاں سے کھلک لیما چاہئے۔ شاید فریدی صاحب کا پرانا مرض بھر ابھر آیا ہے۔"

"کیا بکتے ہو.....؟" انور بڑا بڑا۔

"نہیں یار.....؟" حمید غمزہ صورت بنا کر آہستہ سے بولا۔ "تم ان کی زندگی کے ماں

اور ان کی ٹریجندیز سے واقف نہیں ہو۔"

"کیا.....؟" رشیدہ نے پر اشتیاق لجھ میں پوچھا۔

"یہ میں نہیں بتا سکتا۔ لیکن یہ تو سمجھی جانتے ہیں کہ کسی بھی غیر معمولی شخصیت کا مالک انہیں چوتھا کھلایا ہوا آدمی ہوتا ہے۔ آج دبکر کی اٹھارہ تاریخ ہے تا۔"

حمدیڈ خاموش ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"آخر تاتے کیوں نہیں؟" رشیدہ بے چینی سے بولی۔

"ہر ماہ کی اٹھارہ تاریخ کو..... مگر نہیں..... کچھ نہیں میں مجبور ہوں۔"

"کس کی باتوں میں پڑی وہ۔" انور منہ سکوڑ کر بولا۔

"انور تم نہیں جانتے۔" شدت غم سے حمید کی آواز طلق میں چھنسنے لگی۔

انور بھی حرمت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ حمید اس سے پہلے کبھی ایسے مودہ میں نہیں آیا تھا۔

"آخر تاتے میں کیا حرج ہے؟" رشیدہ کا اشتیاق بڑھتا جا رہا تھا۔

"ناممکن ہے۔ یہ اس صدی کے ایک بہت بڑے آدمی کی زندگی کا راز ہے۔" حمید آہستہ

سے بولا۔ "لیکن اتنا بتا سکتا ہوں کہ پچھلے ماہ انہوں نے ایک مرغ اور ایک سانپ کے ساتھ میں

برٹاؤ کیا تھا۔"

"بنی.....؟"

"ایک سانپ اور ایک مرغ کوڑا کر بڑی دیریک روٹے رہے تھے۔"

"فلط.....!" رشیدہ بس پڑی۔ "بھلا مرغ کس طرح لا ا ہو گا سانپ سے۔ مرغ تو کوڑ کیکہ رہی مراجاتے ہیں۔"

"بھی تو بات ہے..... انہوں نے مرغ کو شراب پلادی تھی۔"

"کیا بتتا ہے۔" اور بے تحاش بس پڑا۔ لیکن حمید بدستور غلگلن رہا۔ اس نے عجیب غمزہ ازیں رشیدہ کی طرف دیکھا جو سنجیدگی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"اور پھر جب مرغ مر گیا تو وہ اور زیادہ روئے۔"

"تم ہمیں پر وقوف بنا رہے ہو۔" رشیدہ بس پڑی۔

"میں تمہیں یقین نہیں دلانا چاہتا۔" حمید پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر بنا موٹی رہی پھر رشیدہ بولی۔

"ہم کسی سے کہیں گے نہیں۔"

حمدیڈ کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کے چہرے سے ہمکجاہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

"کوئی..... عورت.....؟" حمید انک ایک کر بولا۔ پھر دفترا چوک کر کہنے لگا۔ "نہیں میں..... رشیدہ صاحبہ میں مجبور ہوں۔"

رشیدہ کے چہرے پر الجھن کے آثار پھر ابھر آئے تھے اور وہ انور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"غسل و قوت برپا کر رہی ہو۔" انور ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ حمید نے چھت کی طرف دیکھ کر اہمہنہ بیالا جیسے غلگلن سروں میں سیٹی بجائے گا۔ پھر انور کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

اوڑا بے امیرا تھی جگہ ہے کہ ایک نیم پاگل آدمی کے ساتھ دن رات رہتا ہوں۔ تم فریدی بکار بروزندگی سے واقف نہیں ہو..... اگر تم کسی آدمی کے کمرے میں.....!

بکار بروزندگی ہو گیا اور رشیدہ بے تابی سے کری پر پہلو بد لئے گی۔

"تم ایک ہفتہ قتل کی بات کر رہا ہوں..... ایک رات تقریباً دو بیجے میری آنکھ کھل گئی۔"

"مماوش ہو گیا۔"

حید کی آواز بھرائی اور اس کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو گالوں میں ڈھلک آئے۔
رشیدہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی شریف آدمی کو غیر ارادی طور
پر گال دے بیٹھنے کے بعد نہ امت کا انہما کر رہی ہو۔

”اچھا آؤ.....!“ حمید رومال سے آنسو خشک کر کے اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں دکھاؤ۔

آن ہی کوئی بیان گل کھلے گا۔ لیکن تمہیں اس طرح چنانا ہو گا کہ تمہارے قدموں سے آواز پیدا نہ ہو۔“

وہ انہیں اپری منزل پر لے آیا جہاں فریدی کی تجربہ گاہ تھی۔ حید انہیں ٹھہر نے کا اشارہ
کر کے بیچوں کے مل ایک کھڑکی کے قریب آگیا۔ چند لمحے تجربہ گاہ میں جھاٹکا رہا پھر پلت کر
انہیں تربیب آنے کا اشارہ کیا۔

وہ دونوں دبے پاؤں کھڑکی کے پاس آگئے۔ فریدی ایک بڑی میز کے قریب کھڑا تھا۔

ان نے اپنے اتھم میں ایک ایسی مجھلی لٹکا رکھی تھی جس کا سر بکری کا تھا۔ اس کے ہونتوں پر عجیب
نمکی مسکراہٹ تھی۔

”اب چپ چاپ ٹکل چلو۔“ حمید آہستہ سے بولا اور وہ تینوں دبے پاؤں نیچے آگئے۔

”اب تم لوگ جاؤ.....! میری شامت آنے والی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....؟ یہ کیا تھا.....؟“

”بکر مچھ.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”جب سوچتے سوچتے ان کا دماغ تھک جاتا ہے تو

”ایسا ہی تم کی ایک مجھلی بناتے ہیں۔ اے بکر مچھ کہتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور

”بکر میری گردن دبوچ کر انتہائی غصے میں کہتے ہیں کہ اس کی پوچا کرو۔“

”کوئاں ہے۔“ انور نے کہا۔

”یاد تم مجھ پر اعتاد نہیں کرتے۔ کیا تم نے انہیں یہ کہتے نہیں سناتا۔ حید جانتا ہے کہ یہ

”بلجھانے کے لئے نہیں ہے۔“

اور متذبذب نظر آنے لگا۔

”اچھا.....! اب جاؤ.....! میں نہیں چاہتا.....!“

انور اور رشیدہ ھوڑی دیریکٹ خاموش کھڑے رہے پھر جانے کے لئے مڑے اور حید بولا۔

اور انور بھٹا کر بولا۔ ”ارے تو بتاؤنا.....!“

”دل نہیں چاہتا.....! مگر خیر فریدی صاحب کے سامنے اس کا تذکرہ تھا آنے پاے
آہستہ سے بولا۔“ میں نے ان کے کمرے میں اچھل کو کی آواز میں سنیں اور گھبرا کر اپر
سے نکل آیا۔ ان کے کمرے میں خاصی ہڑبوگ بھی ہوئی تھی.....! وہ میرے خدا
بڑے باولوں والی کستیا کو شراب پلارے ہے تھے۔“

”بکواس ہے.....! کتنے شراب نہیں پیتے۔“ انور نے کہا۔

”لیکن وہ پلارے ہے تھے.....! فریدی جیسے ذہین آدمی کے لئے دنیا کی کوئی باد
نہیں۔ شراب کسی جا فور یا پرندے کے خون میں ملا کر دی جا رہی تھی۔ بہر حال اس کے
نے جو پچھ دیکھا.....! ہرگز نہ بتاؤں گا۔“

”چلو رشیدہ دیر ہو رہی ہے۔“ انور اٹھتا ہوا بولا۔

”حید اپنے پاپ میں تباکو بھرنے لگا۔

”بتاؤنا.....!“ رشیدہ انور کی بات نظر انداز کر کے بولی۔

”کیا فائدہ.....!“ حمید کی آواز رقت اگیز تھی۔ ”تم من کرنہ سنو گی۔ لیکن میں حق ہے
کہ فریدی صاحب کو کبھی کوئی دردناک حادثہ بیش آیا ہے۔“
انور نے رشیدہ کی طرف دیکھا اور پھر جھٹکے کے ساتھ کری پر بیٹھ گیا۔ رشیدہ کے اس
نی الحال اٹھنے کا ارادہ نہیں ظاہر ہو رہا تھا۔

”وہ کستیا کو شراب پلا کر تھوڑی دیر تک اس کی طرف دیکھتے رہے پھر سینے پر ہاتھ
آہستہ سے کہا۔ ”قرالساڈار لنگ.....!“ پھر وہ شاید اس کی تھوٹتی سے اپنے ہونٹ ملانے
تھے کہ بف کر کے وہ پیچھے ہٹ گئی۔ وہ پھر بولے۔ ”قرالساڈار لنگ میں مر جاؤں گا۔ کستیا
بھوکنے لگی تھی۔ بہر حال وہ اس کا منہ چومنے میں ناکام رہے۔“

”رشیدہ.....!“ انور کے لمحے میں جھلاہٹ تھی اور رشیدہ بر ابر ہنسے جاری تھی لیکن
چہرہ بالکل ایسا ہی نظر آ رہا تھا جیسے وہ کسی لاش کے سرہانے بیٹھا ہو۔
”میں کہتا تھا کہ تم سنو گی۔ فریدی صاحب پر اسی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔“

”اب مجھے اپنی خیرمنانی چاہئے۔“

جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ چالک کے باہر پہنچ گئے ہوں گے تو اس دار قہقہہ لگایا اور خود ہی اپنی پینچھے ٹھوٹکنے لگا۔ پھر دھناتے سے فریدی دکھائی دیا۔ وہ زینما اتر رہا تھا..... اسے احقوں کی طرح ہستاد کیکھ کر رک گیا۔

”سب ٹھیک ہو گیا۔“ حمید نے قفاری لگائی۔ ”رشیدہ میرے ساتھ شادرو رضامند ہو گئی ہے۔ اس بات پر اس میں اور انور میں جھگڑا ہو گیا اور وہ دونوں چل گئے

”باؤں پر یہیں آ سکتا ہے۔“
”بلیں ہوش رہا پڑھی ہے تم نے؟“ انور نے پوچھا۔
”ہاں..... کیوں؟“
”اس کا ایک کردار عمر و عیار ہے۔“
”ہاں.....!“
”یہ کم بخت اس سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ عموماً خود کو بالکل احتیٰظ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے زبردیلے پن سے میں ہی واقع ہوں۔ جانتی ہو اس نے ہم لوگوں کو کیوں بدل دیا تھا۔“

رشیدہ نے فتحی میں سر ہلا دیا۔

”اس نے یہ سب کچھ ہمیں ٹالنے ہی کے لئے کیا تھا۔ اگر ہم لوگ وہاں نہ ہبھرتے تو اسے ہماری ٹنگلوں میں حصہ لینے پر مجبور ہونا پڑتا۔ معلوم نہیں ہمارے اس طرح چلے آئے پر اس نے فریدی صاحب سے کیا کہا ہو گا؟“

”لیکن اس تصویری کی اشاعت سے فریدی صاحب کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ رشیدہ نے پوچھا۔

”معلوم نہیں..... ان کے طریقے ذرا مشکل ہی سے سمجھ میں آتے ہیں۔“

رشیدہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انور نے رشیدہ کو اشارہ کیا۔

”بیلول۔“ رشیدہ نے رسیور بالٹھا۔ ”اوہ..... ہی ہاں..... اچھا۔“ وہ پھر انور کی طرف ہزار بولی۔ ”تمہارا فون ہے۔ فریدی صاحب ہیں۔“ انور نے رسیور رشیدہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ ”بیلول..... ہی..... ہی..... اچھا..... ابھی آیا۔“ انور نے رسیور رکھ دیا۔

”کہاں.....؟“ رشیدہ نے پوچھا۔

”پروفیسر چودھری کی کوئی پر۔ اگر کوئی کام پنڈگ میں نہ ہو تو چلو۔“

”دونوں نیچے آئے۔“ انور نے موڑ سائکل فٹ پاٹھ سے سڑک پر اتاری اور دونوں پروفیسر کی کوئی کی طرف روانہ ہو گئے۔

چالک پر پولیس کا پہرہ تھا۔ لیکن شاید انہیں پہلے ہی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ اس لئے

چوکور کنوال

دوسرے دن انور اپنے آفس میں نو اخبار کے ہم عمر اخبارات کے تازہ ثمار تھا۔ دفتار وہ چوک پر۔ اس کے ہاتھوں میں ایک مقامی اور کثیر الاشاعت اخبار تھا۔

”شو.....!“ اس نے رشیدہ کو مخاطب کیا جو تاپ رائٹر پر سے ڈھکن اخباری جی میں نہ کہتا تھا تم اس نو ترکوں نہیں جانتیں۔“

”کے.....؟ کیا بات ہے۔“

انور نے اخبار اس کی طرف چھینک دیا۔ رشیدہ نے پہلے ہی صفحہ پر ایک بے غریب آبی جانور کی تصویر دیکھی جس کا سر بکری کا تھا اور دھڑکی کا۔ اسی کے نیچے ایک

میں کہا گیا تھا کہ اٹھاڑہ دکبیر کو اس پکڑا ہم کمال فریدی نے ایک ماہی گیر سے ایک ایک

ہے جس کا سر بکری کا ہے اور اس کے بعد فریدی کی افداد طبع کے متعلق ایک داستان تھی مطابق وہ عجائب کا شوقین اور ایک عمدہ قسم کے جھوٹے موٹے عجائب خانہ کا مالک تھا۔

”کمال کا آدمی ہے۔“ رشیدہ اخبار رکھ کر بولی۔ ”وہ زوبھی تو رہا تھا..... کسی کو؟“

انہوں نے انور کی موڑ سائکل نہیں روکی۔ پوری ٹکوٹی میں دونوں اتر گئے۔ ٹکلے سرائے رسالی کا آدمی ان کی رہنمائی کے لئے برآمدے میں موجود تھا۔

فریدی اور حمید ایک کرے میں خاموشی سے کھڑے کسی مسئلے پر غور کر رہے تھے۔ اور رشیدہ کو دیکھ کر حمید نے تھپٹہ لگایا اور رشیدہ جھینپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگی۔

”مسز چودھری نہیں آئیں؟“ فریدی نے اس آدمی سے پوچھا جو انور اور رشیدہ کو تک لایا تھا۔

”جی نہیں۔“

”اچھا تو جاؤ.....!“ فریدی نے کہا۔ ”وہ بھی آئی رہی ہوں گی۔“

اس کے جانے کے بعد حمید نے سکر کر انور کی طرف دیکھا۔

”امید ہے کہ تم نے بکرچھ کی تصویر آج کے مورنگ نیوز میں خورد کیمی ہو گی۔“ اس نے ”بھائی حمید! واقعی تم بڑے خطرناک آدمی ہو۔“ رشیدہ ہنس کر بولی۔

”انہوں کے سامنے ایسا ہے کہو۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔ ”ورنہ خود کشی کر لے گا۔“

”فریدی کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ان کی گفتگو میں کوئی دیکھی نہ لے رہا۔“ کمرے کے پیر و فریدی دروازے میں کھڑا باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ پروفیسر چودھری کے سونے کا کرہ ہے۔“ دفعتاً اس نے مڑ کر انور سے کہا۔ ”اے.....“

سے غائب ہوا تھا اور وہ دروازہ جو ہاں میں کھلتا ہے اندر سے بند پایا گیا تھا اور یہ دروازہ.....

اس نے پیر و فریدی کے طرف اشارہ کیا۔ انور دروازے کے قریب جا کر باہر دیکھنے لگا۔

دروازہ پائیں باغ کی طرف کھلتا تھا لیکن اس طرف کے حصے میں بندقی سی تھی۔ یہاں پہنچا کیا ریاں نہیں تھیں۔ اس طرف کی ہندی کی پاڑھ کی بھی شاید عرصے سے جرنیں لی گئی تھیں۔

حضر دراصل سائٹ کا تھا۔

”قیاس ہے کہ وہ اسی دروازے سے نکل کر گیا تھا۔“ فریدی پھر بولا۔

”میں کہتا ہوں کہ اب اس کے پیچے پڑنا ہی فضول ہے۔“ حمید نے اتنا کہا۔

”کیوں.....؟“

”چھ ماہ تک کی بات ہے۔ لیکر پیٹنے سے فائدہ۔“
”لیکر.....!“ انور ٹھریہ انداز میں بنا۔

”اچھا میاں ترم خال۔“ حمید اپنا ہوت چھپ کر بولا۔ ”تمہیں بھی دیکھ لیں گے۔“
”فضول باتوں سے کیا حاصل۔“ فریدی نے سکار سلاک کر کہا۔ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ
”میں قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازے میں مسز چودھری نظر آئی۔“ انور اور رشیدہ کو
کر دیکھ لیکن پھر دلاؤ دیز انداز میں سکراتی ہوئی بولی۔ ”مجھے شاید کچھ دیر ہو گئی۔ آج اپنے
لمر میں کتنی اجنیبت محسوس کر رہی ہوں۔“

”میں نے ایک خاص مقصد کے تحت آپ کو تکلیف دی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”تکلیف تو دراصل میں نے ہی دی ہے۔“ مسز چودھری مسکرا کر بولی۔

”تصویز دیر کے لئے میں پھر وہی غم ناک موضوع چھپنا چاہتا ہوں۔“

فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے چودھری صاحب کی مشغولیات کے متعلق کچھ بتا سکیں گی۔“
”میں پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ مجھے ان کی مشغولیات سے کوئی دیکھی نہیں تھی۔“

”میرا مطلب ہے کہ جس زمانے میں وہ غائب ہوئے کیا کوئی ایسی بات آپ نے ان
ملنوں کی تھی جو آپ کے لئے باعث حرمت ہو۔“

”مسز چودھری کچھ سوچنے لگی۔ پھر آہستہ سے بولی۔“

”مجھے یادیں پڑتا۔“

”آپ نے مجھ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ ان کی چیلیں بھی موجود تھیں۔“

حمد فریدی کے اس جملہ پر خاص طور سے مسز چودھری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ لیکن اس
نے چھپے پاشکلال کے علاوہ کچھ اور نہیں پایا۔

”بات یہ ہے۔“ وہ معموم آواز میں بولی۔ ”کہ میں اس خیال سے خوف کھاتی ہوں کہ وہ
اہدیاں میں نہیں ہیں۔“

فریدی اس کے چہرے کو بغور دیکھنے لگا۔ مسز چودھری کی نظریں جھمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً اس
نے اپنی لہی پلکنس اٹھائیں اور فریدی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر پھر نظریں جھکائیں۔

"میں جانتی ہوں کہ اس کا کیا مطلب ہے گر پھر بھی میں یہ نہیں سوچتا چاہتی۔"
"یعنی آپ کو اس حداثے کی توقع تھی۔" فریدی نے پوچھا۔
"قطیعی نہیں..... اس قسم کے حالات ہی نہیں تھے۔"

"پھر آپ نے یہ کس طرح اندازہ لگایا کہ وہ اس دنیا میں نہیں۔"
اس نے اچانک نظریں اٹھائیں اور فریدی کو بیغور دیکھنے لگی۔

"کیوں..... کیا آپ نے ابھی چلپوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔" اس نے کہا۔ "ظاہر ہے۔"
اگر وہ اپنے پیروں سے چل کر کہیں گے ہوتے تو ان کے پیروں میں کم از کم چلپیں ضرور ہوتیں۔
"اس وقت کی تکلیف دی گراں تو نہیں گزری۔" فریدی نے مسکرا کر پوچھا۔
"اوہ قلعی نہیں۔"

"دنی الحال آپ کو تکلیف تو ضرور ہی ہوگی آپ کو اپنی کوئی چیزوں دینی پڑی ہے۔"
"ظاہر ہے کہ دوسرے کے گھر میں آرام نہیں مل سکتا۔"

فریدی خاموش ہو کر باہر دیکھنے لگا۔ حمید انور اور رشیدہ کے چہروں پر اکتا ہٹ کے آڑا
آرہے تھے۔

"کیا وہ بھی حوض تھا.....؟" فریدی۔ نے باہر دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔
حمد وغیرہ کی نظریں ایک حوض پر جم سیں جس کے پختہ کنارے زمین کی سطح پر ابھر
ہوئے تھے۔

"جی نہیں کنوں تھا۔" مزچودھری نے کہا۔ "عرضہ ہوا پاٹ دیا گیا ہے۔"
"چوکو کنوں.....؟" فریدی مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں.....!" مزچودھری بولی۔ "یہ بھی چودھری صاحب کی افادیج کا نتیجہ تھا۔ اب
دن یونہی بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ اگر چوکو کنوں بنوایا جائے تو کیسی رہے۔ اس وقت یہ بات
میں ٹل گئی لیکن دوسرے ہی دن انہوں نے کام شروع کر دیا۔ بہر حال مذاق ہی مذاق میں
سینکڑوں روپے برباد ہو گئے۔ شروع میں تو اس میں پانی نکلا لیکن کچھ دنوں بعد وہ بالکل ڈکھ
ہو گیا اور پھر اسے پاٹ دیا گیا۔"

زپی خاموشی سے سختار ہا۔ مزچودھری کی بات ختم ہوتے ہی بولا۔
"چودھری صاحب کے غائب ہو جانے کے بعد پانچ گیا تھا۔"
"میں ہاں..... پانچ کام انہوں نے ہی شروع کرایا تھا..... لیکن کام ختم ہونے سے پہلے
غائب ہو گئے تھے۔"
"اوہ.....!" فریدی متنی خیز انداز میں انور کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "انداز کتنا کام باقی
راہ ہوگا۔"

"یہ تو مجھے یاد نہیں رہا۔" مزچودھری کے لمحے میں اکتا ہٹ تھی۔
"خیر.....!" فریدی نے موضوع بدلا۔ "کوئوت نے چودھری صاحب کی تلاش کا کام
باہرہ طور پر ٹکھر سراغ سرفی کے پرورد کر دیا ہے۔ حکومت کو صحیح معنوں میں ان کے متعلق تشیع ہے۔"
"تو میں یہاں کب تک واپس آسکوں گی؟"
"ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
مزچودھری کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔ "آخروہ لوگ کون میں جو کوئی میں گھس آئے
تھے اور وہ کون تھا جس کے تیر لگا تھا.....؟"

"کچھ بھی نہیں معلوم ہوسکا۔" فریدی نے سگار سلاکتے ہوئے کہا۔ "میں ایک بار پھر آپ
سے اس وقت کی تکلیف دی گئی کی معانی چاہتا ہوں۔"

کچودھری بھگٹی کر فریدی اب اسے ٹالا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی پھر بولی۔
"اجازت ہے۔"

"شوئ سے! تکلیف کا بہت بہت شکر یہ۔"

کچودھری جل گئی۔ حمید نے فریدی کی طرف دیکھ کر نہ اسامنہ بنا یا۔
"اپنی خوبصورت عورت سے تو ڈھنگ سے بات کیا کیجھ۔" اس نے کہا۔

"اجازت ہے۔" فریدی اس کی طرف مُرکب بولا۔ "بقیہ ڈھنگ کی باتیں آپ کر لیجھے۔"
"کیا وہ تصویر پروفیسر درانی کے لئے ہے۔" انور نے پوچھا۔
"ہوں.....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس عورت کو اپنے شوہر کی کسی بات سے دیچی

”سکیں..... کیا داغ دی شکایت۔“ اس نے نہیں کہا۔ ”اب آپ ہی بتائیے اگر میں دیوار پر گھونسہ مارنے سے روکتا تو یہ الائچے بد اخلاق سمجھتا۔ عجیب اٹھی کھوپڑی ہے۔ اگر

”محلی اس کے سر سے چکاتے تو خاصا مناسب رہتا۔“

فریدی نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پائیں باغ کے مالی کو آواز دی اور ایک پھاڑا لانے کو کہا۔

چاہوڑا آنے پر فریدی نے کوئیں کی طرف اشارہ کر کے حمید سے کہا۔

”چلو کوڑو.....!“

”کہیں میں بھگ تو نہیں پی گیا۔“ حمید فریدی کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”جلدی کرو۔“

”تاڑ کے دکھاتے ہیں۔ میں کمزور نہیں ہوں۔“ حمید نے کہا اور چاہوڑا اٹھا کر پل پڑا۔

”اس کے یہاں سات پشت سے بھی پیشہ ہوتا آیا ہے۔“ انور نے قہقہہ لگایا۔

”بینے دعائیں دو رشیدہ کو۔۔۔ ورنہ آج کسی گھوڑے پر کتوں سے لڑتے ہوئے نظر نہ۔“ حمید بولا

حمد تھوڑی دیریکھ کھوڈتا رہا پھر چاہوڑا رکھ کر فریدی کی طرف مڑا۔

”مجھے کھونے سے انکار نہیں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ مجھے ذلیل کرنے پر تسلی میں لیکن اتنا تاد بجئے کہ یہ صرف میری سزا ہے یا آپ اس میں سے لگوڑوں کا جوڑا برآمد نہ کی تو قرکھتے ہیں۔“

”اہ ہٹ آؤ۔“ فریدی نے کہا۔ حمید جلدی سے چاہوڑا چھوڑ کر ہٹ آیا۔

”کیا..... دھماکا ہو گا.....؟“ اس نے اس انداز سے کہا کہ انور اور رشیدہ دونوں نہیں پڑے۔

”یار یکار بیجا مت چاٹ۔“ فریدی ہاتھ ہلا کر بولا۔ پھر اس نے سول پولیس کے اے لئائی کو بلا کر چند مزدوروں کے لئے کہا۔

”اکیں قیاس کی بناء پر میں ایسا کر رہا ہوں۔“ اس نے انور سے کہا۔ ”یہ تو کلیے ہے کہ یہی خود سے کہیں نہیں گیا اب اس کے جانے کی بھی دوہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اسے

ہی نہیں تھی۔“

”آپ کو بیٹھنا حیرت ہوگی۔“ حمید نے طڑ آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”کیکل کا یوں کا تجھر نہیں۔ قبلہ فریدی صاحب میاں اور یوں ایک ہی سانچے میں نہیں ڈھانے والا ہے۔ اس لئے اللہ پاک کے حضور میں نیما مشورہ ہے کہ یا تو میاں یوں کو ایک ہی سانچے ڈھانلا کرے یا پھر عورت اور مرد کے تعلقات پر سے بالکل کنشروں ہٹالے۔“

فریدی اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر باہر چلا گیا۔

”ہر وقت تائیں تائیں۔“ انور نے سگریٹ سلاکتے ہوئے کہا۔

”اور تم دوپول ٹائیں ٹائیں فش.....!“ حمید نے رشیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پاپ سبھرنے لگا۔

”یہ کیا یہودگی ہے۔“ انور سے گھومنے لگا۔

”اپنا الجھیک کرو۔ ورنہ ٹو بنا دوں گا۔“

انور سگریٹ پھیک کر حمید کی طرف بڑھا اور حمید نے اپنا پاپ میز پر رکھ دیا۔ چھپت کر دوپول کے درمیان آگئی۔

”تم خواہ خواہ بیچ میں آ کوئی ہو۔“ حمید نے رشیدہ سے کہا۔ انور نے رشیدہ کو ایک ہٹا دیا۔۔۔ اور پھر اس کا گھونسہ دیوار پر پڑا۔ انور جھلا کر پلتا۔

”اتنی ہی سزا کافی ہے۔“ حمید میز پر سے اپنا پاپ اٹھاتا ہوا پسکون لجھ میں بولا۔ نے بڑی پھرتی سے دار خالی دیا تھا۔

رشیدہ انور کو دروازے کے باہر ڈھیل لے گئی۔

”کیا بات ہے؟“ فریدی نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔ وہ اس بند اور چکر کو ٹوپر قریب کھڑا تھا۔

”کچھ نہیں۔“ رشیدہ نے کہا۔ ”میرے خیال سے انور اور حمید کو ایک جگہ اکٹھانے کا کام یار میں عاجز ہوں اس لگدھے سے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا ہیا۔ پھر حمید کو آواز دی۔ حمید لاپرواںی سے پاپ سبھا پیتا ہوا باہر آیا۔

”کوئی صاحب صبح سے کئی بار فون کرچکے ہیں۔ انہوں نے اپنا فون نمبر بھی لکھوا دیا ہے کہ پیسے ہی فریدی صاحب واپس آئیں انہیں بتائے ہوئے غربوں پر فون کرنے کی تاکید کی جائے۔“

”جید نے نمبر دیکھے پھر ٹیلی فون ڈائریکٹری اٹھائی۔ وہ نمبر پروفیسر ہی کے ثابت ہوئے۔“

”تھوڑی دیر بعد جید پروفیسر درانی کو فون کر رہا تھا۔“

”کون؟“ ”دوسری طرف سے عجیب قسم کی آواز آئی۔“

”انپکٹر فریدی۔“ ”جید بولا۔“

”اوہ..... اچھا.....!“ ”غراہست سنائی دی۔“ اس وقت تم پروفیسر درانی بیالوجست سے ہم کام ہونے کا شرف حاصل کر رہے ہو۔“

”جید نے باقاعدہ کان کھڑے کئے اور ناک رگڑ کر بولا۔“ ”اشرف! کون اشرف؟“

”اشرف نہیں شرف.....!“ ”غراہست پچھتیز ہو گئی۔“

”لیکن..... میں شرف نہیں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے..... مجھے احمد کمال فریدی کہتے ہیں۔ اکثر انگریز فراڈ بھی کہتے ہیں۔“

”جنم میں گئے انگریز.....!“ ”دوسری طرف سے آواز آئی۔“ ”کیا تم بالکل جاہل ہو؟“

”نمیں..... کامل بھی یہاں نہیں رہتے۔“

”کامل نہیں..... جاہل..... جاہل.....!“ ”بڑی زور دار جیخ سنائی دی اور جید کا کان چھین گھنا اٹھا۔“

”کامل تو میں بہت ہوں..... پر آپ کام بتائیے۔“

”جنم میں جاؤ.....!“ ”یہ بھی جیخ ہی تھی۔“

”جید اپنی فہمی روکنے کی کوشش کرنے لگا۔“

”تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔“

”تم وہ مچھلی خریدنا چاہتا ہوں۔“

”کون ہی مچھلی.....؟“

”وہ جس کی تصویر مورنگ نیوز میں شائع ہوئی ہے۔“

”تو بکر مح مح کئے نا.....!“

”میں کر رہے ہی میں گلا گھونٹ کر مار ڈالا گیا یا زندہ لے جایا گیا۔ مار ڈالنے کی صورت میں کی لاش کو کہیں اور نہ لے گئے ہوں گے جب کہ یہ آدھا یادہ تھا۔ بھرا ہوا کنوں قریب ہی موجود تھا۔“ ”اور اگر فرض تکمیل کرو ہے اسے زندہ ہی لے گئے ہوں تو۔“ ”جید بولا۔“

”میں اس کے امکان سے انکار تو نہیں کرتا مجھے اس پر بھی یقین کامل نہیں ہے کہ مار کی صورت میں بھی انہوں نے اسے اسی کنوں میں دفن کیا ہو۔..... ممکن ہے وہ اس کوسر نظر انداز ہی کر گئے ہوں۔“

”تو پھر اسے کھو دنے سے کیا فائدہ؟“

”تو جتاب جید صاحب آپ جادو گرو ہیں نہیں کہ ڈرائیکٹ روم میں بیٹھ کر چوہڑا لگائیں گے۔ یا رتو مجھے ناولوں کا شرلاک ہومز کیوں سمجھتا ہے۔“

”خیر چلنے یہ بھی نہیں۔“ ”جید پچھہ سوچتا ہوا بولا۔“ ”اگر انہوں نے اس کی لاش یہاں بھی ہو گئی تو چچہ ما بعد آپ کیا نکالیں گے؟ وہ کیڑے؟ جو خود بھی خاک ہو چکے ہوں گے۔“

”پھر بھی.....!“ ”فریدی مسکرا کر بولا۔“ ”مجھے اس چوکور کنوئیں کو دیکھنے کا شوق ہے۔“

”یوں دیکھنے کو آپ تخت المژہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ میں آپ کی آنکھیں نہ بند کردا۔“

”اچھا اب برآ کرم گھر تشریف لے جائیے۔“ ”فریدی اسے گھور کر بولا۔“

”ٹکریہ۔“ ”جید جانے کے لئے مرا۔“

انور وغیرہ کے آنے سے پہلے بھی فریدی اسے گھر واپس جانے کی تاکید کر کا کھا۔ دراصل پروفیسر درانی کے فون کی توقع تھی اس نے وہ چاہتا تھا کہ جید گھر ہی پر موجود رہے مچھلی کی تصویر دیکھ کر پروفیسر درانی کا چونکنا لازمی تھا۔ ماہر علم الاجسام ہونے کی حیثیت ہمیشہ ایسی چیزوں کی طرف سب سے پہلے دوڑتا تھا۔ ایک بار شہر میں ایک گائے نے ایسا تھا جس کے تین سر تھے۔ کئی لوگ اس کے خواہاں تھے لیکن درانی نے سب سے زیادہ اُن کے اسے خرید لیا تھا۔ اسی قسم کے کئی اور بھی واقعات تھے۔ جن کی بنا پر یہ سمجھا جائے کہ وہ اس مچھلی کے لئے ضرور کوشش کرے گا۔“

فریدی کا خیال سو فیصدی صحیح تکلا۔ گھر پہنچنے ہی ایک نوکر نے بتایا۔

بلدینر⁸

بھنا کر اس نے پھر رسیور اٹھایا اور پروفیسر چودھری کے فون کے نمبر ملانے لگا۔
 ”ہیلو..... پانچ سات تین آٹھ..... انگریز فریدی صاحب کو فون پر بلائیے۔“ وہ تھوڑی
 دیکھ خاموش رہا پھر بولا۔ ”ہیلو..... میں الوکا پٹھابول رہا ہوں..... وہ سالی کمر مچھ و بال جان
 ہو گئی ہے۔“ پھر اس نے پوری رواداد ہرادی۔
 ”صبر کرو بیٹھ۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”کوئی سے انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ
 بدآہ ہوا ہے۔“

”کیا.....؟“ حمید بوکھلا کر سر کھجانے لگا۔

”انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ۔“

”لگور کا ڈھانچہ ہو گا۔ پھر سے غور کیجئے۔“

”لگور انگلی خیں پہنا کرتے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

حمد نے ایک مجھکے کے ساتھ رسیور کر دیا اور بڑیراٹے لگا۔

”یہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہو سکتا..... ہات تیری لفڑیر.....!“

”دفعاً باہر کی گھنٹی بھنی شروع ہو گئی۔“

”پھر کوئی آیا..... ہات تیری بکر مچھکی.....!“

اس نے جھلا کر جست لگائی اور صوفے پر چڑھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان
 لوگوں سے کس طرح چیچا چڑھائے، جو اس مچھلی کے درشن کے لئے جو ق در جو ق ٹلے آ رہے
 تھے۔ تو کرنے ایک کارڈ لا کر دیا۔ یہ پروفیسر درانی کے پرائیویٹ سیکریٹری کا ملاقاتی کارڈ تھا۔
 حمید جھلاہٹ میں دوڑتا ہوا ذرا اسٹگ روم میں آیا۔ پہلے سیکریٹری کو خونخوار نظرؤں سے گھورتا رہا پھر
 چڑھ کر بولا۔ ”گٹ آؤٹ“

”جناب..... جناب.....“ سیکریٹری اٹھتا ہوا بولا۔

”بالکل تکل جاؤ..... دوڑ جاؤ۔“ حمید طلق کے بل چینا۔ ”اگر اس سالے کا دماغ خراب
 ہے تو میں بھی کوئی شریف آدمی نہیں۔ وہ کون ہوتا ہے میری مچھلی خریدنے والا..... سالا میری
 لین کرتا ہے۔“

حمد نے ایک بے ہنگم قیمتی کی آواز سنی اور پروفیسر پھر بولنے لگا۔

”تم آدمی ہو یا مخترے..... تم نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا نام ہو سکتا ہے؟“ حمید بے نی سے بولا۔

”میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔ کیا قیمت ملتگئے ہو؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں نہیں بیچتا چاہتا..... اس لئے کچھ قیمت نہیں ملتگا۔“

”تم لوگوں کو عقل کب آئے گی۔“ پروفیسر غرایا۔ ”تم اسے اپنے کمرے میں رکھ کر مرز

بلیں جاؤ گے اور میں دنیا کے سامنے ایک نیا تجربہ ٹھیں کروں گا۔“

”میں نہیں چاہتا کہ آپ ساری دنیا کو بلیں بجانے پر مجبور کریں۔“ حمید نے کہا۔

”شش اپ.....!“

”یو شش اپ۔“ حمید نے رسیور کھ دیا اور سوچنے لگا کہ واقعی وہ خوناک آدمی ہو گا۔
 کی آواز ہی کم ڈراؤنی نہیں تھی۔

کچھ دیر بعد اسے ایک خنی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ فریدی اور اس کے ملاقاتیوں کا ہا
 بندھ گیا تھا۔ وہ سب اس حرث انگریز مچھلی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ حمید بوکھلا گیا۔ اب انہیں
 جواب دے۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی نے اسے تربیت سے دیکھ لیا تو پول کھل جائے گا۔ ان سے
 نے کہہ دیا کہ وہ ایک لیبارٹری میں بھجوادی گئی ہے جہاں اسے اس قابل بنا لیا جائے گا کہ ”دنیا
 عرصہ سک خراب نہ ہو سکے۔“

انہیں تو خیر کسی نہ کسی طرح سے ملال دیا۔ لیکن دوسری مصیبت زد اصل برآزمائی۔ اس۔

مچھلے کے آفسروں کے فون بھی آنے لگے وہ بھی اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ خصوصاً ڈی۔ آئی۔ نی۔
 نرمی طرح بے تاب تھا۔ حمید نے انہیں بھی وہی جواب دیا جس پر اسے تاکید کی گئی کہ لیبارٹری
 سے آتے ہی وہ ان سک پہنچائی جائے۔ ان کی بیویاں ان سے زیادہ بے بھین تھیں، لہذا ایسا
 ایک بار پھر سوچتا پڑا کہ عورت زندگی کے ہر شعبے میں تکلیف دہ حد تک و بال جان ہو جائی۔
 اگر خود اس کی کوئی بیوی ہوتی اور وہ اس قسم کی کوئی اتفاق خواہش ظاہر کرتی تو وہ اس کی ناک
 ذات (کام اکھاڑنے کی دھمکی تو سبھی دیتے ہیں)۔

حمد نے اسے دھکے دے کر ڈرائیکٹ روم سے نکال دیا۔ اس کے جانے کے بعد بڑی بڑی نہ لگا۔ ”چلو یہ مرحلہ بھی تینروں خوبی ملے ہوا..... اب کیا کرنا چاہئے..... مگر یہ سارے گھنٹی پھر تجھی شروع ہو گئی تھی۔

حسین عیارہ

مارا اور اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر اس پر یہ روشن ہو گئی کہ کوئی اس دروازے سے اندر گھسا ہے کیونکہ اوپر کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا، جو کمپ دیتی ہی توڑا گیا تھا۔

حمد نے تین کتوں کو تو وہیں چھوڑا اور ایک کا پسہ پکڑ کر گھستتا ہوا اندر لایا۔ پھر نوکروں کو دے کر اس نے انہیں بھی ہوشیار کر دیا۔ کتابوں میچاتا ہوا ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ وفتا کرنے کا دروازہ وہڑا کے ساتھ بند ہوا اور حید اس پر پل پڑا۔ کوئی دوسرا طرف سے ہا کر، جتنی بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حید نے ایک بار پھر اپنی پوری قوت سے جھٹکا دیا۔ یہ طرف کوئی گرا اور حید بھی اپنے ہی زور میں اس پر چاپڑا۔ اسی کے پیچھے کتاب بھی تھا جس ایک آدھ پنجے سے بھی مارے۔ کمرے میں اندر میرا تھا۔ اچاک حید کو ایسا حسوں ہوا جیسے کام ہملا کا ہو کر، ہو اہل اٹھنے لگا ہو۔ کیونکہ اس کے پیچے دبا ہوا جسم کسی مرد کا نہیں تھا۔ حید کی نڈھی پڑ گئی۔ قتل اس کے وہ ترپ کر نکل جاتی اس نے اس کے بال مضبوطی سے جکڑ لئے بکریلی چیخ کرے میں گونخ اٹھی۔ بہر حال حید کے حواس بجا ہو گئے تھے۔ اس نے ایک سے اس گورت کے بال پکڑ رکھے تھے اور دوسرے سے کتے کو دھکلیتے کی کوشش کر رہا تھا جو اس نے اس کا پیچے شکار کی تک بیٹھ کر ڈالے۔

”پکڑو..... اس خبیث کو۔“ اس نے باہر کھڑے ہوئے نوکروں کو للاکارا۔ نوکروں نے کہتے ہو کہ ایک اور شاید اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ حید انہیں اپنی مدد کے لئے پکارے گا۔ حید اسکے بالوں کو پکڑے ہوئے اسے روشنی میں لایا اور پھر اس کی گرفت ڈھلی پڑ گئی۔ ایک خوبرو مالاں کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہونتوں سے خون بہر رہا تھا۔ اس نے مغربی طرز کا لہنگا رکھا تھا اور خوبی کی مغربی ہی ملک کی باشندہ معلوم ہوتی تھی۔

”کون ہو تم.....؟“ حید نے اپنی آواز میں کرتھی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا اور حید کو یہ دیکھ کر جنت ہونے لگی کہ اس کے چہرے سے ذرہ بڑی ایک گلی ظاہر نہیں ہو رہی۔ فریدی کی صحبت میں رہ کر اسے تھوڑی بہت فریخ اور جرمی بھی لگتی۔ اس نے ان دنوں زبانوں میں بھی اپنا سوال دھریا لیکن جواب ندارد۔ وہ اسے

حمد دنوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھا تھا۔ رات کے نوئے چکے تھے، لیکن فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ برآمد ہونے کے بعد ایک بار اس نے اس سے فون پر گفتگو تھی اور اس بات کی تائید تو پہلے ہی کردی تھی کہ وہ اس وقت تک گھر پر موجود ہے جب تک وہ واپس نہ آجائے۔ اس پابندی نے گویا اسے پاگل ہی بنادیا تھا۔ ویسے ہلکی تتم کی دیواری گل دن بھر طاری رہی تھی۔ اس کا زبان میں اس ”بکر مچھ“ کی زیارت کرنے والوں نے اسے ادھر اکڑھا۔ کسی کو تالا کسی کی خوشامدیں کیس اور کسی پر جھنچھلایا۔ دن بھر کی بک بک جھک جھک کی ہاں اس کے سر میں بلکہ اس کا درد ہو گیا اور اس وہ سوچ رہا تھا کہ کافی چھٹا ہے یا تھوڑی سی براثٹی پہ کر لے دفتا اسے باہر کپاٹوں میں رکھوالی کرنے والے کتوں کا شور سنائی دیا۔ پہلے اس نے اس کا طرف کچھ دھیان نہ دیا لیکن جب شور بڑھتا ہی گیا تو وہ جھنچھلا کر باہر نکل آیا۔ عمارت کے بائیں بازو کی طرف چاروں کتے ایک جگہ کھڑے اچھل اچھل کر بھوک رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک دروازے کے پیچے کی زمین سو گھنٹے لگتے تھے۔

حمد نے انہیں ڈانتا لیکن ان کے جوش میں کمی واقع نہ ہوئی۔

”ابے تم میری جان کو آگئے۔“ وہ جھنچھلا کر بولا۔ ”جہنم میں جاؤ۔“ کہتے پرستور دروازے کی زمین سو گھنٹے سو گھنٹے کر بھوکتے رہے۔ حید کے ذہن میں ایک شہر۔

دیوانوں کی طرح گھورے جا رہی تھی۔ دھنلا اس کے ہونت کھلے۔

"پپ..... پپ..... پیپے..... پی..... ہی ہی ہی ہی۔"

وہ حمید کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بے تباہہ ہنسنے لگی اور حمید گھبرا کر پیچھے ہوا۔

"پاگل معلوم ہوتی ہے۔" اس نے نوکروں کی طرف مڑ کر خوفزدہ آواز میں کہا۔ "منہ میں ہاتھ دے سکتا تھا لیکن کسی پاگل عورت سے بھڑنا اس کے بس کاروگ نہیں تھا۔ جب میں لے قوم کی ایک پاگل عورت سے اس کا سابقہ پڑا تھا پاگل عورتوں کو دیکھ کر ہی اس کا ہو جاتی تھی۔"

وہ تھوڑی دیر تک ہنسنی رہی پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی کہ حمید نے بولکا آنکھیں بند کر لیں۔ شاید نوکروں کی بھی یہی حالت ہوئی تھی کیونکہ وہ اس کے قدموں کا صاف سن رہے تھے لیکن اپنی جگہوں پر اس طرح جمع ہوئے تھے جیسے پتھر کے ہو گئے ہوں۔

"کون ہوتا ہے؟" حمید نے اچانک فریدی کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔ لیکن وہ اب بھی اسی حالت میں تھی۔ فریدی نے اس کا دوسرا ہاتھ بھی پکڑ کر اپر اپر اب وہ اس قابل ہو گئی تھی کہ حمید باقاعدہ اپنی آنکھیں کھول سکے۔ وہ لڑکی اب بھی خاموش تھی۔

"حمد..... یہ کیا بد تیزی ہے؟" فریدی انتہائی غصے میں اس کی طرف مڑا۔ "آپ..... بات....." حمید ہکلایا۔ "بات تو سمجھ لیجئے۔ یہ..... یہ..... پاگل۔" "کون ہوتا ہے؟" فریدی نے پھر لڑکی سے سوال کیا۔ لیکن وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی بھی حمید کو گھورتا، بھی لڑکی کو اور بھی قریب کھڑے ہوئے نوکروں کو۔ حمید نے جلدی جلدی اور ہکلا ہکلا کر اسے پوری بات سمجھانے کی کوشش کی۔ "نوکروں سے پوچھ لیجئے۔"

اسے خوف تھا کہ فریدی کچھ اور نہ سمجھا ہو۔ فریدی نے نوکروں کو جانے کا اشارہ کیا کوڈ رانگ رومن میں لے آیا۔ حمید بھی اس کے پیچھے تھا۔

"اہ کے ہاتھ نہ چھوڑیے گا..... ورنہ.....!" حمید نے کہا۔

"بیویت!..." فریدی چھنجھلا کر بولا۔ پھر لڑکی سے انگریزی میں پوچھنے لگا۔ "تم کون ہو۔

پیال کیوں آئی تھیں.....؟"

"پیور.....!" لڑکی نے حمید کی طرف اشارہ کیا اور روپڑی۔

"کیوں.....؟" فریدی گرج کر بولا۔

"ارے خدا کی قسم....." حمید بولا۔ "یہ مکار جھوٹی ہے..... نوکروں سے.....!"

"خاموش رہو۔" فریدی چینا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ "بہتر ہے کہ تم اسی وقت

بیٹے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا۔"

"آپ سننے تو سمجھی۔"

"میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔"

"تو جنم میں جائیے۔" حمید نے جھلاہٹ میں اپنے قریب پڑی ہوئی جھوٹی میز کو ٹھوکر دی اور کمرے سے نکل گیا۔ اس نے تیزی سے پائیں بااغ طے کیا اور چھاٹک کے باہر نکل گیا۔

میں سے اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ دھنعتا وہ چلتے چلتے رک گیا۔ تھوڑی دیر کھڑا کچھ سوچتا رہا اور چھاٹک کی طرف لوٹ آیا۔ سردی سے اس کے دانت نئے رہے تھے لیکن وہ پتوں کی جیب میں

خوٹا لے چھاٹک سے چپکا کھڑا رہا۔ اسے لڑکی کے بر جست جھوٹ پر حیرت ہو رہی تھی اور

لکانہات پر بھی..... وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ لڑکی کس طرح کوئی میں داخل ہوئی تھی اور اس

کا ستمدھی اس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ تو بس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ اگر وہ اندر سے

اکٹا بھٹکی تو یہ تاریک سڑک کام دے گی۔

اب سے فریدی پر بھی غصہ نہیں تھا۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے کن الفاظ میں اس

کا توہین کی تھی۔ ٹھنڈک کے ساتھ بس ایک ہی خیال اس کے ذہن سے چپک کر رہا گیا تھا۔

ٹھنڈک کے اندر قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ پیچھے سرک گیا۔ اس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا

تھا۔ اس کے تاریکا میں اس کے دیکھ لئے جانے کے امکانات کم تھے۔

فریدی اور وہ لڑکی چھاٹک پر آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”مجھے اس واقعے پر انہائی افسوس ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ مجھے لگکر۔“ زیر سے کہہ رہا تھا۔

”میں اس کی روپورٹ ضرور کروں گی۔“ لڑکی کے لبھے میں جھلاہٹ تھی۔

”بیکار..... فریدی بولا۔“ بات بڑھانے سے کیا فائدہ۔ اس سے آپ کی بھی بدنی ”خیر.....!“ لڑکی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ ملک ہے۔“

پھر حمید نے قدموں کی آواز سنی۔ وہ لڑکی اس کے قریب سے ہو کر گزری اور فداپس چلا گیا۔

حمدید بے پاؤں کچھ دور تک اسکے پیچے چلتا رہا۔ پھر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑا۔

”دشہر تو دار لنگ.....!“ وہ ہانپا ہوا بولا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں آسان کے سارے ستارے زمین پر اتر آئے۔ ”کنپی پر پڑا اور کچھ ستارے حمید کی آنکھوں میں گھس گئے اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ کسی نے اس پر حملہ کیا تھا۔

اور پھر اسے ہوش آیا تو اس نے خود کو اپنے بستر پر پایا۔ فریدی اس پر جھکا ہوا تھا۔

”حمدید..... پیارے مجھے معاف کرو۔“ فریدی کے لبھے میں ندامت تھی۔

حمدید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی دنوں کنپیاں سہلا کیں، جو ابھی تک دکھری فریدی کو گھورنے لگا۔

”چیخ وہ مجھے چوت دے گئی۔“ فریدی پھر بولا۔

حمدید نے قہقهہ لگایا اور چیخ کر بولا۔ ”ایشیا کا عظیم سراغ رسان زندہ باد۔“

پھر بُر اسامنہ بننا کر لیت گیا کیونکہ جیختے پر اسے چکر آ گیا تھا۔

”یار وہ اس حالت میں تھی کہ میں ہیں سمجھا۔“ فریدی پھر حمید پر جھک کر بڑی بڑی ہاتھ کے اشارے سے جانے کو کہا۔

”آپ مجھے اتنا لو فرنگ سمجھتے ہیں۔“ حمید منہ بننا کر بولا۔ ”لیکن میں مجھ پر کس۔“

”نہیں سمجھا شاید آپ!“

”طفی نہیں میں اسے پھانک تک چھوڑ کر واپس آیا۔ تم پر شدید غصہ تھا۔ اس لئے کہاں بھی ہال کر سیدھا سونے کے کمرے میں چلا آیا اور پھر وہ ٹرانسیمیٹ اور وہ چھڑی دنوں غائب تھے۔“

حید نے پھر قہقہہ لگایا۔ اس وقت وہ خود کو ایک عظیم الشان ہیرو سمجھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اس بھی پاگل بن کر ڈراپھی تھی اور صاف نکلی جاری تھی لیکن پھر بھی وہ اس وقت فریدی کا معنیکہ اڑانے پر ٹھیک گیا تھا۔ دفعتاً ایک خیال اس کے ذہن میں گنجانا۔ آخر وہ ٹرانسیمیٹ اور چھڑی کس طرح لے گئی۔

”لیکن وہ غالباً غالباً ہاتھ تھی۔“ حمید نے کہا۔

”اور وہ خود اس طرح تمہیں بیہوش بھی نہیں کر سکتی تھی۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”صاحبزادے اس لئے کوئی میں کھمی تھی کہ گھر کے سارے افراد کو کسی ایک جگہ اکٹھا کر لے اور اس کے ساتھی اپنا کام کر جائیں۔ چاروں رکھوالي کرنے والے کتوں کی لاشیں باہر کپڑوں میں پڑی ہوئی ہیں۔“

”اے!“ حمید کے لبھے میں تحریر تھا۔ ”انہیں کس نے اور کب مارا؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن ان پر بھی وہی زہر میلے تیر چلانے گئے ہیں۔ یہ چاروں تیر بالکل دیسے ہیں میں جیسا وہ تیر تھا۔“

”کون سا؟“

”وہی جس سے چودھری کی کوئی میں ایک غیر ملکی کوموت کے گھاث اتارا تھا۔“ حمید اپنی تھلک زبان تالو سے رگڑنے لگا۔ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”وہ اونلی جنمیں کر لے میں نہ پا کر مجھے تمہاری مظلومیت کا احساس ہوا اور میں کوئی سے تھلک کر ہڑک کی طرف دوڑا۔ حالانکہ یہ سو فیصدی حماقت تھی لیکن اگر مجھ سے یہ حماقت سرزدہ ہوتی تو تم اڑھا سے اکڑ گئے ہوتے۔“

حمدید کچھ نہ بولا۔ اس کے سر کا دردحد سے تجاوز کرتا جا رہا تھا۔

”لیکن آپ تو اس ٹرانسیمیٹر اور گارس اس والے معاٹے کو چھپانا چاہتے تھے۔“
”ظی اسے تو چھپا ہی پڑے گا۔ ورنہ کسی وقت بھی مت سے ملاقات ہو سکتی ہے۔
اسان نے خود کو ازادر کئے کے لئے بہت کشت و خون کیا ہے وہ ہم پر کہیں بھی اور کسی بھی
تمحلہ کر سکتا ہے۔“

”پھر آپ نے چوری کی رپورٹ کیوں کی ہے۔“

”یہ پوچھو کر کس چیز کی چوری کی رپورٹ کی ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”حقیقتاً وہ مچھلی^{ہدایت} کیا گئی ہے۔“

”مچھلی.....!“ حمید حیرت سے بولا۔ ”اسے تو آپ نے تصویر کھینچ جانے کے بعد ہی^{ہدایت}
ابرچی خانے میں پہنچا دیا تھا۔“

”شاید ان گھونسوں نے تمہارے اسکریوڈھیلے کر دیئے ہیں۔ صاحب زادے اگر اس کی
پوری کی رپورٹ نہیں کروں گا تو کل آفیسروں کو دکھاؤں گا کہاں سے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس کے
دش کے لئے بُری طرح بے چین ہیں۔ دوسری بات! رپورٹ لکھوانے کے سلسلے میں کسی نہ کسی
پُشہر بھی ظاہر کرنا پڑے گا۔ اس کے لئے میں نے پروفیسر درانی کو منتخب کیا ہے۔“

حمد حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی بولتا رہا۔ ”شے کی وجہ بھی لکھوائی پڑے
گی۔ اس کے لئے میں آج شام کا اخبار پیش کر دوں گا۔ جس نے یہ خبر چھپا ہے کہ پروفیسر
”اللی کے لاکھ اصرار کے باوجود بھی انپکٹر فریدی نے اس عجیب و غریب مچھلی کو فروخت کرنے
سے صاف انکار کر دیا۔“

”آخر اس سے فائدہ.....؟“ حمید نے پوچھا۔

”اُن سے یہ فائدہ ہو گا کہ میں پروفیسر درانی کے گھر کی علاشی لینے کے لئے وارث حاصل
کر سکوں گا جس کے لئے میں بُری طرح بیتاب ہوں۔ اس کے گھر میں شلاڑ کی موجودگی کوئی
خاص منی رکھتی ہے اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ شلاڑ کا قلعن پروفیسر چودھری کی کوئی میں ہونے
والے اتفاقات سے بھی ہے۔“

”اُن ہڈیوں کے ذھانچے کے متعلق تو میں بھول ہی گیا۔“ حمید نے کہا۔

”میں سمجھا تھا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”کہ شاید اس کا تعلق پروفیسر درانی سے ہے۔“
”خوب یاد دلایا۔“ فریدی چونک کر بولا۔ ”اس ٹرانسیمیٹر یا اس چھڑی کے جانے کا انفر
نہیں کیوںکہ اس کے ذریعے مجھے جو کچھ معلوم کرنا تھا کہ پچھلا۔ لیکن اس وقت اس لڑکی نے کوئی
میرے لئے بڑی آسانیاں پیدا کر دیں۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ابھی بتاتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔
”تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا۔ حمید پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ لیکن اس کی آہٹ پر دوچڑا
پڑا۔ فریدی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اس نے آواز دی۔

”میں جاگ رہا ہوں۔“

”نہیں سو جاؤ۔“

”کیا بھوکا ہی سور ہوں۔“ حمید جھلا کر اٹھ بیٹھا۔

”شاید تم مرتب وقت بھی بھیکی کہو گے۔“ فریدی بس پڑا۔

اس نے ایک نوکر کو آواز دے کر وہیں کھانا لانے کو کہا اور شرارت آمیز نظرؤں سے جو
دیکھتا رہا۔

”کیا مطلب.....؟“ حمید اسے گھومنے لگا۔

”یار مجھے اس لڑکی کی حرکت پر بھی آرہی ہے۔ اس نے تو تمہارا سرہی تڑاو دیا ہوتا۔“

”جانے میں کیا سوچ کر پکھنیں بولا۔..... ورنہ دل بھی چاہا تھا کہ تمہاری مرمت کر دوں۔“

”تو قبلہ فریدی صاحب۔“ حمید اپنا اپرپی ہفت بھینچ کر بولا۔ ”میں اتنا کر دیں گی اُن
ہوں جتنا ظاہر کرتا ہوں۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم معمولی مرمت سے ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے۔“ فریدی سکردا۔

”خیر اگر بھی اس کا موقع آگیا تو یہ بھی ظاہر ہو جائے گا۔“

فریدی تھوڑی دیزیک خاموش رہا پھر بولا۔ ”میں نے جکد لیش کوفون کیا ہے کہ میں
یہاں چوری ہو گئی۔ وہ رپورٹ لکھنے کے لئے آئی رہا ہو گا۔“

”وہ پروفیسر چودھری ہی کا ہے۔“

”آپ یقین کے ساتھ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟“

”انگلی کی ہڈی میں چھپنی ہوئی ایک انگوٹھی بھی ظاہر کرتی ہے۔ مسز چودھری نے اس شاخت کر لیا ہے۔“

”بُرا پچیدہ معاملہ ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ شاید وہ اس وقت اس معاملے پر بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔

”پچیدہ ترین کہو۔“ فریدی نے سگار لگانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر چونکہ کہا

”ابھی تک کھانا نہیں آیا۔“

عامره

دوسری صبح حمید نے لباس کے انتخاب کے سلسلے میں سیلیقے اور نفاست کی حد کر دی۔ ایونگ ان پیرس کی آدھی شیشی صاف ہو گئی۔ وہ مسز چودھری کی پینٹ کی ہوئی تصویر کو گوشت پوست میں دیکھنے جا رہا تھا۔ پروفیسر درانی کے گھر کی تلاشی لینے کے سلسلے میں سارے انقلامات مکمل ہو گئے تھے اور کوتولی انچارج انپکٹر جلدیں اس وقت فریدی ہی کی کوئی میں موجود نہ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے اور وہ بار بار فریدی کی طرف نظریں اٹھانا جو سلپنگ کاؤن میں لپٹا ہوا شیوکر رہا تھا۔

”معاملہ بڑے آدمی کا ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”پھر.....؟“ فریدی ہاتھ روک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہاں آپ کی موجودگی قطعی غیر قانونی ہو گی۔“

”بیجھے قانون نہ پڑھائیے۔“ فریدی خنک لبجھ میں بولا۔

”آپ تو بگو گئے۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

”بس جو میں آپ سے کہوں کرتے جائیے..... میں سب کچھ اپنی ذمہ داری پر کر رہا ہوں۔“

جلدیں خاموش ہو گیا۔ وہ انپکٹر فریدی کا بہت زیادہ احترام کرتا تھا اور اسے اتنی ترقی اسی

لئی نصیب ہوئی تھی۔ اس نے کئی پچیدہ کیسون میں نہ صرف اس کی رہنمائی کی تھی بلکہ عملی

”پُرانا کام تھا بنایا تھا۔“

”میں معافی چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”معاف کیا گیا۔“ فریدی نے اکٹھ کر کہا اور ہٹنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔

”جلدیں صاحب! یہ محض اس چھپلی کا معاملہ نہیں ہے۔“

”پھر.....؟“

”ابھی کچھ نہ پوچھو۔ آہستہ آہستہ خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

شیوکر چنے کے بعد فریدی نے لباس تبدیل کیا اور پھر وہ ناشتے کی میز پر آمدی۔

”اپے کاشیبلوں اور محرکو بھی ناشتہ بھجوادو۔“ فریدی نے جلدیں سے کہا پھر اس نے

”جی کو بلا کر اس کے متعلق ہدایات دیں۔“

”بھائی حیدر بڑے زوروں پر جا رہے ہیں۔“ جلدیں اپنی ایک آنکھ دبا کر بولا۔

”تم بھی زوروں پر ہوتے۔ مگر تمہیں تو سڑی بھی وردی لا دی پڑتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اور سنائیے! اس درمیان میں آپ کو کسی سے عشق ہوا یا نہیں؟“

”ایک بھائی کے لڑکے پر مر مٹا ہوں مگر کیا کروں کہ اس کے سیاں کوتواں ہیں اور وہ خود

کو اپنے انچارج۔“

جلدیں جھیپ کر دوسرا طرف دیکھنے لگا۔

”یہ پروفیسر چودھری کا کیا معاملہ ہے۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”اتماعی میں بھی جانتا ہوں جتنا کہ تم.....!“ فریدی بولا۔

”مگر ہے معاملہ حیرت انگیز..... کہیں یہ اس کی عورت ہی کی حرکت نہ ہو..... سائنٹ

عمونا خلک طبیعت کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ ایک نگین مزاوج عورت ہے۔ آرٹسٹ بھی ہے
ہے کہ اس کے کسی عاشق نے اسے قتل کر کے یہیں فن کر دیا ہو۔

”ضروری نہیں کہ ہر آرٹسٹ عورت عاشق بھی رکھتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ضروری
کہ ہر نگین مزاوج عورت اپنے شوہر سے بے وقاری ہی کرے۔“

”آپ عورتوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“ حید نے کہا۔ ”اس نے اس موضوع پر
ڈالنے سے گریز کیا کیجئے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن بچھلی رات کو.....!“

”یہ حلوبہ بھی کھائیے نا۔“ حید جلدی سے بولا اور پھر اس کی زبان تیزی سے ٹھیک
”آپ کی خوراک روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ رنگ پیلا پڑتا جا رہا ہے۔ آنکھوں کے گر
پڑ گئے ہیں۔ دماغ جھائیں جھائیں کرتا ہو گا۔ خوب ڈٹ کر کھایا کیجئے ورنہ آنکھوں کے
نیلی چلی چنگاریاں اڑنے لگیں گی اور محصول ڈاک بند مہ خریدار ہو جائے گا۔“

”بچھلی رات.....!“

”بھائی جکد لیش! تم تکلف کر رہے ہو۔“ حید تیزی سے جکد لیش کی طرف مڑ کر بولا
جیلی۔ اثرے تم نے کھائے ہی نہیں..... اماں تم تو سبزی کو کھی نہیں تھے۔
”بچھلی رات بڑی خوشگوار تھی۔“ فریدی نے اکتا کر جملہ پورا کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا
کہیں دریہ نہ ہو جائے۔

ناشترے کے بعد ان کی پارٹی پروفیسر درانی کی کوئی کی طرف روانہ ہو گئی۔
کپاڈ نہ میں سنا تھا۔ برآمدے میں بھی کوئی نظر نہ آیا۔ ایک کمرے کے دروازے پر!
خچتی گئی ہوتی تھی جس پر ”سیکریٹری“ لکھا تھا۔ لیکن یہ کرہ بھی بند تھا۔ پھر وہ صدر دروازے
آنے اور فریدی بار بار گھنٹی کا بیٹن دبانے لگا۔ پوری عمارت کا کوئی بھی دروازہ کھلا ہوا کھلانا
دیا۔ حتیٰ کہ کھڑکیاں ٹک بند تھیں۔

فریدی کافی دیر سک گھنٹی بجانا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اندر قدموں کی آہٹ سنالیں
دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت سی بھولی بھالی لڑکی دکھائی دی جس کے ایک ہاتھ میں لکھا تھا۔

”اپنے جمل میں ڈوبے ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے؟“ اس نے غصیل آواز میں پوچھا۔

”پروفیسر کو باہر بھیج دیجئے۔“ فریدی اپنی فلک ہیئت اتنا تھا، ہوا نرم لجھ میں بولا۔

”بابر.....!“ لڑکی اسے گھورتی ہوئی بوی۔ ”وہ بکھی باہر نہیں آتے۔ تم لوگ چپ چاپ
بڑا۔ آج مجھے یہی بار موقع ملا ہے کہ میں اپنے ڈیٹی کے بال سنوار سکوں۔“

”آپ ان سے کہیے کہ پولیس گھر کی تلاشی لیتا چاہتی ہے۔“

”وہ میری نہیں نہیں گے! آپ لوگ جائیے۔“

”بچھلی میں مجبوراً..... زبردستی گھر میں گھنٹا پڑے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ وہ تھوڑی دیر سک کچھ سوچتی رہی پھر ہنس کر بوی۔

”چلو میں تمہیں ڈیٹی سے ملاوں..... اب وہ سب سے مل سکتیں گے۔ میرے ڈیٹی بہت
لے آئی ہیں..... آئیے۔“

”سیکریٹری کہاں ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”پتھریں!“

”اُس کے پیچے گھر میں داخل ہوئے۔ پوری عمارت سنان پڑی تھی۔ انہیں ایسا معلوم
اگاہیجے وہ کسی دیران مقبرے میں چل رہے ہوں۔ ان کے قدموں کی آوازیں اوپنی چھت
لکڑوں میں بازگشت پیدا کر رہی تھیں۔ لڑکی انہیں پروفیسر کے سونے کے کمرے میں لے آئی۔

اور بھر ان میں سے کئی اپنی چھتیں نہ روک سکے۔ پروفیسر اپنے پلٹک پر چٹ پڑا تھا لیکن
اکی گردن کی ہوتی تھی۔ خون بستر پر جم کر سیاہی مائل ہو چکا تھا۔ اس کے بال ٹیل سے بھیکے

لئے تھے اور انہیں بڑے سلیقے سے سنوارا گیا تھا۔ شاید ڈاڑھی میں بھی لکھا کیا گیا تھا۔

فریدی تھی آمیز نظر وہ سے لڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”لکھو! میرے ڈیٹی کتنے ابھجھے لگتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بوی اور حید کو ایسا محسوس ہوا جیسے
لیں لال کا گلا گھونٹ رہا ہو۔ ”وہ سب کے سب بت بنے کھڑے رہے۔“

”میں سوچا کرتی تھی کہ ڈیٹی کے سر میں تیل ڈالوں۔ ان کے بال سنواروں، گھنٹوں ان

لی سنگھی کر رہی تھی۔
”سنونیں۔“ فریدی نے اسے مخاطب کیا۔ ”میں تمہارے ڈیڑی کا دوست ہوں..... کیا تم رے گمرا جلوگی؟“
”ڈیڑی نہیں جانے دیں گے۔“ اس نے شکایت آمیز لمحہ میں کہا۔ ”وہ مجھے کہیں نہیں نہ دیتے۔“

کاسر سہلاوں لیکن وہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ بڑے خراب ہیں ڈیڑی۔“ اہ۔ اس طرح منہ بنا یا جیسے ڈیڑی سے روٹھ گئی ہو۔ پھر ہنس کر بولی۔ ”مگر..... آج ڈیڑی نے پکڑ کھا۔ میں ایک گھنٹے سے ان کا سرداری تھی..... دیکھو..... دیکھو..... انہوں نے آج تمہیں کچھ نہیں کہا۔..... ورنہ وہ ملنے والوں کو مار بیٹھتے تھے..... میرے ڈیڑی اچھے ہو گئے۔“ اسے نے پھوپھو کی طرح تالی بجائی اور جھک کر مردہ پروفیسر کی پیشانی چوم لی۔

جنہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ روپڑیں گے چپ چاپ کرے سے نکل گئے۔ انہیں حید بھی تھا۔ وہ ایک دوسرا خالی کمرے میں جا کر بے تھاش رو نے لگا۔

اس کے ذہن کی نہ جانے کوں سی گرہ اچانک کھل گئی تھی۔

”یہ تمہارے ڈیڑی ہیں؟“ فریدی نے زم لمحہ میں پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔۔۔۔۔ میں بھگ گئی۔“ وہ پھول کی طرح کر بولی۔ ”انہوں نے تمہیں مارا نہیں۔ اس لئے تم انہیں ڈیڑی نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ ڈیڑی ادا ہو گئے۔۔۔۔۔ اب وہ کسی سے مجھدا نہیں کریں گے۔۔۔۔۔ کسی کو نہیں ماریں گے۔۔۔۔۔ میں ڈیڑی۔ ڈرتی ہوں۔۔۔۔۔ مگر انہوں نے مجھے کبھی نہیں مارا۔۔۔۔۔ دیکھو دیکھو! آج ڈیڑی کے بال کتنے لگ رہے ہیں۔۔۔۔۔ میرے ڈیڑی۔“ اس نے پھر لاش کی پیشانی چوم لی۔

”لبی بی ہوش میں آؤ۔“ جلدیں کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں بے ہوش کب ہوں۔۔۔۔۔ تمیز سے بات کرو۔۔۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں عامرہ“ ہوں۔۔۔۔۔ اس نے کہا اور پروفیسر کے سرہانے بیٹھ کر اس کی ڈاڑھی میں سنگھا کرنے لگی۔

فریدی باہر نکل آیا۔ وہ حید کو لاش کر رہا تھا۔ اس نے اسے ایک کمرے میں روٹے دیکھا ”حید۔۔۔۔۔“ فریدی نے اسکے کانہ سے پہاڑ کھا اور اس نے جلدی سے آنسو پوچھ ڈالا۔

”اس لڑکی کو گھر لے جاؤ۔۔۔۔۔ مز چودھری کوفون کر کے بلا لیتا۔“

حید کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

”مرد کے پیلوں میں پھر کا بجڑا ہونا چاہئے۔“ فریدی نے کہا اور پھر اسی کمرے میں ٹالا۔ جلدیں وغیرہ خاموش کھڑے تھے اور عامرہ سر جھکائے ہوئے اپنے مردہ باب کے بال

”میرے یہاں جانے سے نہیں روکیں گے۔“
”مگر میں ڈیڑی کو چھوڑ کر کہیں نہ جاؤں گی۔“
”ابھی واپس آ جانا۔۔۔۔۔ شاباش۔۔۔۔۔ بڑی اچھی بیٹی ہے۔“
”اچھا آپ کے یہاں تنے نئے بچے ہیں۔“ اس نے معمومیت سے پوچھا۔
”ہاں..... ہاں.....!“

”آپ کی بیوی پیانو پر گیت ہاتھی ہیں۔“
”ہاں..... تم چلو تو کسی۔۔۔۔۔ سب کچھ ہے۔“
”لیکن میں انہیں کہوں گی کیا۔۔۔۔۔؟“ وہ خود سے باتیں کرنے لگی۔ ”ڈیڑی کے دوست انہیں میں انہیں بچی ماں کہوں گی۔۔۔۔۔ اور بچے کو متباھیا۔۔۔۔۔ میرا متباھیا۔“
اس نے اپنے دونوں ہاتھ اس طرح سینے پر رکھ لئے جیسے بچے کسی متباھیا کو لپٹا رہی ہو۔
”میں چلوں گی۔۔۔۔۔ وہ اٹھ کر بولی۔

فریدی اسے لے کر باہر آیا۔۔۔۔۔ پھر اسے حید کے سپرد کر کے فرانسیسی زبان میں بولا۔ اور صاحب کی بیوی اور ان کے چھوٹے بچوں کو بھی بلوالیتا۔۔۔۔۔ اور مختصر اسے سب کچھ بتادیا۔ ”کس زبان میں بول رہے ہیں آپ۔۔۔۔۔؟“ اس نے فریدی سے پوچھا۔

”فرانسیسی میں یعنی! میں انہیں سمجھا رہا تھا کہ وہ تمہاری بچی ماں سے کہہ دیں گے کہ وہ اسکی خوب خاطر کریں۔۔۔۔۔ تمہیں پیانو پر گیت سنائیں۔“
”یہ کون ہیں؟“
”میرے بھائی ہیں۔“

لیکن ہمیں کسی بھی کیس میں دھل انداز ہو سکتے ہیں۔“
لیکن کم از کم ہمارا انتظار ترکیا ہوتا۔“ کلکش بولا۔

”یقین سمجھئے کہ مجھے مجبور آیا کرتا پڑا۔ اگر وہ تھوڑی دیر اور تھیرتی تو شاید اس کا ہارت فیل
ہنا اور ہمیں ایک متوقع گواہ سے ہاتھ دھونے پڑتے۔“

تھوڑی دیر بعد حملہ سراغ رسانی کے فوٹو گرافرنے کیسرے سنجال لئے
پورے کمرے کی متعدد تصویریں لی گئیں۔ فریدی بہت زیادہ مشغول تھا۔ لیکن کوئی کام کی
ن ریافت نہ ہو سکی۔ قاتل یا قاتلوں نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے۔ ذاکر نے بتایا
کہ اپنے بارہ گھنٹوں سے پہلے کسی وقت ہوا۔ اندازہ دس اور گیارہ بجے رات کے درمیان کا
ل۔ ”سری طرف پولیس کی ایک پارٹی کوئی کی تلاشی لے رہی تھی۔

فریدی جائے واردات سے ہٹ کر ایک دوسرے کمرے میں آگیا۔ اس کے ماتھے کی
بیان ابری ہوئی تھیں۔

اس نے پر خیال انداز میں سگار سکایا اور اسے ہوتوں میں دبائے کھڑا رہا۔ اتنے میں اس
لائچے کاڑی۔ آئی۔ جی بھی اسی کمرے میں آگیا۔ فریدی نے سگار جلدی سے ہوتوں سے نکالا
رپٹ پر چھپا لیا۔

”تکلفات کی ضرورت نہیں۔“ اس نے کہا اور آگے بڑھ کر سگار پھر اس کے ہوتوں سے لگادیا۔
”مجھے تو بہر حال ڈسپلن کا خیال رکھنا چاہئے۔“ فریدی بولا۔

”خیر۔ خیر۔!“ ڈی آئی جی بزرگانہ انداز میں مسکرا یا۔ ”اگر ضدی نہ ہوتے تو شاید اس
نش میں تمہارا ماتحت ہوتا۔ ہاں۔۔۔ چھوڑو، ان باتوں کو۔۔۔ تمہاری وہ مچھلی تو برآمد نہیں ہوتی۔“

”جناب والا۔۔۔ وہ مخفی ایک سنشت تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”سنشت تھا۔۔۔؟“ ڈی آئی۔ جی نے جیرت سے کہا۔

”لیکاں۔۔۔ ہاتھ کی ایک معمولی سی صفائی۔۔۔ بکری کا سر اور مچھلی کا ہڑ جانا۔۔۔ مشکل کام نہیں۔“
”وہ تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”چودھری والے کیس کے سلسلے میں اس گھر کی تلاشی لیتا چاہتا تھا۔“ فریدی نے اس کی

حمد اسے لے کر چلا گیا۔

”اچھا تو میاں جگد لیش۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”اب تم آفیسروں کو فون کرنا شروع کرو۔“

”لیکن۔۔۔ یہ آخر ہوا کیا۔۔۔؟“

”اس پر فون کرنے کے بعد غور کرنا۔“

آدھ گھنٹے کے اندر کوئی میں شہر کے سارے بڑے آفیسر اکٹھا ہو گئے۔

”آپ تلاشی کے لئے آئے تھے؟“ کلکش نے جگد لیش سے پوچھا۔

”تو پھر یہاں ان کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔“ اس نے فریدی کی طرف اشارہ کیا۔

”میں اس تلاشی کے سلسلے میں نہیں آیا۔۔۔؟“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”یہ اور بات ہے۔۔۔

میں اور یہ ایک ہی وقت پر یہاں پہنچ۔ میں دراصل پروفیسر چودھری والے کیس کے سلسلے
یہاں آیا تھا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ کل پروفیسر چودھری کے یہاں ایک بند کوئی سے ازا
ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ برآمد ہوا ہے اور ایک انگوٹھی کی بناء پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ڈھانچہ پر
چودھری ہی کا ہے۔ دونوں پروفیسروں کے قریبی تعلقات تھے اس لئے میں نے مناسب سمجھا
پروفیسر درانی سے مل کر چودھری کے متعلق دریافت کروں۔۔۔ لیکن۔۔۔ اسے بھی کسی نے قتل کردا
کلکش خاوش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”اس کی لڑکی کہاں گئی؟ نوکر کہاں ہیں؟“

”لڑکی کا دماغ اٹ گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”نوکر تھے ہی نہیں۔۔۔ ایک مکہ
تھا۔۔۔ وہ بھی لاپتہ ہے۔“

”لیکن لڑکی ہے کہاں؟“

”میرے گھر پر۔۔۔ میں نے اسے گھر بھجوادیا۔۔۔ یہاں اس کی موجودگی ٹھیک نہیں تھی۔

”لیکن آپ نے یہ سب اپنی مرضی سے کیوں کرڈا۔“

فریدی اپنے مجھے کے ڈی۔ آئی۔ جی کی طرف مڑا۔ شاید وہ اس سوال کا جواب اس
دولاتا چاہتا تھا۔

”بات یہ ہے۔۔۔ ڈی۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔“ انپکڑ فریدی کے پاس ایک ٹھیک
اجازت نامہ ہے، جو انہیں اوپر والوں سے ملا ہے۔ مخصوص حالات میں وہ اس کی رو سے ملے۔

بات کاٹ کر کہا۔ ”لہذا میں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ مگر اب خود اس کا قتل یہ ظاہر کرنا ہے کہ سازش کی ڈور کہیں دور اچھی ہے۔“ فریدی نے اپنی آواز جیسی کردی۔

”اس درمیان میں پروفیسر چوہدری کی کوئی غیر ملکی جاسوسوں کا اکھاڑہ نہیں رہی ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“ ڈی-آئی۔ جی چونکہ کربولا۔

”طمینان سے تھائی میں بتاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن اسے مصلحتاً خاطب لے کی رپرے میں نہ دے سکوں گا۔“

”میں جانتا ہوں۔“ ڈی-آئی جی مسکرا کر بولا۔ ”تم کسی کیس کے دوران تفییش میں ڈھنگ کی روپورٹ نہیں دیتے۔“

”لیکن میں صرف آپ کو سب کچھ بتاؤں گا اور پھر آپ ہی اس کی رازداری کی اہم اندازہ لگا سکتیں گے۔“

ڈی-آئی۔ جی چلا گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد باتی آفسر بھی چلے گئے۔ صرف ایک ڈی-اسی۔ پی تین سب اپنے چند کاشتبیل رہ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے بھجوادی گئی۔ باہر پر لس روپورٹوں اور پلکا ہجوم تھا۔ پروفیسر کے قتل کی خبر آگ کی طرح شہر میں پھیل گئی تھی اور پھر یہ یوکی ہردوں نے اس ساری دنیا میں منتشر کر دیا تھا۔

فریدی نے کوئی کاچھا لئک بند کروادیا اور پھر اس نے کوئی کی تلاشی لئی شروع کر دی۔ ایک گھنٹے کی حکمت کے باوجود بھی ایسی کوئی چیز نہ سکی جس سے کسی خاص راستے کی طرف رہنما ہو سکتا۔ فریدی کے ذہن میں کئی طرح کے خیالات ایک دوسرے سے ٹکرار ہے تھے۔ وہ سوچنا تھا کہ کہیں عامرہ ہی اپنے باپ کی قاتل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ اس گھر میں ایک طرح سے قید ہی کیسی؟ قید تھائی۔ وہ اسے کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ کسی کو اپنے گھر میں قدم رکھ دیتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے تجھ آ کر اسے قتل ہی کر دیا ہو۔ اور پھر اس کے بعد اپا لئک الہ دماغ لٹک گیا ہو یا ممکن ہے کہ وہ مصلحتاً خود کو پا گل ظاہر کر دی ہو۔ دوسری طرف سکریٹری کا مسئلہ تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ عامرہ یہ بھی نہ بتا سکتا۔

ہمیں رات کو موجود تھا یا نہیں۔ اس کی خصیت پر بھی کوئی روشنی نہ پڑی۔ وہ کون تھا؟ اس کا بغا؟ مستقل کوئت کہاں تھی؟ اکثر کاغذات پر اس کے دستخط ضرور ملے تھے لیکن دستخط سے اندازہ لگانا ناممکن نہیں تو عام حالات میں دشوار ضرور ہوتا ہے اور پھر اس کے دستخط میں تو بزرے ہی سے غائب تھے۔ وہ صرف چند آڑی ترچھی لکیروں سے مرکب تھی۔ عامرہ کی دہنی یا اکتسابی کیفیت کو مذکور رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے کوئی کام کی معلوم ہو سکے۔

کوئی پر باقاعدہ پہرہ لگ گیا تھا اور اب ایک مجرم ہست کی موجودگی میں سامان کی فہرست پاری تھی۔

فریدی کی موجودگی غیر ضروری تھی کیونکہ وہ پہلے اپنے طور پر تلاشی لے چکا تھا۔ وہ گھر واپس پروری برآمدے میں قدم رکھتے ہی اسے بچوں کے شور کی آواز سنائی دی۔ ڈرائیکٹ روم پیدا کے پڑوی داور صاحب کے بچے اکٹھا تھے اور عامرہ ان کے سب سے چھوٹے بچے کو لے لئے بچھنچ کر پیار کر رہی تھی۔ اس کی عمر سولہ اور اٹھارہ کے درمیان رہی ہو گی۔ لیکن وہ ت ایک نہیں منی ہی مخصوص لڑکی لگ رہی تھی۔

فریدی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ کر اس کے پاس آئی۔

”آپ آگئے..... آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔ چھی ماں اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھے خوب اور یہ مٹا بھیا۔“ اس نے زور سے بچے کو پیار کیا۔

”میں اسے نہیں دوں گی..... ڈیٹی کو بھی یہیں لایے تا۔..... آپ ڈیٹی کے بہت اچھے ہیں۔“

”اہا یعنی! میں انہیں بھی لاوں گا۔“ فریدی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

”مگر آپ چھوٹا ماں سے بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔“ عامرہ نے قہقہہ لگایا۔

”آپ نے پیارو پر گیت سناء.....؟“ فریدی نے اس کی بات اڑا کر کہا۔

”بچہ ماں کو گانا آتا ہی نہیں۔“ اس نے بایوی سے کہا۔ ”مگر وہ دوسری جو ہیں انہوں نے سنایا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ میں بھی تمہاری چیزیں ہوں۔ کیا وہ آپ کے بھائی کی بیوی ہیں؟“

لی آہت پر چونکا۔

”خوبی دیر تک عجیب نظروں سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔“ مجھ میں اس لڑکی کا
اکرنے کی سکت نہیں۔“

”کیا ہوا.....؟“

”اے دیکھتے ہی میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتا..... اس کا کیا انتظام کیا جائے۔“

”وہ بعد کو سوچیں گے۔“ فریدی اٹھ کر دروازے کے قریب جاتا ہوا بولا۔ اس نے کاریڈور
باکر ادھر دیکھا اور پھر اندر لوٹ آیا اور حمید کے کانہ سے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”مز چودھری پر اس بڑی..... مگر نہیں..... میں تمہیں ایک بات بتانا بھول گیا تھا..... تم
دن پر مز چودھری کو سب کچھ بتادیا ہو گا۔“

”نہیں..... میں نے اسے صرف بلا یا تھا۔“ حمید نے کہا۔ ”میں خود بھی مز چودھری پر اس
تل دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی ایک بات مجھے شروع سے کھٹک رہی تھی کہ اس نے ایک ہی
ت پر اس کی تصویر کیسے بنائی تھی۔ لوگ ہفتون پوز دیتے ہیں تب جا کر کہیں تصویر مکمل ہوتی
ہے۔“

”خیر..... یہ کوئی اسکی اہم بات نہیں..... ایک اچھا آرٹسٹ صرف چند گھنٹوں میں مکمل اکٹھ
لکھا ہے..... یہ مت بھولو کہ اس تصویر میں زیادہ تر تارا چودھری کے تخیل کی رنگ آمیزی
۔۔۔۔۔ حال تم نے بہت اچھا کیا۔ ہاں تو اس پر کیا رد عمل رہا.....؟“

”اُن نے جیسے ہی عامرہ کو یہاں دیکھا بھوپنگی رہ گئی اور سب سے پہلا بھی سوال کیا کہ کیا
بُرُّ الدِّنَّا غَرِيْبٌ ہو گیا؟“
”لیک.....!“

”اور پھر جب میں نے اسے پورا قصہ بتایا تو اس کے چہرے پر ہوایاں اڑنے لگیں۔
اوٹ کھٹکی نہیں پیچانا..... میں نے اسے یہ بھی یاد دلانے کی کوشش کی..... لیکن..... وہ بھی
ذرا علی..... کر..... میں نے پہلے بھی انہیں نہیں دیکھا۔“

”یار بڑی بھجن میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”شاہزاد کا نام میں
فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کری پر نہم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا۔“

اتنے میں مز چودھری اور داور صاحب کی بیوی اندر سے آگئیں اور دو فوٹ کی اکٹھ
سرخ ہو رہی تھیں۔ شاید وہ دیر تک روئی تھیں۔ فریدی سوچنے لگا کہ عامرہ مز چودھری کی
پہچان سنگی۔

”عامرہ بیٹی۔“ فریدی نے کہا اور مز چودھری کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”لیکن
انہیں پہلے بھی نہیں دیکھا.....؟“

”نہیں..... میں نے نہیں دیکھا ہے۔ مگر یہ بہت اچھی ہیں۔ انہوں نے مجھ کی
سنانے تھے..... اب ڈیٹھی کو لے آئیے تا..... میرے ڈیٹھی یہاں آ کر خوب نہیں گے
آپ نے بندر بھی پال رکھے ہیں وہ ان کی اچھل کو دیکھ کر خوب نہیں گے..... مگر..... آپ
بندروں اور اپنے پرندوں کی کافی دیکھ بھال رکھنے گا ورنہ ڈیٹھی انہیں لیبارڑی میں لے لے
کی چیز چھاڑ کر دیں گے۔“

”انہوں نے تمہاری تصویر بھی تو بنائی تھی۔“ فریدی نے پھر مز چودھری کی طرف اشارہ
”نہیں تو..... آپ جھوٹ کہتے ہیں۔“

”ہاں بیٹی..... تمہیں چودھری پچایا ہیں؟“
”کون چودھری پچا۔۔۔۔۔ میں نہیں جاتی۔ جائیے! ہم کھلی رہے ہیں۔“

فریدی وغیرہ وہاں سے ہٹ آئے۔ عامرہ بچوں میں کھلی رہی تھی۔
”یک بیک یہ کیا ہو گیا؟“ مز چودھری نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اُن لڑکا
حال دیکھ کر تو میں اپنا غم بھول گئی ہوں۔“

”وہ اپنی یادداشت کھو چکھی ہے۔“ فریدی بولا۔ ”وہ کئی گھنٹے تک باپ کی لاش کے باہ
رہی ہے۔“

”اس پہنچی کا اب کیا ہو گا.....؟“ مز ڈاور نے پوچھا۔
”فی الحال پکھنہ نہیں کہہ سکتا..... حمید کہاں ہے؟“

”اپنے کمرے میں!“

فریدی حمید کے کمرے میں آیا۔ وہ ایک آرام کری پر نہم دراز چھت کی طرف دیکھ رہا۔

ہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ دودو کی نولیوں میں تقسیم ہوا کوئی کاچک بھی لگاتے ہیں لیکن وہ اس سے بے خبر تھے کہ کوئی کی پشت پر کیا ہو رہا ہے۔ شاید انہوں نے اس طرف ہی نفول سمجھا تھا۔ کیونکہ دیواریں بہت اوپر تھیں اور ان کی دانت میں کسی آدمی کی دستی ہی نہیں باہر تھیں۔

کوئی کی پشت پر دور تک بھی گھاس کی جھاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ فتحا ایک طرف لے کر ابھی ہوئی اور جھاڑیوں سے ایک آدمی تکل کر کوئی کی طرف بڑھا۔ ٹھیک دیوار کے نیچے ہی کروہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تاروں کی چھاؤں میں تھوڑی دیر تک اس کی پرچھائیں دکھائی دیتی ہیں اور مزدوجہ تھوڑی دنوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔

کچھ فاصلے پر دو آدمی اور جھاڑیوں سے نکلے لیکن وہ زمین پر پیٹ کے بل ریک رہے۔ نہ ان کا رخ بھی کوئی ہی کی طرف تھا۔ ان میں سے ایک ریغتے ریغتے رک گیا۔ دوسرا کچھ گے بڑھ کر پیچھے کی طرف مڑا اور آہستہ سے بولا۔

”کیا ہوا.....؟“

”ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔“ دوسرے نے کہا۔ ”لیکن اگر یہاں درانی کے بھوت سے اُن ملاقات حاصل ہوا تو.....؟“

”میدا! خدا کے لئے.....“ پہلا کچھ کہتے رک گیا۔ اس کی نظریں کوئی کے شامی سرے پر کوئی کھڑی تھیں۔

”فریدی صاحب! میں آنس کریم ہوا جا رہا ہوں۔“

”چپ.....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔

ٹھاملا سرے سے ایک اور سایہ آگے بڑھ رہا تھا۔ فریدی اور حیدر جہاں تھے وہیں رک گئے۔ اسرا یہ بھی اسی جگہ آ کر غائب ہو گیا جہاں پہلا غائب ہوا تھا۔ فریدی ایک گڑھے میں ریک لیڈ میدنے بھی اس کی تعلیم کی۔ انہوں نے تین سائے اور دیکھے وہ بھی کوئی ہی کی طرف بڑھا ہے تھا۔ دیوار کے نیچے پیکنگ کروہ زمین پر لیٹ گئے اور تیسرا دیوار سے تک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر لالکار جو میں روشنی کا ایک دھبہ دکھائی دیا۔ وہ دنوں غائب ہو چکے تھے۔ تیسرا بدستور دیوار

نے پروفیسر چودھری کی کوئی میں ساتھا اور ہلاڑ پروفیسر درانی کے یہاں بھی دیکھا گیا۔ چون کائل پراسار حالات میں ہوا اور پروفیسر درانی کائل بھی اس سے کم پراسار نہیں ہے۔“

”کیوں نہ شلاڑ کو راست میں لے لیا جائے۔“ حید نے کہا۔

”اس کے خلاف کوئی واضح ثبوت ہم کہاں سے لا میں گے۔ البتہ اس کی کڑی مگر انہیں شروع کر دی گئی ہے۔ اس کا انتظام میں نے اسی دن کر لیا تھا جب انور نے مجھے اس کے قلم اطلاع بھیم پہنچائی تھی۔“

”حید تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔ آخر عمارہ کا کیا انتظام کیا جائے..... مزدوجہ تھوڑی دو نوں ہی اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔“

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میں نے یہ سوچا ہے کہ اسی۔ آئی۔ جی صاحب کے یہاں پہنچادوں۔ وہاں وہ ہر طرح محفوظ رہے گی اور ان کا خانہ بھی خاصا بڑا ہے۔ چھوٹے بچے بھی کئی ہیں۔“

”یہ بہت اچھا رہے گا۔“ حید نے کہا اور پاس سکانے لگا۔ اس کے چہرے پر انہیں عکس کے آثار تھے۔

اندھیرے میں

پروفیسر درانی کی کوئی رات کی سیاہ چادر میں لپی کھڑی تھی۔ گیارہ بج پکے تھے۔ سانچہ سڑک سنان پڑی تھی۔ کبھی کبھی ان سفتریوں کے کھانے کھنکھارنے کی آوازیں فضائی میں ہو جاتی تھیں، جن کا پہرہ پروفیسر کی کوئی پر لگایا گیا تھا۔ اکثر ان میں سے ایک آدمہ بلند آواز میں موسم کی ماں یا بہن سے اپنارشتہ بھی ظاہر کر دیتا۔ وہ پوری پوری ایمانداری سے اپنے فرائض انجام

کے سہارے کھڑا رہا۔

”آگئے چوپی کھیل رہے ہیں..... یار لوگ۔“ حمید اپنے سر دی سے بجھتے ہوئے دانور قابو پا کر آہستہ سے بولا۔

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا وہ اندر ہرے میں گھوڑا باتھا۔ اس کی نظر میں اس آدمی پر ہوئی تھیں، جو ابھی تک دیوار کے سہارے کھڑا رہا۔

”نقب.....!“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”مگر انہوں نے نقب لگائی کس وقت۔ پہلا دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گیا تھا۔“

”اور ہم دونوں بھی۔“ حمید دانت کلکنا کر بولا۔ ”اگر تھوڑی دریا اسی طرح پڑے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غائب ہو جائیں گے۔“

”چپ.....!“ فریدی آہستہ سے بولا۔ وہ اپنے دانہ باتھ میں ایک بڑا سا پتھر قول رہا تھا

”ارے..... ارے.....!“ حمید کہم کر ایک طرف ہتا ہوا بولا اور فریدی کو بے ساختہ بھی آگئی

”لبے تجھ نہیں مار رہا ہوں..... خدا کی قسم تم بڑے سور ہو۔ آئے کیوں تھے؟“

”تو کیا آپ اسے مار رہے ہیں۔“ حمید نے سائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں..... کونہیں۔“

”شاید آپ کو مجھ سے زیادہ سردی لگ رہی ہے۔“ حمید اس کا پتھر والا باتھ پکڑتا ہوا بولا۔

”کیوں.....؟“

”اگر پتھر اسے لگنے کے بعد نے دیوار سے لگا تو.....؟“

”مجھے اعتماد ہے کہ وہ اس کے سرخی پر لگے گا۔“

”تب تو آپ کو بخار بھی معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر فرض کیجئے یہ۔

اس کے سر پر بھی پڑا تو وہ اس قابل نہ رہ جائے گا..... کہ بعد کو ہم اسے شناخت کر سکیں۔“

”اس کے علاوہ اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دیکھتے نہیں کہ اس کی پشت دیوار سے لگا۔ اور چہرہ ہماری طرف ہے۔“

”اگر آپ اس کا بصدق دل اعتراف کریں کہ حمید دنیا کا سب سے بڑا سراغ رسالا ہے۔“

”کیا تیڈی ہو سکتا ہوں۔“

”نی صرف دنیا..... مرخ، زہر، عطار و مشتری وغیرہ کے سب سے بڑے الہو ہو۔“

”چلے خیر بھی سکی۔ میں اسے دیوار کے پاس سے ہٹانے جا رہا ہوں اور میرا ڈکش کہتا

کہ وہ یا اور نہیں استعمال کرے گا۔ کیونکہ دوسرا طرف مسلسل پتھر ہے۔“

”حید صاحب! اسکر یونہ ڈھیلے ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا تمہیں وہ زہر میلے تیر یا نہیں؟“

”مجھے یقین ہے کہ اس کے پاس کمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ تیر یا اور کی نال میں رکھ

نہ سکتے جاتے ہوں گے۔ آپ آخر ڈرتے کیوں ہیں؟“

زیریں آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر حمید کو گھوڑے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ حمید ہی

راہ ہے یا اس کے جسم میں کسی شیطان کی روح حلول کر گئی ہے۔

”شاید آپ پر گارس اس کا خوف بُری طرح مسلط ہو گیا ہے۔“ حمید پتھر بولا۔

”حید پا رے.....“ فریدی تحریر آمیز لمحے میں آہستہ سے بولا۔ ”کیا واقعی تم اس وقت اسی

مل ہو یا محض زبان طاری ہے؟“

”بات صرف اتنی ہی ہے مرشد و مولائی کہ میں اپنا خون کھولا کر سردی مٹانے کی کوشش کر رہا

ہا۔ مگن خیر..... تیار ہو جائیے..... میں اسے میدان میں لاتا ہوں.....“ حمید نے کہا اور

سے کے باہر ریک گیا۔ وہ جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ ذرا سا ابھر اور

لین کر رین گئے لگا۔ فریدی نے دیوار سے لگے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ آگے کی طرف

اونا شاید حمید کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پتھروہ بھی پھر تی سے زمین پر لیٹ گیا اور حمید کی

ن تحریر سے رین گئے لگا۔ فریدی تیار تھا جیسے ہی وہ گڑھے کے قریب پہنچا اس نے اچھل کر اس

اگر ان دیوچ لی۔ اس کا ایک باتھ اس کے منہ پر تھا لیکن وہ آدمی بھی کم طاقت ورنہ معلوم

اگر۔ اگر حمید نے بھی آگے بڑھ کر اس کے سر پر ریا اور کا دستہ نہ رسید کر دیا ہوتا تو شاید وہ

بیکاں کر گرفت سے نکل سکی گیا تھا۔ وہ بیہوش ہو گیا۔ انہوں نے اپنی تائیاں کھو لیں اور اس کے

وہنگ جگڑ کر اسے گڑھے میں ڈال دیا۔ دفعتاً حمید کو پتھر کچھ یاد آیا۔ اس نے جیب سے رومال

لکڑا کے منہ میں ٹھوں دیا اور فریدی کے رومال سے اس کے ہونٹوں پر پٹی باندھتا ہوا بولا۔

میں دائرے کی نکل میں تھا۔ جس کے چاروں طرف گلری تھی اور گلری کے بعد برآمدے پر کروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جن کے درمیان کئی طویل راہداریاں تھیں۔ اگر کوئی کروں پر سے صحن کی طرف دیکھتا تو وہ اسے ایک وسیع کنوں معلوم ہوتا۔

باروں کی وحدتی روشنی نے صرف صحن بلکہ برآمدوں کو بھی نیم تاریک کر دیا تھا اور یہ کوہ دونوں آدمی صاف نظر آرہے تھے۔

”بچھے ہو.....!“ وہی نسوانی آواز پھر سنائی دی اور فریدی کو دھنٹا اس لڑکی کی آواز یاد آگئی
اور حید کو جو کارے کر رہا نمیر نکال لے گئی تھی۔

”میں جانتا ہوں ریوالور خالی ہے۔ ایک مرد کی آواز آئی۔ لیکن وہ بھی انگریزی ہی میں ناوارس کا الجہہ بھی غیر ملکی ہی تھا۔

”بچھے ہو.....!“ وہ پھر چھین۔ قبوڑے و قے کے بعد کھڑکی پر اہست سنائی دی اور ایک فائز گلن آواز اتنی بلکی تھی کہ کوئی کے باہر والوں نے شاید ہی سنا ہو اور وہ چھ..... بڑی دلخراش شاید اس لڑکی نے مرد کا خاتمه کر دیا تھا۔

”دونوں آدمی جو کھڑکی کے نیچے کھڑے نتھے کمرے کے دروازے کے قریب آگئے۔ کوئی ناکر کرے سے نکلا لیکن ان دونوں نے اسے دونوں طرف سے جکڑ لیا۔

”ریوالور جھین لو.....!“ ایک بولا۔

تو ڈوی کی جدوجہد ہوئی اور لڑکی کے منہ سے گالیوں کا طوفانِ اہل پر اچھا یاد دے نہ
رہ گیں یا تھا۔

”گے کرے میں لے چلو۔“ ایک نے کہا۔ یہ دونوں بھی انگریزی ہی میں گفتگو کر رہے تھے۔
”دونوں اسے اسی کرے میں گھسیت لے گئے جس سے وہ نکلی تھی اور فریدی آہستہ سے ناکر قریب آگیا۔

”رُوشی کر..... دیا سلامی جلا کر سونگ ڈھونڈھ لو.....!“ مردانہ آواز سنائی دی۔ فریدی اسی کو گلے گلے لے لیا۔

پھر لیا سلامی جلی پھر کمرے کا بلب روشن ہو گیا۔

”اب اس کی روح کم از کم منہ کی طرف سے تو نہ نکل سکے گی۔“

”اس وقت تم نے وہ کام کیا ہے..... خیر میں تمہیر، کم از کم سورپے عیاشی کے لئے دول گا۔“

”خدا آپ کے بال پر یوں کو بھی عیاشی نصیب کرے۔“ حید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔ اور پھر وہ دونوں تیزی سے دیوار کے نیچے پچھے۔ یہ دیوار پتھر کی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی با جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ نیچے بنیاد سے ملی ہوئی ایک سل نکال دی گئی تھی اور ایک آدمی پر آسانی رہ کر اندر جا سکتا تھا۔

”تم باہر ہی ٹھہر دو.....!“ اس نے حید سے کہا۔ ”کوئی نکل کر جانے نہ پائے۔“

”اسی بات پر ایک گندی کی میلی یاد آ رہی ہے۔“ حید بھنا کر بولا۔ ”مگر..... خیر.....! اسے دھرا دیں گانہیں..... ممکن ہے اسی وقت شہادت نصیب ہو جائے۔“

فریدی اسے باہر چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ ایک تاریک راہداری میں تھا۔

چونکہ دن ہی میں اس نے یہ عمارت اچھی طرح دیکھ لی تھی اس لئے اسے یہ معلوم کر میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ کوئی کے کس حصے میں ہے۔ پوری عمارت تاریک پڑی تھی اور کہیں؟ کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے رسول کے جو تے پہن رکھے تھے اس اور قدموں کی آواز بیدا کے بغیر تیزی سے آئے۔ ہر رہا تھا..... دھنٹا وہ چونک پڑا..... ممکن۔ کہ وہ محض واہم رہا ہو۔ کیونکہ اس نے دبی ہی نسوانی چیخ سنی تھی لیکن یہ معلوم کرنا دشوار تھا۔ آواز کدھر سے آئی تھی۔

راہداری سے نکل کر وہ ایک گلری میں آیا۔ پھر بڑے ہال کی طرف مڑھی رہا تھا کہ اسے پھر وہی چیخ سنائی دی۔ اس بار اس نے آواز کا رخ معلوم کر لیا۔ ایک کمرے کی کھڑکی کے نیچے ”آدمی کھڑے کرے کے اندر جھاٹک رہے تھے اور وہ آواز اسی کمرے سے آئی تھی۔ فریدی قریب ہی کے ایک ستون کی آڑ میں ہو گیا۔

یہ عمارت مغربی اور مشرقی طرز کا ایک لاکش امتراج تھی۔ باہر سے تو وہ ایک خالص مغربی طرز کی عمارت معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے اندر بھی صحن تھا اور اسے بڑی خوبصورتی سے بنایا گیا۔

اور پھر فریدی نے وہ منظر دیکھا کہ اس کی آنکھیں حرث سے بچل گئیں۔

”سنہری بھیزی ہے۔“ وہ آہتہ سے بڑا بڑا۔

وہ لڑکی حقیقتاً وہی تھی جس نے اسے اور حمید کو انکو بنایا تھا۔ وہ دونوں آدمی کافی تو ہیں؛ اور خونخوار چہروں والے تھے۔

”لاو نکالو..... کیا لے جا رہی تھیں۔“ ان میں سے ایک بولا۔ وہ دونوں اس لاثر طرف سے قطیٰ لاپرواہ نظر آ رہے تھے، جو ان کے پیروں کے قریب ہی پڑی تھی۔ فریدی کو کے پیروں صاف نظر آ رہے تھے۔

”میں تم سے بالکل خائف نہیں ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

دونوں زور سے ٹھنڈے اور پھر دوسرا بولا۔ ”لڑکی..... ہم نہیں چاہتے کہ تمہیں نہ کریں خود ہی نکالو۔“

”میں کچھ نہیں لے جا رہی ہوں۔ یہ مجھے زبردستی بیہان پکڑ لایا تھا۔“ لڑکی لاش کی طڑ اشارہ کر کے بولی۔

دونوں نے پھر قہقہہ لگایا۔

”یہ کون ہے؟“ پبلے نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“

”ہم جانتے ہیں..... اور تم بھی جانتی ہو..... مگر بے بی تم کون ہو اور کس کے لئے کر رہی ہو؟“

”تم لوگ نہ جانے کیا بک رہے ہو۔ میں نے ایک ایسے آدمی کو گولی ماری ہے جس کو پر مجرمانہ جملہ کیا تھا۔“

”لاو نکالو وہ ڈاڑھی۔“ پہلا گرج کر بولا۔ ”تم جانتی ہو کہ تم نے شہزاد کو قتل کیا ہے۔“ یہ بھی جانتی ہو کہ شہزاد نے پچھلی رات کو اسی ڈاڑھی کے لئے پروفیسر کو قتل کیا تھا۔ چلو نہاد کس کے لئے کام کر رہی ہو؟“

”تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ لڑکی جھلا کر بولی۔

”چلو ک جلدی کرو۔“ پبلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ اور یہاں۔“

”وہ اندر نہ آ سکیں گے۔ جیک دس پر اکیلا بھاری رہے گا۔ چلو لڑکی۔ نکالو جلدی..... تم نبیصورت ہو۔ ہم زبردستی نہیں کریں گے۔“

رنگنا فریدی نے اپنی پشت پر قدموں کی آوازیں سنی اور کھڑکی سے ہٹ کر برادر والے رہے میں گھس گیا۔ جو تاریک تھا۔ آنے والے چار تھے۔ ان میں سے ایک کھڑکی کے قریب آ گیا۔ ”ہندزا پ.....!“ دوسرے لمحے میں فریدی نے ایک گر جدار آواز سنی اور ساتھ ہی لڑکی کا نہ گی کرے میں گنجائ۔

”اچھا سنہرے بھیزی ہو۔“ اس نے تیر آواز میں کہا۔ ”اگر پیچان سکتے ہو تو پیچان لو..... ماں کی لئے کام کر رہی ہوں۔“

فریدی کا سر چکرانے لگا۔ وہ حمید کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آخر یہ چاروں کدھر سے آئے۔ رہے کہ اس نسب کے علاوہ کوئی اور راست اندر آنے کا نہیں تھا..... کیا حمید؟ کیا یہ اسے ختم کئے آئے ہیں؟ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا..... لیکن وہ وہاں سے ہٹ نہ سکا..... الگ کی ایسی ڈاڑھی کا تھا جس کے لئے پروفیسر قتل کا گیا تھا۔

فریدی اپنی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مار پیٹ اور دھوول دھپے کی آواز سنائی دی۔ کہانے لیج کر کہا۔ ”ایڈنا..... تم نکل جاؤ۔“

فریدی کرے سے برآمدے میں کھک آیا۔ صحن میں وہ سب ایک دوسرے پر پل پڑے کا دروازہ کی تحریک قدم بڑھاتی ہوئی برآمدے کی طرف آ رہی تھی۔ فریدی دیوار سے چپک گیا۔ یعنی وہ اس کے قریب پہنچی وہ تحریک سے آگے جھکا۔ پھر اس کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر تھا اور الگ ڈاڑھی کے اندر..... اس نے ڈاڑھی نکال کر اپنی جیب میں ڈالی اور لڑکی کو کمر پر لاد لیا۔ یہ ساتھی بھرتی سے ہوا کہ لڑکی اپنی گلکو خلاصی کے لئے ہاتھ پیر بھی نہ ہلاکی۔ اس نے اس کا منہ لٹک دبارکھا تھا۔

”اٹرل پہنچ کر اس نے اسے نیچے اٹارا۔“

جید دل پندرہ مسلک سپاہیوں کے ساتھ برآمدے میں موجود تھا۔ اس دوران میں اتفاق سے پہلی کی ایک گئی لاری بھی آگئی تھی اور اس سے بھی کچھ مددل گئی تھی۔ وہ سب اندر داخل ہوئے گھر میں میں نہیں تھا۔ انہوں نے تارچیں روشن کیں۔ وہ آدمی فرش پر اونٹھے پڑے دکھائی دیئے۔ ان کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور چہرے نیلے پتھر گئے تھے۔ یہ وہی دونوں تھے جنہوں نے یوں کو پکڑا تھا۔ وہ چاروں انہیں بے دم کر دینے کے بعد شاید اس خیال کے تحت نکل گئے تھے لیکن بھفاظت اپنے ٹھکانے پہنچ گئی ہو گئی۔

فریدی ان دونوں کو حرast میں لینے کے لئے کہتا ہوا اور پری منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔
جید بھی اس کے ساتھ تھا۔

”میرے بعد آنے والے چار آدمی نہ جانے کہہر سے آئے تھے۔“ فریدی نے کہا۔
”ای طرف سے جہاں آپ نے مجھے کھڑا کیا تھا۔“ حید بولا۔ ”میں نے انہیں راستہ تو اپنے یا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ سبل کر آپ کی چلنی نہ بنا دیں۔“
”جہلا راستہ کس طرح دیا تھا.....؟“ فریدی نے کہا۔ پھر دفعتاً چوک کر بولا۔ ”ارے
لمانے انہیں وہ اش تو دکھائی ہی نہیں۔“

”کون سی.....؟“
”علاوہ کی اش.....!“
”کیا ہےاں.....!“

”ہاں.....!“ فریدی نے اور پری منزل پر پہنچ کر اس کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا
لکھیں وہ لڑکی بندھی۔

چیخے علی فریدی نے تارچ کی روشنی ڈالی حید میساختہ اچھل کر بولا۔ ”ارے! آپ ہیں۔“
پھر اس نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسے اٹھایا اور کانٹھے پر ڈال لیا۔ وہ ابھی تک یہ وہی
لکھا۔ ”دونوں پھر نیچے اترنے لگے۔

”ہاں کس طرح راستہ دیا تھا.....؟“ فریدی نے پوچھا۔
”پہنچ.....پھر بتاؤں گا.....!“ حید تھوک نگل کر رکھ گیا۔

”لڑکی..... اگر شور مجاہدگی تو میں گلا گھنٹ کر تمہیں مارڈاں گا۔“ اس نے بھلکے لہذا میں کہا۔ بہر حال ایسا ہی معلوم ہوا چیز کوئی جسم انگریزی بول رہا ہو۔ لڑکی بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر فریدی نے اس کی دونوں کپٹیاں دبا کیں اور وہ لمرا کر اس کے بازوں کی آرہی۔ وہ بیہوں ہو گئی تھی۔ فریدی نے اسے فرش پر ڈال دیا اور کمرے کے دروازے کو بیہر بند کر کے پھری منزل کی طرف پکا۔ نیچے سے بدستور آوازیں آرہی تھیں۔ شاید ابھی تک ان کش کیش کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

تیری منزل کی چتیں سپاٹ تھیں۔ فریدی بے تابی سے پشت والے حصے کی طرف ہے۔ اسے حید کے لئے پریشانی تھی اور یہ پریشانی لحظہ بہت بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے نیچے جماں دیکھا کوئی اسی جگہ دیوار سے چپکا کھڑا تھا جہاں اس نے حید کو چھوڑا تھا۔
وہ سوچنے لگا کہ کہیں وہ انہیں چاروں کے ساتھیوں میں سے نہ ہو، جو بعد میں آئے۔
فریدی تھوڑی دیریک پکھ سوچتا رہا پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں آہستہ آہستہ سیٹی جاہا دیوار سے چپکا ہوا آدمی الگ ہٹ گیا۔ شاید وہ اپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے پہ بجائی اور نیچے سے اس کا جواب آیا۔ فریدی نے اطمینان کا سانس لیا۔ پھر اس نے فارٹیں نکالا۔ جیب سے وہ ڈائری نکال کر اس میں سے ایک سادہ درق چاڑا اور تارچ کی روکنی لکھنے لگا۔ ”فوراً پھرے والوں کی طرف جاؤ اور تمنے چار آدمیوں کو لے کر برآمدے آجائو۔..... میں دروازہ کھولتا ہوں۔“

پھر وہ کوئی چھوٹی سی وزنی چیز ڈھونڈنے لگا جس سے اس کا نندہ کو لپیٹ کر نیچے پھکے۔
سکے۔ چھت پر اکھڑے ہوئے پلاسٹر کے بہت سے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان
سے ایک اٹھایا۔

تارچ کی روشنی میں فریدی کی تحریر نیچے پہنچ گئی۔ حید نے اسے اٹھا کر سکار لائٹ کی روشنی پڑھا اور پھر اسے جیب میں ڈال کر وہاں سے چل پڑا۔
فریدی تیزی سے مغلی منزل پر آیا۔ ان آدمیوں کی ہاتھا پائی اور غرامت ابھی تک با
تھی۔ فریدی ہاں سے گزرتا ہوا ایک ایسے کمرے میں آیا جس کا ایک دروازہ برآمدے میں کھلتا

بلبرہ

”وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے اسی کمرے میں آگئے جہاں سے ہلاڑ کی لاش اٹھائی گئی۔ جہاں ہالیلو کا فرش تھا۔ انہیں ایک کونے کا ایک نائل اکھڑا ہوا دکھائی دیا۔ فریدی نے خالی چمٹی ہارچ کی روشنی ڈالی۔ ایک زمین دوز خانہ سانظر آیا۔

”وہ ہیں تھی۔“ اس نے حمید کی طرف ہڑک کہا اور اکھڑے ہوئے نائل کو پھر اس کی جگہ پہنچا دیا۔ دونوں پولیس والے کمرے کے باہر تھے۔ وہ دونوں بھی روشنی گل کر کے کمرے سے پہنچا۔

”اوہ میں لا رڈ.....“ فریدی اپنا سر تھپٹھپا کر بولا۔ ”آج دماغ نہ جانے کہاں ہے۔ ہم اسے لال آئے۔

”ابوں ہی گھے جسے گڑھے میں ڈال آئے تھے..... لا حول ولا قوۃ۔“
”بیر ونی دروازہ بند کر کے اسی نقب کے ذریعہ کوٹھی کی پشت پر پہنچے۔ گڑھے میں وہ آدی پتوں موجود تھا اور اسی طرف بندھا، ہوا چاروں طرف لڑکا پھر رہا تھا۔

”زیادہ جوش نہیں میرے نہرے بھیڑیے۔“ فریدی نے کہا اور سپاہیوں کی طرف مخاطب ہوا ردو میں بولا۔ ”اسے بھی اٹھاؤ۔ اسے بخفاہت کو تو اسی سک پہنچانا تمہارا کام ہے۔ میں ایک خطاب رہا ہوں۔“

ٹھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید مدد ہم سروں میں سیٹی بجاتے سڑکیں ناپ رہے تھے۔

”بہر حال تین نہرے بھیڑیے بھی پکڑے گئے جن میں ان کا سر غنہ بھی ہے۔“ فریدی نے نہ کہا۔

”نہرے بھیڑیے..... کیا مطلب.....؟“

”کیا یورپ کے نہرے بھیڑیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے؟“ فریدی نے پوچھا۔
”فریڈرک ایڈٹ کو.....!“ حمید نے کہا۔ ”وہ جو مولیٰ کی اتحادیوں کی قید سے نکال لے گا تھا۔“

”وکی..... ان دونوں قیدیوں میں سے ایک فریڈرک ہی ہے۔“
”نہیں.....!“ حمید کے لمحے میں حیرت تھی۔

”مالا، احباب زادے۔ مجھے حیرت ہے کہ آخر یہ سب یہاں کیا کر رہے ہیں اور پتے نہیں۔“

”بیٹے زیادہ دماغ خراب نہ ہو۔“

”نیچے پہنچ کر فریدی نے لڑکی کو بھی پولیس والوں کے سپرد کرنا چاہا لیکن حمید پھیل گیا۔ فریدی کو الگ لے جا کر کہنے لگا۔ ”نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں.....؟“

”میں انتقام ضرور لوں گا۔“ حمید نے کہا۔

”پاگل ہوا ہے؟ ابے الو..... جو کچھ تو نے سوچا ہے اسے انتقام نہیں احسان کہتے ہیں۔“

عورت سے انتقام لینے کی صورت ہے کہ اس کی گود کا پچھہ چھین کر اسی کے سامنے اس کی ٹانگیں چیر ڈالی جائیں۔“

”نہیں..... میں تو.....!“

”چپ رہو..... گندے..... بُور.....!“

فریدی نے ہلاڑ کی لاش بھی اٹھا دی۔ وہ دونوں ابھی تک بیہوش تھے۔ البتہ لڑکی میں آگئی تھی اور آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر پولیس والوں کو دیکھ رہی تھی۔

”ہیلو سوئٹی.....!“ حمید اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔ ”اس وقت خاک کیوں ہو۔“

لڑکی نے سر جھکایا۔
”ان سب کو لے جائیے۔“ فریدی نے گشٹی لاری کے سب انپکڑ سے کہا۔ ”کڑی گر میں رکھئے گا۔ میں ابھی کوتولی میں آکر مفصل روپورٹ دوں گا۔“

”وسلخ کا شیبل فریدی اور حمید کے ساتھ رہ گئے۔ فریدی نے مختصر آسرا اور احمد حمید کو نکال کہا۔“ شاید وہ نقب بھیجنی ہی رات کو لگائی گئی تھی اور ہلاڑ نے اسی کے ذریعے اندر دالی۔

پروفیسر کو ختم کیا تھا۔ مگر وہ کم بخت سیکریٹری کون تھا..... اور کہاں غائب ہو گیا۔ انور نے ہلاڑ اسی سے تو گفتگو کرتے دیکھا تھا۔

”اور وہ بڑا.....!“
”چپ.....!“ فریدی نے حمید کی بات کاٹ دی۔ ”اس کے متعلق پھر گفتگو کریں گے۔“

اکھی اور کتنے ہیں۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم پھر کچھ دنوں کے لئے بہت بڑے آدمی ہونے والے ہیں۔“
دنوں خاموش چلتے رہے۔ حمید پھر ہڑوڑی دیر بعد بولا۔

”اس لڑکی کا مجھے قیامت تک افبوں رہے گا۔“
”پھر کیڑے کلبائے..... دوں گا ایک تھڑے۔“

”وہ سور و پے کب دلوار ہے ہیں؟“

فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک کار تیزی سے آرہی تھی اور اس کی ہیڈ لائنس کی روڑ سڑک پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دنوں باسیں طرف سرک گئے۔ کار ان کے قریب پہنچ کر اجاہ باسیں طرف مڑی اور فوراً ہی رک گئی۔ وہ دنوں اچھل کر پیچھے ہٹ گئے اور ابھی سنجلے ہمیں راپا ہے۔“
پائے تھے کہ کار سے کسی نے انہیں للاکرا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“

ان کے ہاتھ اس طرح اٹھ گئے جیسے وہ کسی مشینی عمل کے تحت اٹھے ہوں۔ چار آٹھ سے اترے۔ پانچواں ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا رہا۔ ان چاروں کے ہاتھوں میں ریوال اور تھ۔
”وہ ڈائری نکالو۔“ ان میں سے ایک اکھڑی اکھڑی اگریزی میں بولا۔

”وہ تو گئی۔“ فریدی نے بیساختہ کہا۔

”ان کی تلاشی لو۔“ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی نیچے اترتا ہوا بولا۔
”وقت بت بر باد کرو۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ اس وقت تک کوتولی کی تجویزی میں پہنچ چکی ہوگی
حید سوچ رہا تھا کہ آخر فریدی کیا سمجھ کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چار چار روپیوالوں کی تباہی
ان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ لہذا ایسی صورت میں کوئی چال کار گرنیں ہو سکتی تھی۔ وہ یہ بھی ؟
تھا کہ وہ لوگ تلاشی لئے بغیر نہ چھوڑیں گے۔

پانچویں نے فریدی کی جام سہ تلاشی لی اور پھر حید کا جسم ٹوٹ لے گا۔

”نہیں ہے۔“ پانچواں آدمی غرباً۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے رکھو۔“
وہ پانچوں کار میں بیٹھ گئے اور کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ حید نے اپنے ہاتھ گردی

ن زیری بستور اٹھائے رہا۔

”ایسا سمجھے؟“ حمید اسے چھوڑ کر بولا۔

”میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ ڈائری ہے کیا بلہ۔“ فریدی اپنے ہاتھ گرا کر بولا۔

”لیکن وہ ہے کہاں؟ میرے خیال سے اسے آپ نے ان لوگوں کو تو دیا نہیں تھا۔“

”وہ دیں ہے جہاں پہلے تھی۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”لیں.....؟“

”پوفیسر کی کوئی میں..... اسی زمین دوز خانے میں..... میں اتنا جھنخ نہیں کہ اسے ساتھ

بے پورا ہے..... لیکن ان کے فرشتے بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ اب بھی وہیں ہے۔ پتہ نہیں اس

راپا ہے۔“

نئی مصیبیت

”مرا دن بھی کے لئے تحریر خیز تھا۔ وہ لڑکی سخت پہرے کے باوجود بھی حالات سے غائب رکھتی۔ وہر دن کی نظروں میں تو یہ معاملہ انجائی پر اسرا رہا لیکن فریدی اور حمید اچھی طرح بائش تھے کہ کیا واقعہ پیش آیا ہو گا۔ کیونکہ وہ اس لڑکی کے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتے تھے۔ فریدی کے اماماء پر پہرے والے تین ساہیوں کو حرast میں لے لیا گیا اور پھر جب ان پر بیان زیادہ تشدد کیا گیا تو انہوں نے حقیقت ظاہر کر دی۔ اس لڑکی نے ان پر بھی اپنا پرانا حرابہ تنہل کیا تھا اور انہیں بھی جل دے کر بے داغ نکل گئی تھی۔“

ٹھاکی اخبارات کے غیر معمولی خیسے شائیک ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہے تھے۔ پوفیسر بلندی کا قتل کم پر اسرا رہ تھا پھر اس کی ویران کوئی غیر ملکی جاسوسوں کی موجودگی اور ان کی مشتبہ

”باب والا! اگر آپ میرے مشورے پر عمل کرتے تو یہ دن دیکھنا نہ فسیب ہوتا۔“ وہ بار ہی جلد ہرا تھا۔

شام کو پھر انہوں نے پروفیسر درانی کی کوئی کارخانہ کیا۔ فریدی اس ڈائری کے لئے بُری آپ بھی تھا۔ دن بھر وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا تھا۔

بھی ہی اس نے کوئی میں قدم رکھا پچھلی رات کے سارے واقعات ایک ایک کر کے اس انگلی کے سامنے آگئے۔ اس کمرے کے دروازے جس میں اس نے ڈائری رکھی تھی اب انگلی ہوئے تھے۔ فریدی نے آگے بڑھ کر فرش سے نائلہ ہٹایا اور پھر..... اگر وہ یکخت را کر پہنچنے ہوئے تھے۔ فریدی تو اس زمین دوز خانے سے پھن کاڑھ کر اچھنے والے ساتھ نے ہیں یا لیا تھا۔ حمید تو بوكھلا کر میز پر چڑھ گیا۔ دونوں حیرت سے آنکھیں چھاڑے اس پر گھوڑے تھے، جو خانے سے نائلہ آنے کی جدوجہد میں مشغول تھا۔

”یاد شاید پھر چوت ہو گئی۔“ فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

مید کچھ نہ بولا۔ ساتھ کومار ڈالنے کے بعد وہ اس خانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ڈائری بھی البتہ تھے میں انہیں ایک لفافہ دکھائی دیا۔ فریدی نے اسے نکالا اور اسی کا نام تحریر کیا۔ اس اور حمید لفافے سے برآمد ہونے والے خط پر بھک پڑے۔

”سر فریدی!

اپنے دو چار معمولی کارناموں پر پھول جانے والے عوامی احتقہ ہوا کرتے تھے۔ تم خود کو دنیا کا ذریک ترین آدمی سمجھنے لگے تھے اس لئے تمہارے لئے ایک لہری، لہلکی ہی چپت تجویز کی جاتی ہے اول تو میں یہی سمجھتی ہوں کہ تمہیں یہ ساتھ لانے چھوڑے گا لیکن اگر بدستی سے فیک گئے تو یہ خط دیکھ کر ضرور سوچو گے کہ وہ نہیں ہیں یعنی لیتا تو بہتر تھا۔ میں تمہیں یہ تعریت نامہ محض اس لئے لکھ رہی ہوں کہ مجھے بے حقوق آدمیوں سے دلچسپی ہے اور پھر تم تو صرف بے حقوق ہی نہیں بلکہ کمال حسکن بھی ہو۔ جاہلوں کی شجاعت بھی رکھتے ہو۔ بہر حال میں جب تک نہیں ملک میں ہوں تم میں ضرور دلچسپی پتی رہوں گی..... اگر مجھ سے مٹا چاہو

نقل و حرکت۔ ایک غیر ملکی جاسوس کی لاش دنیا کے مشہور شاطر فریڈرک اور اس کے راتھ گرفتاری۔ ان سب واقعات نے اخبار والوں کے لئے اچھا خاصاً مواد مہیا کر دیا تھا اور انداز سے ان پر نہ صرف اٹھار خیال کر رہے تھے بلکہ بہت سے عجیب و غریب فیلمیں کر دیئے تھے۔ لیکن گارسائیں کہیں تذکرہ نہیں تھا۔ اس کے متعلق فریدی، حمید انور شہزادہ، سراج رسانی کے ڈی۔ آئی۔ جی کے علاوہ کسی اور کوچھ نہیں معلوم تھا۔ یہ بھی فریدی کی خواہی تھی کہ اتفاق سے گارسائیں کاڑھ اسی کے ہاتھ لگ گیا تھا اور وہ اس کی ساخت کا پہلے ہی سے تھوڑی بہت معلومات رکھتا تھا۔ ورنہ شاید اس کے فرشتوں کو بھی گارسائیں کی ہوں نہ لگتی۔ کیونکہ وہ جاسوس جو اس کے خلاف نبرد آزماتھے اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے رات کو فریڈرک اور اس کے ساتھی نے اس لڑکی سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس کے لئے کام ہے ممکن ہے کہ مر نے والے شلاڑ کو بھی اس کا علم نہ رہا ہو کہ وہ کس سے لڑ رہا ہے۔

فریڈرک اور اس کی دوسرے ساتھی کی حالت ابتر تھی۔ ڈاکڑوں کا خیال تھا کہ ممکن ہے۔ ان کا تیرسا تھی جسے فریدی اور حمید نے باندھ کر گڑھ میں ڈال دیا تھا کہ بات نہ بتا سکا جس سے چودھری یاد رانی کے معاملات پر روشنی پڑتی۔ وہ برا بری ہی کہے گیا کہ اہل واقعات کا علم نہیں تھا۔ اسی سے یہی معلوم ہوا کہ فریڈرک ان کا سرگرد ہے۔ اس کے پانچ آدمی ابھی تک آزاد تھے۔ لیکن وہ ان کی نشاندہی نہ کر سکا۔ پوچھ چکے دوبار اس نے نادانستہ طور پر یہ بات ظاہر کر دی کہ ٹرانسیور وں پر نے جانے والے عجیب وہ اشارات اسی کے گروہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔

پروفیسر درانی کا سیکریٹری ابھی تک لاپتہ تھا۔ اس کے متعلق تو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا تھا۔ پروفیسر درانی کے پاس کب سے تھا۔ ممکن تھا کہ عامرہ اس پر روشنی ڈالتی لیکن وہ بھی اپنا تو ازان کھو بیٹھی تھی۔ فریدی نے اپنی ایکم کے ماتحت اسے ڈی۔ آئی۔ جی کے یہاں پہنچا اور وہ اب ذہنی امراض کے ایک ماہر کے زیر علاج تھی۔ فریدی اور حمید دن بھر مصروف رہے۔ لڑکی کے نائلہ جانے کا نہیں بے حد افسوس تھا۔ اس مسئلے پر بار بار اسے چھیڑ رہا تھا۔

”خیر..... یہ ایسا حادثہ نہیں کہ تم میں سے کسی کا دماغ چل جائے۔“ حمید نے فریدی کو نوکا۔
”اُم خراس ڈائری میں کیا تھا.....؟“ فریدی چوک کر بڑا بڑا۔
”ڈائری میں عموماً بال ہوا کرتے ہیں۔“

فریدی نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر اسٹریٹ گک کی طرف متوجہ ہو گیا۔
”یہ نظر بھی مجھے خالی از علمت نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یعنی یہ محض
یہ نہیں ہے۔“

”یعنی اس کا یہ مطلب ہوا کہ آج رات چاند ماری کے میدان میں ضرور تشریف لے
جائے گا۔“

”ارادہ تو بھی ہے۔“

”یعنی اس کے الفاظ میں آپ اپنی جاہلانہ شجاعت کا مظاہرہ کریں گے۔“
”بھی سمجھ لو۔“

”میک ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”اس نے آپ کے حسن کی بھی تو تعریف کی ہے۔“
”اور تم اس لئے نہ جاؤ گے کہ وہ تمہیں بارش میں بھیگا ہوا لوگ جھتی ہے۔“

”خیر..... میری بات تو سمجھے مت۔“ حمید نے کہا۔ ”میں کہیں بھی آنکھ بند کر کے کوئی نہ کہاں سے کام
کرنے والوں ہوں۔“

”تھوڑی دیر یک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔“

”یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے اس ڈائری کے متعلق کوئی روپرٹ نہیں دی تھی ورنہ اور
لایا اتفاق اٹھانی پڑتی۔“

”آپ کو اسے وہاں چھپانا ہی نہ چاہئے تھا۔“ حمید نے کہا۔

”حقیقتاً میں اس وقت یہ بھی بھول گیا تھا کہ مقابلہ گارس اس سے ہے۔“

”ملائیے کوئی۔“ حمید اکتاہست کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ ”مجھے اب اس کیس سے بالکل دیکھی
کرنا رہی۔“

”کیوں.....؟“

تو چاند ماری کے میدان میں آج رات کو بارہ بجے مل سکتے ہو۔ میں وہاں تھا ہوں
گی۔ یہ لکھنا فضول ہے کہ تم بھی تھا آنا..... خیر..... پوشیدہ طور پر کم از کم چدر،
میں آدمی ضرور ساتھ لانا..... یہ تو تم نے دیکھی ہی لیا کہ میں تم اکیلے کے بس ہا
روگ نہیں۔ تمہاری جاہلانہ شجاعت سے موقع ہے کہ وہ تمہیں آج رات کو چاند ماری
کے میدان میں ضرور لائے گی۔ اپنے اُس امحق ترین ساقی کو ہرگز نہ لانا ہے دیکھ
کر مجھے بارش میں بھیکلے ہوئے الویاد آ جاتے ہیں۔

”وہی لڑکی۔“

آخری جملے پر حمید نے بُرا سامنہ بنایا اور فریدی کو گھوڑنے لگا جس کے چہرے پر غصہ
کا نثار کی بجائے مسکراہٹ تھی۔

”یہ سب کچھ آپ کی بدولت ہوا۔“ حمید بھنا کر بولا۔ ”اگر آپ نے اسے میرے
کر دیا ہوتا تو اس کی نوبت نہ آتی۔“

”چھوڑو یار.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس خط نے مجھے نہ جانے کہاں سے کام
پہنچا دیا۔ خدا کی قسم اگر یہ خط اسی لڑکی کا ہے تو مجھے اس پر پیار آنا چاہئے۔“

”اور اگر اس کے باپ نے لکھا ہے تو مجھے پیار آنا چاہئے۔“ حمید جل کر بولا۔
”آؤ چلیں.....!“ فریدی نے کہا۔

”میرا تو سینہ دفن ہونے کو دل چاہتا ہے۔“
”پیار ہٹاؤ بھی دل چھوٹا مت کرو۔ اسے غلط نہیں ہوئی ہے۔ تم بھیکے ہوئے الویاد
معلوم ہوتے۔“

”لیکن اس نے آپ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے حرفاً جرف مجھے اتفاق ہے۔“
”مجھے فی الحال تم سے اتفاق ہے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

”تباخ بستہ شام ہو لے ہو لے سیاہیوں میں تخلیل ہوتی جا رہی تھی۔ وہ دونوں کیڈی لال
بینچے گئے لیکن فریدی اس کا تصفیہ نہ کر سکا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔“

کافی دریک وہ یونہی بلا مقصد اور اذہر مارے پھرے۔

ہیں تھی۔ ان سے اس پنگامے کی وجہ بھی نہیں معلوم ہو سکی۔

دی بچتے ہی وہ حمید کے روکنے کے باوجود بھی کہیں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

”ذرا.....!“ حمید نے کہا۔ ”وہاں جانے سے پہلے یہ تو سوچ لججے کہ آخر چاند ماری کا

بھی کیوں؟ شہر کے گرد نواح میں کتنی اور سناسان علاقوں پر بھی تو ہیں۔“

”میں یہ سوچ کر نہیں جا رہا ہوں کہ وہاں طوفہ ملے گا۔“ فریدی بولا۔ ”چاند ماری کے

کے انتخاب کے مقصد سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ اس کا مقصد صرف بھی ہے کہ اگر

میں ہم بالکل تاریکی میں ہیں۔ مختلف معاملات ایک دوسرے سے الجھ کر رہے گے ہیں اور ہم ان

میں سے کسی کے متعلق پکھنیں جانتے۔“

”خیر..... اسے چھوڑیے۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ بتائیے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان

اور سنو.....!“ فریدی مکرزا کر بولا۔ ”اس اللہ واسطے کی دعوت کا مقصد بھی تمہیں

میں جائیں گے؟“

”ہاں.....!“ فریدی کے لجھے میں خود اعتمادی تھی۔

”یہ کہاں کی عقندی ہے۔ میں نے اس قسم کے چیلنج صرف بعض سڑے ہوئے جائزیاں

تاولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈنایا ڈنے کا بہرام وغیرہ قسم کے تاول ایسے خطوط سے بہرے

اہے ہذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ بھی سمجھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف

اہل اور اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا تو ہم کسی وقت بھی ٹھکانے لگائے جا سکتے ہیں۔“

”تو اکیلے جانا کہاں کی عقندی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”تم سے کس نے کہا کہ میں اکیلے جا رہا ہوں۔“

”ہم آپ نے مجھے تیار ہونے سے لئے کیوں نہیں کہا۔“

”اُسی وقت کے پروگرام میں تم نہیں ہو۔“ فریدی نے کہا اور سگار سکانے لگا۔

”کیوں.....؟“

”میں بھی..... جتنا کہا جائے اتنا ہی کرو۔“ فریدی بھجن چلا کر بولا۔

”یہ آئی جی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے

کو تو ای بھی فون کیا تھا اور جلد ایش سے کچھ دریک فریڈرک اور اس کے زخمی ساختی کے بارے

بال اسک کیا برداشت کر سکتا ہے۔ پھر حمید کے استفسار پر اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

”اتی شاندار نگست کی بعد بھی آپ یہ سوال کرتے ہیں۔“

”یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ تم اسے نگست کس طرح کہہ سکتے ہو جبکہ ہمیں یہ عمل نہیں معلوم کہ اس سارے پنگامے کا مطلب کیا ہے؟ وہ چیز جو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی اس کی الجھ کیا تھی؟ ہو سکتا ہے کہ وہ ڈائری ہمارے لئے قطبی فضول رہی ہو..... اس کے بھی امکانات تھے اسے پالیں کے بعد بھی ہمیں الو بننا پڑتا۔“

”حید بظاہر فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ فریدی بوتا رہا۔“ انہیں میں سے کسی کے متعلق پکھنیں جانتے۔“

”خیر..... اسے چھوڑیے۔“ حمید نے کہا۔ ”یہ بتائیے کیا واقعی آپ چاند ماری کے میدان میں جائیں گے؟“

”ہاں.....!“ فریدی کے لجھے میں خود اعتمادی تھی۔

”یہ کہاں کی عقندی ہے۔ میں نے اس قسم کے چیلنج صرف بعض سڑے ہوئے جائزیاں اور میں نے اس دعوت سے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس ڈائری میں ان کے متعلق نشان دہی تاولوں میں پڑھے تھے۔ بہرام کا ڈنایا ڈنے کا بہرام وغیرہ قسم کے تاول ایسے خطوط سے بہرے اہے ہذا اگر میں وہاں نہ گیا تو وہ بھی سمجھیں گے کہ میں ان کے اصل ٹھکانے سے واقف پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے کبھی بھی نہیں سنا کہ کسی مجرم نے سراغ رسال کو چلتی کیا ہو۔“

”میں نے بھی نہیں سن۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”حمد اتفاقہ میر نظر وول سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔“

”فریدی پھر بولا۔“ اسی لئے میں وہاں ضرور جاؤں گا۔“

”خیر اگر آپ کی قسم میں شہادت ہی لکھی ہے تو کوئی آپ کو اس سعادت سے محروم نہیں کر سکتا۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گھر پہنچ کر وہ بھی خاموش ہی رہا۔ کھانے سے قبل اس نے ڈی آئی جی سے فون پر گفتگو کی، جو پروفیسر درانی کی لڑکی کے متعلق تھی۔ اس کے بعد اس نے کو تو ای بھی فون کیا تھا اور جلد ایش سے کچھ دریک فریڈرک اور اس کے زخمی ساختی کے بارے میں پوچھ چکھ کرتا رہا تھا۔ پھر حمید کے استفسار پر اس نے بتایا تھا کہ ان دونوں کی حالت قابل

فیضی کے جانے کے بعد وہ پدرہ میں منت تک اس جگ سے ہلا بھی نہیں۔ اس کے کرزا رسانی کے تجربات میں شاید ہی بھی کوئی ایسا واقعہ آیا ہو جب اس نے اتنی شدت سے بے بی اس کی زندگی میں شاید ہی بھی کمیں کمیں موجود ہے۔ لیکن وہ کہی کیا سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ فریدی بھی تینیں کمیں موجود ہے۔ اسے یقین تھا کہ فریدی کو یا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچاک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر میں آگے بڑھنا گویا موت کو دعوت دینا تھا۔ اچاک اس کے ذہن میں ایک نئی تدبیر راجهار۔ کیوں نہ وہ شہر واپسی جا کر اپنے ساتھ امداد لے آئے لیکن دوسرا بھی لمحے میں یہ بھی فضول معلوم ہوا اتنی دیر میں واقعات نہ جانے کوں سارخ اختیار کریں ہو سکتا ہے کہ اس بھی یہ ہگامہ ہی فرو ہو چکے۔ ایسی صورت میں مفت کی ندامت ہاتھ آئے گی۔ اسے پھر لے کے اس جملے کا خیال آیا جس کے مطابق وہ یہاں تھا نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اگر وہ اپنے ”وہی ایک آدمی لایا ہو..... تو.....؟“

”جہنم میں گئے سب.....!“ وہ جھنجلاہٹ میں اپنا سر بھٹک کر بڑھ رہا۔ پھر تھوڑی دریک بہجتا رہا۔ وغطا اس نے موڑ سائکل کے دائی طرف اگی ہوئی جھاڑیوں میں دھکیل دیا اور بیب میں اتر گیا۔ پھر کس سے کچھ ہی دور پر دونوں طرف ڈھلوان میدان تھے۔ انہیں میدانوں مل جائے گے جل کر ایک ہو گیا تھا۔ چاند ماری کا اصل میدان حقیقتاً ہی تھا۔ ویسے تو یہ پورا علاقہ کا نام سے پکارا جاتا تھا۔

جمید کے ذہن میں کوئی واضح ایکیم نہیں تھی۔ وہ یونہی بلا مقصد ڈھلوان میدان میں اترتا۔ غفتا اس نے محسوں کیا کہ پانچ چھ منٹ سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ وہ جہاں تھا وہیں رک بل اگل کلائی پر بندھی ہوئی ریتم ڈائل کی گھڑی سائز ہے بارہ بجارتی ہی تھی۔ پدرہ منٹ گذر لادوہاں بدستور ستارہا پھر اس نے چاند ماری کے میدان میں متعدد ٹارچوں کی روشنیاں مگا جو ادھر ادھر گردش کرتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی غالب ہو گئیں اور تاریکی سنائے سے خود گوشیاں کرتی رہیں۔ جمید نے پھر گھڑی دیکھی۔ ایک نیج رہا تھا۔ سردوں نے اسے بدحال لٹکا گا اور اسے اپنی حمافت پر غصہ آرہا تھا کہ اول تو وہ یہاں آیا ہی کیوں اگر آیا تھا تو اتنی دیر لکھا کیوں رہا۔

”وہا بھی کی لئے مژہی رہا تھا کہ اسے کچھ دور پر ایک آدمی دکھائی دیا جو غالباً کسی دوسرے

فریدی کے جانے کے بعد وہ پدرہ میں منت تک اس جگ سے ہلا بھی نہیں۔ اس کے کرزا ہوا تھا۔ وہ سوچتا رہا اور کس کے خاص خاص پہلواس کے ذہن میں اجاگر ہوتے گئے۔ پومن چودھری کے قتل کی دریافت..... اسی رات کو پروفیسر درانی کا قتل..... اور پھر دوسری رات کا یہ ایسے غیر ملکی جاؤں کا قتل جو ملک میں باضابطہ طور پر داخل ہوا تھا..... فریدرک کی گھنٹوں کے حوالے سے اسی کا پروفیسر کا قاتل ثابت ہوتا..... یورپ کے خونخوار ترین آدمیوں (نہرے بھیڑوں) کی ملک میں موجودگی۔ ان کا داخلہ تو قطبی غیر قانونی طور پر ہوا تھا کیونکہ ان کا کہیں بھی کوئی ریکارڈ نہ مل سکا..... کیا یہ اتنا کشت و خون مخفی اس ڈاڑھی کے لئے ہوا تھا؟ اگر اس سوال کا جواب اثبات میں ہو سکتا تھا تو پھر اس ڈاڑھی کی اہمیت کا سوال بھی قدرتی تھا کیا وہ اس مقصد کی کوئی گشਦہ کڑی تھی جس کے حصول کے لئے اتنا ہجامت برپا ہوا تھا۔

اچاک حمید نے چوک کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ نیج رہے تھے۔ حالانکہ کچھ دریں اس نے فریدی کی بات مان لی تھی لیکن اب وہ اسے تنہا خطرے کے منہ میں جاتے نہ دیکھتا تھا۔ اس نے اٹھ کر سیاہ سوٹ پہنا، روپ اور جیب میں ڈالا اور گیراج سے موڑ سائکل نکال کر چاند ماری کے میدان کی طرف روانہ ہو گیا۔

تیز اور سرد ہواہڈیوں میں گھستی معلوم ہو رہی تھی۔ ہاتھ بینڈل پر اس طرح جیسے ہوئے تھے کہ وہ بھی بر فوجے ہو گئے ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ انہیں قیامت تک ان پر سے نہ ہٹا سکے۔ فریدی کے دلائل اس کے ذہن نے تو قبول کر لئے تھے لیکن دل بھی کہہ رہا تھا کہ اس کا کام اقدام داشمندانہ نہیں تھا۔ اس نے یہ تو کہا تھا کہ وہ تھا نہیں جائے گا لیکن آخر وہ اسے کیوں نہیں لے گیا۔ جیسے جیسے وہ اس موضوع پر سوچتا اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔

چاند ماری کے میدان سے آدھ میل ادھر ہی اسے موڑ سائکل روک کر منین بند کر دی۔ کیونکہ وہ رائفلوں کی آوازیں صاف سن رہا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کر سکا لیکن وہ غیر ارادی طور پر موڑ سائکل کو دھکیلایا۔ وہ اپدال آئے بڑھ رہا تھا۔ پھر اسے رائفل کے دہانوں سے نکلنے والے شعلے صاف نظر آنے لگے۔ اس نے ”

آدمی کو اپنی بیٹھے پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حمید کچھ اور آگے بڑھ گیا۔ نیتِ دراصل تعاقب کی تھی۔ ”خونکار است رک گیا تھا۔ اس نے بریک لگا کر موڑ سائیکل کو سڑک کے نیچے اتارنے کی کوشش کی پکھد دوڑ تک اس کے پیچھے چلتا رہا۔ پھر فھٹا اس نے اپنے سردی سے سکنے ہوئے ذہن کا یہ بیان نہیں ایسے آدمیوں نے اس کا راستہ روک لیا جن کے ہاتھوں میں فائلین تھیں اور انہوں نے موٹی سی گالی دی اور یوا اور نکلا اور تیری سے قدم بڑھاتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

”اپنے دونوں ہاتھوں پر اٹھاؤ۔“ اس نے دانت کلکتا کر کہا چلنے والا رک گیا۔

”میں بند کرو دو.....!“ ایک نے انگریزی میں کہا۔ لبچ غیر ملکی تھا۔ حمید نے مشین بند

کر دیں۔ میٹ پر بدستور ہمارا ہا۔

”نیچے اتر آؤ۔“

”کیوں..... کس لئے؟ میری جیسیں بالکل خالی ہیں۔“ حمید نے لاپرواں ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

ذغا وین کا دروازہ کھلا اور انہیں میں حمید کو کسی عورت کے گھونگھریاںے بال دکھائی پئے۔ پھر ایک نئی سی ٹارچ کی روشنی اس کے چہرے پر پڑی۔

”یہ وہ نہیں۔“ ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ ”لیکن یہ اس کا ساتھی ہے۔“

حمد نے آواز صاف پہچان لی اور پھر اسے یہ سمجھ لینے میں دشواری نہ ہوئی کہ وہ نادانستگی ملکن لوگوں سے آبھرا ہے۔

”تو پھر.....؟“ ان میں سے کسی نے پوچھا۔

”وہ بھی میں کہیں ہو گا۔ جلاش کرو۔“ لوکی تھکمانہ لجھے میں بوی۔ ”اس کے ہاتھ پر کروں میں ڈال دو۔“

”نیچے اتر آؤ۔“ ایک نے آگے بڑھ کر رانفل کا کندہ حمید کے سینے میں مارا۔ حمید چب پہاڑ آیا اور موڑ سائیکل ایک طرف گرگئی۔ ان میں سے ایک نے اس کے دونوں ہاتھوں پر اس کی شپورانہ دیئے۔

”اندر جلو.....!“ اسے گدن سے پکڑ کر دین میں دھکیل دیا گیا اور پھر اس کے دونوں پر نیز پورانے گھٹے۔

”تم لوگ چلو.....!“ لڑکی نے کہا۔ ”میں اسے دیکھتی ہوں۔“

”غیرا..... ری جان۔“ حمید پڑے پڑے بڑھ دیا۔ ”تمہارے فرشتے بھی اسے نہ

اختیار چھل پڑا۔ کیونکہ آواز فریدی کی تھی۔

”آپ..... یہ..... کیا.....؟“ حمید ہٹکلایا۔

”ایک لاش.....!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ کیا میں نے تمہیں

نہیں کیا تھا؟“

”لاش.....!“ حمید دانت کلکتا کر بولا۔

”حماقت نہیں..... چپ چاپ ٹھے جاؤ۔“

”تو کیا میں جبک مارنے کے لئے آیا تھا۔“ حمید کو بھی غصہ آگیا۔

”قیقدا..... میں نے تمہیں منع کر دیا تھا۔“

حمدیک لخت مرڑا اور جلاہٹ میں اسے اس کا بھی خیال نہ رہا کہ وہ چلے کے بجائے

رہا ہے۔ سردی نے پہلے ہی دماغ خراب کر کھا تھا اس پر سے غصہ۔

اوپر آ کر اس نے جھاڑیوں سے موڑ سائیکل نکالی اور شہر کی طرف چل پڑا۔ پھر اس

ایک بار بھی پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت گوارانہ کی۔ اس سے پہلے بھی اسے فریدی پر اتنا شدید ضر

نبیس آیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی۔ وہ تو اتنی دیر تک سردی سے سکوتا اور رانقوں کی آوازیں نہ

رہا اور آپ بدقتن تمام طب بھی، تو دونوں جاتے ہوئے۔

”سب کچھ جنم میں جائے۔“ حمید دانت کلکتا کر بڑھ دیا اور اس کے دکھنے ہوئے انہوں

کی گرفت پیٹلز پر اور مضبوط ہو گئی۔ لیکن دوسرا الجہا اس کے لئے حد راجہ سننی خیز تھا۔ موڑ سائیکل

کی ہیئت لاش کی روشنی میں اسے ایک بڑی سیاہ وین دکھائی دی جو سڑک پر اس طرح آزی کردا

پا سکیں گے۔"

"شٹ اپ.....!" کسی نے اس کے منہ پر تھپٹ مارا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔" حمید جیخ کرولا۔ "وہ آدمی نہیں بھوت ہے۔"

"شور مرٹ چاوا۔"

دوسرا تھپٹ پڑا۔

حید دانت پیس کر رہا گیا۔ اس وقت اس کے علاوہ وہ اور کرہی کیا سکتا تھا۔

کرن بھی نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اس کا جسم چڑے کے تموں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کا سر ایک پر پڑا گیا۔ کیا وہ کسی ہوائی جہاز پر تھا.....؟ مگر ہوائی جہاز..... اسے الجھن ہونے لگی۔ وہ اسے پہلے بھی کئی بار ہوائی جہاز پر سفر کر چکا تھا سابقہ تجربات کی بناء پر وہ کس طرح سمجھ لیتا کہ کسی جہاز پر ہے۔ ہوائی جہاز کی آواز کافوں کے پردے چھاڑ دیتی ہے۔ لیکن یہاں تو صرف ایک لکھی اسنتا ہے تھی اتنی بلکہ کر حید پہلے اسے اپنے دماغ ہی کی سنتا ہے سمجھا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا گھڑی کا ڈائل چک رہا تھا لیکن ہاتھ ایسی پوزیشن میں نہیں تھا کہ وہ تن دیکھ سکتا۔ اس نے دو ایک بار اپنے جنم کو جبکش دینے کے لئے زور لگایا لیکن کامیابی نہ ہل۔ تھوڑی درپی کی جدوجہد نے اسے بالکل تحکما دیا اور اس نے ٹھھال ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اپنی اس مصیبت کا ذمہ دار فریدی کو تھہرا رہا تھا۔ اگر اس نے اس سے اس طرح گفتگونہ کی ہل تو وہ جھلا کر کبھی اتنی بدحواسی میں نہ بھاگتا۔

پھر اس کا ذہن اس لاش کی طرف گھوم گیا جیسے فریدی نے اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا۔ آخر وہ کسی کی لاش تھی؟ اور اس کا مقصد کیا تھا؟ حمید نے کراہ کر کروٹ لینے کی کوشش کی لیکن چڑے کے تھے اس کی ہڈیوں میں چھپ کر رہے گئے۔ اس بارے میں گلوغلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اب کی ایک احتیا مقتضم گروہ سے سابقہ ہے۔ اسے اپنے گرد پھیلی ہوئی تاریکی قبر کی تاریکی معلوم ہونے لگی اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ ساریں تتر اور بوجھل ہو گئی تھیں۔ اچانک اسے محبوں ہوا جیسے وہ برق رفتاری کے ساتھ یخچے جارہا ہو۔ کافوں میں گوئے نجھے والی سنتا ہے اسے اپنے دوسری شکل اختیار کر لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بے شمار بکھلی بکھلی سیٹیاں نجح رہی ہوں۔ پھر ایک جھکٹا لگا..... آواز ختم ہو گئی اور ایک پا گل کر دیئے والا سناٹا ذہن پر مسلط ہو گیا۔ نہ جانے کیوں حید کا دل چاہنے لگا کہ اپنے ہی دانتوں سے اپنے بیٹاں نوچ ڈالے۔

دھڑکا اس کے دامیں طرف تاریکی میں بلکی روشنی کا ایک چوکور دھبہ نظر آیا اور ساتھ ہی خلک ہوا کا یک ریلا اس کے چہرے کا خون مخدود کرتا ہوا گزر گیا۔

چوکر دھبے میں سے دو تاریک سائے اندر ہیرے میں ریک گئے۔ انہوں نے حید کے

بُرے پھنسنے

حید کا بقیہ وقت بیہوٹی کی حالت میں کٹا۔ ایک تو سردی کی شدت، دوسرے اس کا رکنے والی زبان کے جواب میں تھپڑوں کی بارش اور پھر جب ان لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ کسی طرح چپ نہ ہو گا تو انہوں نے اس کے منہ میں کپڑا اٹھوٹ دیا۔ کچھ دیر تک تو وہ اس بان کی کوشش کرتا رہا کہ اسے گھٹن کا احساس نہ ہونے پائے لیکن اس کا ذہن جلد ہی جواب دے گیا۔ دوسری بار جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے محبوں کیا جیسے وہ اوپر اٹھ رہا ہو۔ چاروں طرز پکھ اس قسم کی تاریکی تھی کہ وہ گھمرا کر اپنی آنکھیں چھاڑنے لگا۔ کہیں وہ اندازہ تو نہیں ہوا کہ تھوڑی دیر تک وہ ہمیں سمجھتا رہا کہ اس کا سر چکرا رہا ہے لیکن پھر غور کرنے پر محبوں ہوا کہ سنتا ہے اس کے ذہن کی نہیں ہو سکتی تھی اور اپر اٹھنا مخفی دستی احساس نہیں تھا۔ سنتا ہے کہ کسی مشین ہی سے بیدا ہو رہی تھی اور وہ ایک کھر درے فرش پر چت لیٹا اور پر کی طرف اٹھ رہا تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے گزر جانے کے باوجود بھی تاریکی میں کمی نہ ہوئی۔ اگر حید کی کالا اندر ہیرے میں چمکنے والے ڈائل گھڑی نہ ہوتی تو اسے یقین ہو جاتا کہ وہ اندازہ ہو گیا ہے۔

بادرے گریان سے پکڑ کر چھپتا ہوا کمرے سے نکال لے گیا۔
وہ ایک بڑے کمرے میں آئے جس کی دیواروں سے پتھر کی کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔
رے کی چھت ساتھ سے زیادہ بلند نہیں تھی۔ یہاں پانچ آدمی پتھر کی کرسیوں پر بیٹھے کسی
لما بنان میں گنتگو کر رہے تھے جو حمید کے لئے بالکل نئی تھی۔ ان کی قومیت کے بارے میں بھی
لی ادازہ نہ لگا سکا۔ ان کی رنگت گندی تھی اور بال گہرے سیاہ۔ اسے ان سب کے خدو خال
یا کیانیت بھی نظر آئی۔ آنکھیں تو قریب قریب سکھوں کی ایک جیسی تھیں۔ ان میں کچھ عجیب
ریح کی وحشت تھی۔

جید کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے۔ حمید نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا۔ یہ کسی مغربی ملک کا
نہ ہے معلوم ہوتا تھا۔

ان پانچوں میں سے ایک نے اس سے کچھ کہا جس کے جواب میں اس نے کوئی بات
پاپٹ کے ساتھ کی اور حمید سے انگریزی میں بولا۔ ”ناشہ میں چائے پیتے ہو یا کافی؟“ اس
لائجہ میں کرنگلی نہیں تھی۔

اس کا ساتھی اسے ایک دوسرے کمرے میں لا یا جہاں ایک بڑی سی بھدی میز پڑی ہوئی
تھی۔ پکجے ہنگمی کرسیاں بھی تھیں۔ حمید نے ایک عجیب سی اشتها اگیز خوشبو محوں کی، جو شاید
لہو والے کمرے سے آرہی تھی۔ اس کے ساتھی نے ایک کری کی طرف اشارہ کیا۔ حمید بیٹھے ہی
اتھا کہ اس کی نظریں کھڑکی سے گزر کر یہودی مناظر میں ڈوب گئیں۔ برف سے ڈھکی ہوئی
پالیوں پر دھوپ چک رہی تھی۔

اس کا ساتھی اسے چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ حمید اٹھ کر کھڑکی کے قریب آگیا۔
اویک دوڑ کی ساری پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ براؤں رنگ کی سخت
نیالوں سے نی ہوئی زمین پر بزرے کائنات نکل نہیں تھا۔ البتہ کہیں کہیں زرد رنگ کی کائٹے دار
نیالوں دکھائی دے رہی تھیں۔ بڑے بڑے گوشت خود پرندے فنا میں چکر کاٹ رہے تھے۔
برنجلوں سے مشابہ تھے اور نہ گدھوں سے۔ ان کی رنگت سیاہ تھی چونچ کی بناوٹ سے حمید نے
بڑا ہوا۔ میرے گوشت خورہی ہو سکتے ہیں۔ کبھی کبھی ان کی تیز اور کپکپائی آزادوں سے سکوت

تھے کھولے اور ہجھنگ کرتا کی سے نکال لیا۔

آسمان پر آخر شب کے ستارے جما ہیاں لے رہے تھے اور چاروں طرف اوپنکتہ ہوا۔
پچھلا ہوا تھا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا۔ سگار کی شکل کا ایک دیوبیکر را کٹ زمین پر لٹکا ہوا تھا۔
اب معلوم ہوا کہ وہ ایک راکٹ میں سفر کرتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے۔

حمدید نے ڈوبتے ہوئے دل سے چاروں طرف نظریں دوڑا میں وہ ایک غیر آباد مقام
کھڑا تھا۔ حد نظر تک اوپنی تیچی چٹائیں بکھری ہوئی تھیں جن پر رات کا گہرا سرمنی غبار طاری تھا۔
”میں کہاں ہوں.....؟“ حمید اپنے خنک ہوتلوں پر زبان پھیرتا ہوا بڑا ہوا۔
”جہنم میں.....!“ دونوں ہنپ پڑے۔

حمدید کو ان پر غصہ نہیں آیا۔ شاید زندگی میں پہلی بار اس نے اتنی بے بی محسوس کی تھی۔
”چلو.....!“ وہ دونوں اسے ایک طرف دھکتے ہوئے بوئے۔

حمدید چلنے کی بجائے گھست رہا تھا۔ اس کا ذہن بالکل سپاٹ ہو گیا تھا۔ دل میں نہ کوئی
خیال تھا اور نہ کوئی ایسی خلش بخے ڈریا غصے کے اثر سے تعبیر کیا جا سکتا۔ بیراں طرح اٹھ رہے
تھے میں وہ اس کا مشینی قفل ہو۔

تو ہوڑی دیر بعد حمید نے خود کو ایک ایسی عمارت کے سامنے پایا جو بدھ نہ ہب واول کا
عبادت گاہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ اسے چھپتے ہوئے اندر لے گئے۔ عمارت کافی وسیع تھی۔ اس کے
قبر نما کروں میں کافوری شمعیں روشن تھیں۔ اسے ایک کمرے میں دھکا دے کر دروازہ باہر
بند کر لیا گیا۔ حمید پیال کے ایک ڈھیر پر پڑا ٹھنڈے کی کوشش کر رہا تھا۔

نقابت نے پھر اس کے ذہن پر قابو پالیا۔ زمین پر لکے ہوئے دونوں ہاتھ پیال کے
ریشیوں سیست آگے کی طرف پھسل گئے اور اسے اپنی ہوڑی پر لگنے والی چوٹ کا احساس مکنے
ہوا۔ قبر نما کمرے کی دھنڈلی روشنی پر گہری سیاہ تھیں جو چھتی چل گئیں۔

دوسری صبح ایک آدمی اسے ٹھوکر مار کر بیدار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حمید کراہ کراہ
بیٹھا۔ کمرے کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیوں سے چمکدار دھوپ اندر ریک آئی تھی۔ حمید نے اپنی ہاتھ
ہوئی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی پیٹھ پر ایک ٹھوکر پڑی اور وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اجنبی نے قبضے

ٹپوگار ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہئے۔ ورنہ مرنے کے بعد بھی جماہیاں آتی

ٹوٹ جاتا۔

حید بے سرو پا خیالات میں ڈوبا رہا۔

تحوزی دیر بعد اس کا ساتھی ہاتھوں پرڑے الٹائے ہوئے اندر آیا جس میں ایک بڑی چائے دانی اور ایک کپ تھا۔ ایک پلیٹ میں تین چار چھوٹے چھوٹے بھنے ہوئے پرندے تھے پھر وہ اسے کرے میں تھا چھوڑ کر چلا گیا۔ حید نے پیالے میں کافی انٹیلی۔ دو ہی تین گھنٹے کے بعد اسے تمباکو کی یادستانے لگی۔ پھر رات کے ہنگامے کے دوران میں اس کا پاس تمباکو کی پاؤچ کہیں گر گئے تھے۔

اس نے بھن کر جیب سے گارکیس نکالا اور حید کی طرف بڑھا دیا۔ حید سارہ لگا کہ اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ پھر اسی کمرے میں آیا جہاں اس نے ان پانچ بیٹیں کر دیکھا تھا۔ وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ حید کو دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ ”تم کون ہو.....؟“ ان میں سے ایک نے حید کو انگریزی میں مخاطب کیا۔ ”ایک سرکاری سراغ رسائی۔“ حید نے کہا۔ وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتا تھا۔ اس نے فریدی کی باریہ کہتے سنا تھا کہ اگر گارسائیں کو ہم پر اس بات کا شہد بھی ہو گیا کہ ہم لوگ اس کی جوگی سے واقع ہیں تو ہر حال میں موت ہمارے قریب ہی رہے گی۔

”تم یہاں کیوں لائے گے ہو.....؟“

”مجھے بھی تک بتایا نہیں گیا۔“ حید نے کہا اور لاپرواں سے بجھا ہوا سارہ لگا۔ ”یا تمہیں نہیں معلوم کہ تم ابھی قتل کر دیئے جاؤ گے؟“

حید کے جسم میں ایک ٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی اور اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن اس نے حتیٰ کاں اپنے چہرے کو خوف کے آثار سے بچانے کی کوشش کی۔

”مجھے یہ بھی نہیں بتایا گیا..... اور اگر بتا بھی دیا جاتا تو میں کہتی کیا سکتا تھا۔“ حید نے کہا۔ ”جانتے ہو کہ تم کس کے قیدی ہو.....؟“

”قیدی.....؟“ حید چوک کر بولا۔ ”اگر یہ قید ہے تو میں زندگی بھرا ہی حالت میں رہنے لیتا ہوں۔ تمہاری کافی مجھے بیہد پسند آتی۔ شاید بر ازیل کی تھی۔ اپنی طرف تو وہ ملتی ہی نہیں۔“

حید خاموش ہو گیا۔ لیکن ان میں سے کسی کے بولنے سے قبل خود ہی بڑدا نے لگا۔ ”مجھے ٹلوک کے خوشی ہوتی کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔ شلاڑ کو ہم بچان ہی پچے۔ فریڈرک اور

ٹھامیل کو بھی بچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی لیکن تم لوگ ابھی تک معرب بنے ہوئے ہو۔“ پانچوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

”فریڈرک کو تم نے کیسے بچانا.....؟“ ایک نے پوچھا۔

”سگار پیتے ہو.....؟“ اس نے پوچھا۔

”ناشہ کر پچھے؟“ اسے اپنی پشت پر آواز سنائی دی۔

حید چوک کر پلٹا۔ وہی آدمی جو اسے یہاں تک لایا تھا اسے اپنے پیچھے آنے کا اٹھ کر کے واپس جا رہا تھا۔

حید نے اسے آواز دے کر روکا۔

”اس لذیذ ناشہ کا بہت بہت شکریہ۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”میں نے کئی گھنٹوں سے نہیں بیٹا۔“

”اگر ضرورت بھی گئی تو ہمیں اسی میں آسانی ہوگی۔“
 ”شریف آدمی! تم شاید اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔“
 ”وہ ذاری کیا ہوئی.....؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔
 ”جنم میں گئی۔“ حید جھنگلا کر بولا۔ ”نہ جانے اس میں کیا تھا۔“
 ”تمہارا آفیسر تو جانتا ہو گا۔“
 ”وہ بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا..... مگر ٹھہر دے..... کیا وہ خوبصورت لڑکی تمہارے گروہ سے
 نہیں رکھتی؟“
 ”کیوں.....؟“
 ”کیا وہ ذاری وہی نہیں اڑا لے گئی تھی۔ کیا اسی نے میرے آفیسر کو چاند ماری کے میدان
 آنے کے لئے چلتی تھیں کیا تھا.....؟“
 ”تم دونوں دہان ساتھ ہی گئے تھے؟“ حید سے پھر سوال کیا گیا۔
 ”نہیں اور وہ مجھ سے پہلے چلا گیا تھا۔“
 ”کوئی خاص ایسکی تھی؟“
 ”نہیں..... وہ مجھے اپنے ساتھ تھیں لے جانا چاہتا تھا۔“
 ”لیکن تم تو وہیں ملے تھے۔“
 ”لیک ہے۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا کہ وہ واقعی نہیں جائے گا اس لئے اس کے غائب
 نے کے بعد میں بھی اُدھر چلا گیا تھا۔“
 ”کیوں..... اس بے یقینی کی وجہ.....؟“
 ”لیکن اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔“
 ”کیا وہ جنمیں دہان ملا تھا.....؟“
 ”نہیں..... لیکن میں نے رائلتوں کی آوازیں ضرور سنی تھیں۔“
 ”خوبصورتی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آدمی بولا۔
 ”وہ کہاں مل کے گا.....؟“

”میرا آفیسر بڑا ہے داں قسم کا آدمی ہے۔“
 ”تو اس نے ہمیں بھی پیچان لیا ہو گا۔“
 ”نہیں.....!“ حید نے یقین دلانے والے انداز میں سر پہلا کر کیا۔ ”اگر اس نے بچان
 ہوتا تو مجھے ضرور بتاتا۔“
 ”تمہارا آفیسر اس وقت کہاں ہو گا؟“
 ”کہیں نہ کہیں ضرور ہو گا۔“ حید سوال کرنے والے کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”اب اسے کوئی نہ پاسکے گا۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”میرے غائب ہو جانے پر وہ بہت زیادہ محاط ہو گیا ہو گا۔“
 ”خیر گھبراو نہیں..... تمہاری تھائی بہت جلد رفع ہو جائے گی۔“
 ”میں شادی تو ہرگز نہیں کروں گا چاہے مارڈا لو.....!“ حید نے سنجیدگی سے کہا۔
 سب تھیں، ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔
 ”شادی..... شادی سے کیا مطلب.....؟“
 ”اب شادی کا مطلب کیا بتاؤ۔..... شرم آرہی ہے۔“ حید نے کچھ ایسے انداز میں
 کہ وہ سب نہ پڑے۔
 ”تم تھائی رفع ہونے کا مطلب غلط سمجھے۔“ ایک بولا۔ ”میں یہ کہہ رہا تھا کہ عنقریب نہ
 آفیسر بھی تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔“
 ”خام خیالی ہے۔“ حید خارت سے ہستا ہوا بولا۔ ”اس پر قابو پانा آسان کام نہیں۔“
 ”کیوں.....؟“
 ”وہ بھیں بدلنے میں اپنا نالی نہیں رکھتا۔“
 ”بھیں.....؟“ جبکی کہنی بھی تحقیر آئی تھی۔ ”طمیان رکھو..... وہ ہمارے مقابلے
 خود کو چھا ہما جھوس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“
 ”تو کیا تم اسے بھی مارڈا لو گے؟“ حید نے بناوٹ خونزدہ لمحے میں پوچھا۔

بیوی کی اس عمارت کے باہر بھی نہیں رہا تھا اور قرب و جوار میں اسے اس عمارت کے علاوہ بیوی کی دسری عمارت نہیں دکھائی دی تھی۔ کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں پڑا تھا جو اس عمارت کے افراد میں اگ ہوتا۔ عمارت کی پشت پر ایک دوڑھائی سو فٹ گہری وادی تھی جس میں چند ٹوپے بیوی جو پہنچے دکھائی دیتے تھے۔ لیکن یہ بھی دیران تھے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی آبادر ہے ہوں۔ بیوی نے عمارت کے باشندوں سے اس مقام کے نام کے متعلق کئی پار استفسار کیا تھا لیکن کسی نے بیوی جواب نہ دیا۔

”جس کے تھے لیکن ابھی تک اسے نہیں آئی تھی۔ وہ اٹھ کر پیٹھ گیا اور سکار سلکا نے ہی اپنا گاہ کھڑکی میں ایک تیر قسم کی روشنی کا کونڈا سالپکا اور کھڑکھڑا ہٹ کی آواز سنائی دی۔ جو دلخیل جاری رہ کر بند ہو گئی۔“

حمد بتر سے کوڈ کھڑکی کے قریب آگیا۔ باہر اندر ہیرے میں وہی راکٹ نما مشین کھڑی لی۔ کچھ لوگ اس سے اتر رہے تھے۔ حمید نے اس لڑکی کی بھی آواز سنی۔ جس کی بدولت اتنی ایزاں کھانی پڑی تھیں۔

ان میں سے ایک نے نارنج روشن کی۔ دو آدمی ایک تیر سے آدمی کو کھینچ کر راکٹ سے نکال رہے تھے۔ اس کے چہرے پر روشنی پڑتے ہی حمید چونک پڑا۔ یہ فریدی تھا اور کافی خلا یا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ نارنج بجھا دی گئی اور حمید ان کے قدموں کی آوازیں سنتا رہا۔

اب تو سونے کا سوال ہی نہیں تھا۔ فریدی بھی آپھنا..... یعنی یہاں سے رہائی کی رہی ہی بیوی متعلق ہو گئی۔

حمد فریدی کے سامنے انتہائی خطرناک اور ڈراؤنے حالات میں بھی شیر ہو جایا کرتا تھا۔ وہ لاقت بھی ایک انجمنی کی تقویت محسوس کر رہا تھا۔ اچاک اس کی ساری صلاحیتیں بیدار ایک اس نے سوچا کہ کیوں نہ بڑھی مچایا جائے، تھوڑی تفریق رہے گی۔ اور پھر وہ بڑھانے لگا۔

”روازہ کھلا۔ حمید کو قدمیں کی روشنی میں دو سائے دکھائی دیئے۔ قدمیں اسی لڑکی کے ہاتھ پر ٹکھائے دیکھ کر حمید کا خون گھو لئے گلتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک مرد بھی تھا جس کی ناک پر پی

”میں نے کہا تا کہ اب اس کے فرشتوں کو بھی اسکے متعلق کچھ نہ معلوم ہوا۔“

”کیوں.....؟“

”تم لوگوں کی۔ کیوں..... سے تو میں عاجز آگیا ہوں..... وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔“

”وہ جتنی جلدی ہمارے ہاتھ لگ جائے گا..... اتنی ہی جلدی تمہاری رہائی بھی ہو گی۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے کیونکہ تمہیں مارنے کا کام تو تمہارے شہر میں ہو سکتا تھا۔“

”پھر.....؟“

”تمہارے آفیسر کی موجودگی میں ہمیں ایک بات کا تصفیہ کرنا ہے۔“

”اس کے متعلق میں نے جو کچھ بتایا ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔“

”تمہاری مرضی.....!“ وہ اکتا کر بولا۔

موت کے دروازے پر

اس گم نام دیانے میں رات کا ستانابڑا خوفناک تھا۔ آج حمید کو زمین پر پڑی ہوئی پیالہ نہیں لینا تھا۔ کمرے میں کوئی آتش داں نہیں تھا پھر بھی وہ اسی کو غنیمت سمجھ رہا تھا کہ اس کے نیچے پیال بھرا ہوا چڑیے کا بستر ہے۔ اوپر ایک نہیں تین کمبل ہیں یہ اور بات ہے کہ یہاں کا سردی کے اعتبار سے وہ بھی ناقابلی رہے ہوں۔

اے گرفتار کرنے والوں نے ابھی تک اسے کسی اذیت میں بٹا نہیں کیا تھا۔ وہ سب اس طرح بے پرواہ نظر آتے تھے جیسے وہ ان کے ساتھیوں ہی میں سے ایک ہو۔ دن میں

بندھی ہوئی تھی۔ یہ بھی مغرب ہی کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے لڑکی کی طرزِ راز میں کہا۔

”بکواس بند کرو۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”میں تمہیں ایک دلچسپ خبر سنانے آئی ہوں۔“

”ایک نہیں دوستاؤ۔“

”تمہارا آفیسر فریڈی ایک حقیر کیڑے کی طرح ہمارے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے جس پر چارے ملک کو نماز تھا۔“

حید نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور دیر تک ہستارہ۔ جب نہ چکا تو بُر اسامنہ بنا کر بولا۔ بہب میں تمہارے جال میں پھنس گیا تو اس بیچارے کی کیا حقیقت ہے۔ وہ تو دراصل میرا ناگز ہے۔ کام میں کرتا ہوں اور نام اسکا مشہور ہوتا ہے۔ خیر۔ چھوڑو۔ ہٹا۔ پھر کیا ہی؟“

”کیا.....؟“

”بات یہ ہے۔“ حید نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی پچکاہٹ کے ساتھ بولا۔ ”مجھے یا معلوم ہوتا ہے جیسے میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں۔“

”بکونیں..... چپ چاپ سو جاؤ۔ اگر شور چاوا گے تو تختی کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔“

”ریٹا ڈارلنگ..... میں مر جاؤں گا۔“

”شش..... میرا نام ایڈنا ہے۔“

”ایڈنا.....؟“ حید اپنے ہونٹ چاٹا ہوا بولا۔ ”کتنا پیارا نام ہے۔۔۔ ایڈنا۔۔۔ اسے اخ..... خدا کی قسم میں شاعر نہیں ہوں ورنہ اسی وقت ایک غزل کہہ کر تمہاری خدمت میں مطلع ان کر دیتا۔“

”تمہارا نام حید ہے نا۔۔۔!“ لڑکی نہ کر بولی۔

”کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ میرا نام ہماں نہ ہے اور میں حضرت عیینی کے گدھے کی بڑی ازت کرتا ہوں۔“

”بکومت..... بد تیز.....!“ لڑکی کا چیرہ بگڑ گیا۔

”اوہ معاف کرنا۔۔۔ میں سمجھتا تھا کہ تم نہ ہیں عورت نہیں ہو۔“

”اچھا اب بکواس بند۔“

”بہت سور آدمی بالوب ہوتا ہے۔“

حید سمجھ گیا کہ اس کی ناک بُری طرح زخمی ہے اور وہ کچھ اسی تکلیف میں بٹلا ہے کہ اسے آواز نکالتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اسی لئے وہ آدمی کو آدمی اور معلوم کو ”بالوب“ کہہ رہا تھا۔

”ہیلو..... بھیکے آؤ.....!“ لڑکی نے حید کو مخاطب کیا۔ ”شور کیوں چارے ہو۔“

”اسے باہر بچج دو تیتاں۔“ حید نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا بکتے ہو؟“ وہ گرج کر بولا۔ لیکن اس کی زخمی ناک نے حید کو خاک بھی سمجھنے نہ دیا۔

”میں چشم کے بغیر تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔“ حید نے لاپرواں سے کہا اور لڑکی کو آئکار کر مسکرا نے لگا۔

زخمی ناک والا گھونسا تاں کر اس کی طرف بڑھا لیکن لڑکی درمیان میں آگئی۔

”آترھ! تم جاؤ۔۔۔ میں اسے نہیک کر لوں گی۔ کیا تمہیں احکامات یاد نہیں؟“

”زخمی ناک والے کا ہاتھ ڈھیلا ہو کر لٹک گیا۔

”دیکھوڑا کی.....!“ حید سنجیدگی سے بولا۔ ”میں مرعوب ہو جانے والے لوگوں میں نہیں ہوں۔“

زخمی ناک والا چند لمحے حید کو گھوڑا رہا پھر کمرے سے چلا گیا۔

”تم واقعی بڑی ظالم ہو۔“ حید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”فسول باشیں مت کرو۔ سو جاؤ۔۔۔ یہ بھی میری شرافت ہے کہ میں نے تمہاری کھال نہیں کھپخوانی۔“

”میں تم سے استدعا کرتا ہوں کہ میری کھال ضرور کھپخواںوں مکن ہے کہ میں کھال کے کہیں تھیں۔“

”خیرو وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے کہ تم ساری طراریاں بھول جاؤ گے۔“

”مجھے اپنے ہی ہاتھ سے ذبح کرنا۔“ حید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھیک ہندوستانی عشق

”چلو بندھی سکی..... لیکن ایک بات اور بتا دو..... وہ یہ کہ میں اپنے علی ملک میں ہوں یا کہیں اور؟“

”تمہیں اس سے کوئی دلچسپی نہ ہونی چاہئے۔“ لڑکی نے خنک لبھے میں کہا ”تم صرف یہ سچو کہ تمہیں سکا سکا کر مارا جائے گا ایک دم خاتمہ کر دیا جائے گا۔“

”بھی مرنے جینے کی تو اپنی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں اور پھر انکی صورت میں جب کہ خبر تمہارے ہاتھ میں ہو۔“

”شٹ اپ.....!“ ایڈنا نے کہا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔
محبوب احمد لیٹ گیا۔

دوسرے دن صبح اسے پھر اسی بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں وہ اس سے پہلے ان پانچوں آدمیوں سے گفتگو کر چکا تھا۔ اس وقت ان پانچوں کے علاوہ چھ آدمی اور تھجے جن میں ایڈنا بھی شامل تھی اور اس کا وہ ساتھی بھی جس کی ناک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ فریدی درمیان میں کمرا تھا۔ حمید کو دیکھتے ہی اچھل پڑا۔ لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید نے لوگوں کی نظریں بچا کر ایڈنا کو آنکھ مار دی اور فریدی کی طرف دیکھ کر مکرانے لگا
”موت کے من میں بھی تم اپنی بیہودگی ۔ از نہیں آتے۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن آپ کی آواز بھیک کیوں مانگ رہی ہے؟“ حمید بولا۔
فریدی کی آواز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سردی کی وجہ سے اس کا گلا بیٹھ گیا ہو۔

”سردی کا اثر ہے۔“ فریدی نے کہا اور کمرے کے دوسرے لوگوں کو گھوڑنے لگا۔
”تم وہی ہو جس نے اس لڑکی سے ڈائری چھینتی تھی۔“ ایک نے فریدی کو مخاطب کیا۔

فریدی خاموش رہا تو اسی نے پھر کہا۔ ”میں تمہیں سے پوچھ رہا ہوں۔“
”میں اس وقت تک کسی بات کا جواب نہیں دے سکتا جب تک مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں کن لوگوں میں ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”تم بہت زیادہ بڑے لوگوں میں نہیں ہو۔“

”مجھے اور میرے ساتھی کو یہاں کیوں لاایا گیا ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ضرورت.....!“ جواب ملا۔ ”تمہاری وجہ سے ہمارا بہت نقصان ہوا ہے۔“
زیادی انہیں مخفی خیز نظروں سے دیکھتا رہا اور چند لمحے بعد بولا۔ ”تم قاتل ہو۔ سازشی تم نے ہمارے ملک کو عظیم سائنسدانوں سے محروم کر دیا۔“
”یہ غلط ہے۔“ ان میں سے ایک بولا۔ ”لیکن ہم ان کے قاتلوں سے واقف ہیں۔“
”تم لوگ ہو کون؟ چودھری کو کس لئے قتل کیا گیا؟ اس کا قاتل کون تھا.....؟“ فریدی نے کہا۔

”تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ ہم تمہیں اس کی سراغ رسانی میں مدد دیں۔“
”اڑے تو وہی بتاؤ تا..... میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“ فریدی نے جھنجلا کر کہا۔
”تمہیں پروفیسر درانی کے گھر کی ملائی لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی؟“
”مجھے اس پر سازشی ہونے کا شہرہ ہوا تھا۔“
”ضفول بکھوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔“ وہنی طرف کے دروازے سے آواز آئی۔
چونکہ کرمزا۔ ایک لمبارڈ نگاہ آدمی فریدی کو گھوڑ رہا تھا۔

”اس ڈائری میں کیا تھا.....؟“ اس نے فریدی کو مخاطب کیا۔
”تم مجھ سے بہتر جان سکتے ہو۔“

”تم نے اسے وہیں چھوڑ دیا تھا.....؟“
”تاکہ میرا بھی وہی حشرت ہو، جو پروفیسر درانی کا ہوا تھا۔“
”کیا مطلب.....؟“ جبی چونکہ کربولا۔

”مطلب بھی مجھے سے پوچھو گے؟“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”تم نے درانی کو کیوں قتل نا؟ اس لڑکی نے ہمارا کاخون کیوں بھایا؟ تم لوگوں نے فریڈرک اور اس کے ساتھی کو نیم کیل کر دیا تھا؟ ظاہر ہے کہ اسی ڈائری کے لئے.....!“

”درانی کے قتل کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ اسے ہمارا ہی نے مارا تھا۔“
”اور پروفیسر چودھری.....؟“ فریدی بولا۔
”اک لگائیں نے ہی اپنے ہاتھوں سے گھونٹا تھا۔“ جبی نے کچھ ایسا منہ بنا کر کہا جیسے وہ

اس وقت بھی اپنے اس کارنے کی لذت محسوس کر رہا ہو۔

”کیوں.....؟“

”یہ سب پوچھ کر کیا کرو گے؟“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنا لگا۔ ” دونوں کوٹھکانے لگا دو۔ اگر یہ اس ڈائری کے متعلق کچھ جانتے بھی ہیں تو انہوں نے سرکاری م پر اس کی کوئی روپورث نہیں دی۔“

”میں اس ڈائری کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن جاننے کی خواہ ضرور رکھتا ہوں۔“

اجنبی کوئی جواب دیے بغیر جانے کے لئے مڑا۔

”ٹھہرہ میرے دوست.....!“ فریدی نے ہاتھ الھا کر کہا۔ اجنبی رک کر اس کی طرز دیکھنے لگا۔ فریدی پھر بولا۔ ”ظاہر ہے کہ تم لوگ یہاں سے واپس نہیں جا سکتے۔ کیونکہ ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم کس مقام پر ہیں۔“

”پھر.....؟“

”مرنے سے پہلے میری ایک خواہش پوری کر دو۔“

”کیا.....؟“ اجنبی نے مسکرا کر پوچھا۔

”اس ڈائری میں کیا تھا.....؟ جس کے لئے اتنا نگامہ برپا ہوا۔“

”نہیں بچ.....!“ اجنبی نے قہقہہ لگایا۔ ”میں نے تمہاری شہرت کی ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ تم ٹھوڑے بہت ذہین ضرور ہو گے۔“

”تو تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں ذہین نہیں ہوں۔“

”ذہین.....!“ اجنبی نے ایک تھیجک آمیز قہقہہ لگایا۔ ”اگر تم ذرہ برا بر بھی ذہین ہونے ز پروفیسر چودھری کے کنوئیں سے برآمد ہونے والے ہڈیوں کے ڈھانچے کو شہرت نہ دیجئے۔“

جاننتے تھے کہ چودھری کا بھوت فرضی تھا۔ تم یہ بھی جانتے تھے کہ چودھری کے مکان میں ایک سے زیادہ ایسی پارٹیاں ڈپسی لے رہی ہیں جو ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس ڈھانچے کو چپ چاپ دبا کر تماشا دیکھتا اور پھر مجھے یہ بات معلوم کر لینے میں ذرا بھی

بُواری نہ ہوتی کہ وہ سب کس لئے ہو رہا تھا۔“

”میں بہت پہلے اپنی ٹکست تعلیم کر چکا ہوں۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور حمید جہرت اس کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی کا یہ جملہ اس کے لئے ایک ساختہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ فریدی کی دری ناقابل تخبر ہے۔

”خُرسنُو.....!“ اجنبی فخر یہ انداز میں بولا۔ ”میں تمہارے ملک سے ایک قیمتی راز لے لے رہا ہوں۔ میں اسے دنیا کے کسی بھی جنگ باز ملک کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہوں۔“

”وہ خاموش ہو کر فریدی کی طرف پر غرور انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر ٹھوڑی دیر بعد بولا۔“ یہ بہ اپنائی خطرناک گیس کا فارمولہ ہے..... ایسی گیس جن کی ٹھوڑی سی مقدار تقریباً دو سو میل کے گیرے میں اثر انداز ہو سکتی ہے..... بستیوں کی بستیاں ویران کی جاسکتی ہیں۔ نہ اس میں ہو گی کاڑر نہ تینی کا خوف..... بس ایک طرف سے چھر کاؤ۔..... دو سو میل کے اندر کا ایک بھی لی روز جنہے نہیں رہ سکتا..... کیا سمجھے..... یہ تمہارے اسی پروفیسر چودھری کی ایجاد ہے اور اس اڑی میں اسی کا فارمولہ درج ہے۔“

”لیکن وہ ڈائری تو پروفیسر درانی کی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”نہیں..... وہ چودھری ہی کی ڈائری ہے۔“

”تو چودھری کے یہاں تم لوگ اسی کی تلاش میں تھے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں..... اور چودھری کا بھوت بھی میں ہی تھا..... لیکن تم اس عجیب و غریب پیٹ کی ایسے نہیں کرو گے؟ جس سے میرا چہرہ انگارے کی طرح دیکھنے لگتا تھا۔“

”وہ میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں۔“ فریدی نے اپر والی سے کہا۔

اجنبی چند لمحے جہرت سے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کیا واقعی تم اتنے غور ہو جیسا کہ ظاہر لست ہو؟“

”تم نے بھی اپنے احتسابوں کی طرح وہی بات چھیڑ دی۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اب تو تمہیں اس گیس کا علم کیونکر ہوا تھا.....؟“

اجنبی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

توئیں سے برآمد کیا قابل تعریف ہے۔ تمہاری ذہانت میں شبہ نہیں۔ لیکن مجھ سے یہ ہرگز نہ پوچھنا کہ میں کون ہوں۔“

”اوہ.....!“ فریدی نے قہقہہ لگایا۔ ”تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں جانتا۔“
ابنی چونک پڑا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں اب اپنی چالبازیوں کے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“

”میرا خیال ہے کہ شاید تمہارے ساتھی بھی تمہاری اصلی شخصیت سے واقف نہ ہوں۔“
فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”کیا.....؟“ ابنی کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان سے درندگی جملکنے لگی۔

”خیر چھوڑو ہناو.....!“ فریدی نے نہیں کہا۔ ”تم نے وعدہ کیا تھا کہ میرے مرنے سے یہی مجھ سب کچھ بتادو گے۔“

”تم جاسکتے ہو۔“ ابنی نے کمرے کے بیچے لوگوں سے کہا۔ وہ اس طرح اٹھے ہیے
انہی ہونے پر شاید انہیں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑیں۔

”بیٹھ جاؤ.....!“ ابنی نے فریدی اور حمید کو پتھر کی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
”آخڑا پ کیا کرنے جا رہے ہیں؟“ حمید نے اردو میں کہا۔

”بلیں دیکھتے جاؤ۔“ فریدی بولا۔

ابنی خاموش تھا۔ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ اب گفتگو زمین کرنے کے لئے یا تو مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہے یا موضوع ڈھونڈ رہا ہو۔

ذلتا باہر ایک ایسا خوفناک دھماکہ ہوا کہ وہ سب سنائے میں آگئے اور پھر ابنی چڑھ کر بے ناشر دروازے کی طرف دوڑا۔

”۱۹۵۰ء کی بین الاقوامی سائنس کانفرنس میں پروفیسر چودھری نے اس تمہاری کامیابی کے امکانات پر اظہار خیال کیا تھا اور یہ بات کہی تھی کہ اس سے ایسی توانائی کی طرح تعمیری کام بھی لئے جاسکتی ہے۔ پہلے میں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ لیکن کچھ عین دونل بلو یعنی معلوم ہوا کہ مختلف ممالک کے جاسوس چودھری کے پیچے لگ گئے ہیں۔ اس معاشرے میں شلاڑ اور فریڈرک پیش پیش تھے۔ لیکن چودھری نے انہیں اس کی ہوا بھی نہ لکھنے دی۔“

ابنی خاموش ہو گیا اور ٹھوڑی دیر تھہر کر فریدی کو گھوڑتا ہوا پر خیال انداز میں بوار۔

”شلاڑ اور فریڈرک نے چودھری کے استنسٹ پر ڈورے ڈالے اور کسی طرح اس سے معلوم کر لینے میں کامیاب ہو گئے کہ چودھری نے ایک محض سے تجربے کے بعد اس گیس کا فارمولا ترتیب دے لیا ہے اور پھر وہ بُری طرح چودھری کے پیچے پڑ گئے۔ میں سب کچھ خاموشی سے رہا تھا۔ ایک رات عجیب اتفاق پیش آیا۔ ہم تینوں الگ الگ ایک دوسرے سے مطلق بانٹ چودھری کی کوئی میں پہنچ گئے۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ چودھری کو انہوں کروں گا۔ شاید ان دونوں کی بھی بھی سیکم رہی ہو۔ بہر حال میں اس وقت اس کمرے میں پہنچا۔ جب فریڈرک اور شلاڑ وہیں پر ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے چودھری شامیسوتے سوتے جاگ پڑا تھا اور اس شش دنیخ میں تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے چنپے سے کمرے میں داخل ہو کر بیکی بجانانا اور چودھری کو پیٹھ پر لاد کر لے جا گا۔ لیکن مجھے ایک دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ شلاڑ اور فریڈرک کے ساتھی نیچے موجود تھے اور میں تھما تھا۔ میں چوکر کنوئیں کے قریب والی جھاڑیوں میں گھس گا۔ ان دونوں کے ساتھیوں کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ چودھری کو سنجھانا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں تھا لیکن پھر بھی میں نے سوچا کہ کہیں اس جدوجہد میں ان لوگوں کی نظر میں پڑ جائے۔ لہذا میں نے چودھری کا گلا گھونٹا شروع کیا۔ ارادہ صرف یہ تھا کہ اسے اس طرح بیہوش کر دوں۔ مارڈا لئے کی نیت نہیں تھی۔ مگر ٹھوڑی دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ وہ مر چکا۔ بہر حال میرا پورا پر گرام اپ سٹ ہو گیا۔ مجھے امید تھی کہ چودھری نے وہ فارمولہ کہیں نہ کہتا کہ ضرور چھوڑا ہو گا۔ میں نے چودھری کی لاش اس کنوئیں میں دبادی اور چپ چاپ واپس آگئا۔ وہ پھر خاموش ہو گیا اور ٹھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ”لیکن تم نے جس طرح وہ ڈھانچا

جید نے ایڈنا کو لکھ راتے دیکھا لیکن اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اسے اٹھانے کے لئے نہ رکا۔ پھر اس نے رُخیٰ ناک والے کو دیکھا۔ جو بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر پلٹ پڑا تھا۔

لے جھک کر ایڈنا کو اٹھایا اور اپنے کانڈھے پر لاد کر پھر دوڑنے لگا۔

رندا پھر ایک زور دار وحش اسٹانی دیا۔ حید گھبرا کر مڑا۔ عمارت کے پرچے اڑ گئے تھے۔ وہ یون اور تیزی سے دوڑنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے ان سکھوں کو جالیا۔

وہ تو یہ یکل اپنی جس سے وہ تھوڑی دیر قبل گفتگو کر رہے تھے کسی ایسی زبان میں اپنے ساتھیوں پر برس رہا تھا جو ان کے لئے نئی تھی۔

”اے دوست.....!“ فریدی اس سے نرم لبھ میں بولا۔ ”اس ڈائری کا کیا ہوا؟ میں بقیہ اہم سننے کے لئے بے چین ہوں۔“

”داستان.....!“ وہ دانت پیس کر فریدی کی طرف لپکا۔ اگر وہ دار خالی نہ دیتا تو اس کا لمنا اس کی پیشانی پر پڑتا۔

”اے دوست! تم نے وعدہ کیا تھا۔“

”شٹ اپ.....!“ اپنی طلق کے بل چینا اور اپنے ساتھیوں سے گرج کر بولا۔ ”ان یون کی دھیان اڑا دو۔“

”نیل پیارے گارس.....!“ ایک طرف سے آواز آئی۔

جید نے چوک کر دیکھا۔ رُخیٰ ناک والا اپنے دنوں ہاتھوں میں دوری والوں کو کھرا تھا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”بقیہ داستان تمہیں سنانی پڑے گی..... اور تم سب اپنے ہاتھ اور پلٹ کو کرو۔“

”اوہ..... شیفرڈ! کتے.....“ گارس غصے میں اپنے بال نوچتا ہوا بولا۔

”وہ کتنا تو چاند ماری کے میدان میں فن ہے۔“ رُخیٰ ناک والے نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔

جید اس کی آواز بچان کر بے اختیار اچھل پڑا۔

یہ فریدی کی آواز تھی۔

لیکن فریدی تو اپنی صحیح شکل و صورت میں اس کے قریب کھڑا تھا۔ لیکن وہ پہلے سے کچھ دبلا۔

آخری منظر

جید منہ چاڑیے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا.....؟“ حید آہست سے بڑا بڑا۔

”ان کا زیصلن تباہ ہو گیا.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”زیصلن یا راکٹ.....؟“

”حقیقت نہ وہ زیصلن تباہ اور نہ راکٹ۔ کوئی نئی ایجاد تھی۔“

”لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زیصلن ہی تباہ ہوا ہے۔“ جید نے کہا۔

”اے تباہ ہونا ہی تھا۔“ فریدی فخر یہ انداز میں مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ فریدی انہیں بے لمس طرح کرتا۔“

جید دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فریدی نے اسے آنکھ کے اشارے سے روک دیا۔

و فعتاً باہر..... ”آگ..... آگ.....“ کا شور سنائی دیا۔

”بھاگو.....!“ فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

دونوں بے تحاشہ دوڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اس راکٹ نما مشین کا ڈھانچہ آگ کا پیلوں میں گمراہ ہوا تھا۔ عمارت کے ایک حصے سے بھی شعلے بلند ہو رہے تھے۔ عمارت کے کہیں

مخالف سمت میں بے تحاشہ دوڑے جا رہے تھے۔

”یہ کیوں بھاگ رہے ہیں۔“ جید نے اسکوں کی طرح پوچھا۔

”بھاگو، جلدی کرو۔“ فریدی بھی اسی طرف دوڑنے لگا۔ حید بھی اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

”آخر یہ کیوں بھاگ رہے ہیں؟“ وہ ہائپا ہوا بولا۔

”تم واقعی ڈیوٹ ہو۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس عمارت میں اس کا میگرین بھی ہے۔“

”نہیں وہ ڈائری کہاں ہے۔“

خود را نظر آرہا تھا۔

”ان کی نائیوں سے ان کے ہاتھ ان کی پیشوں پر جکڑ دو۔“ زخمی ناک والے نے فریدی اور حمید کو اشارہ کیا اور پھر دسرے آدمیوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”تم صرف دس ہو تو اور میرے قبضے میں بارہ گولیاں ہیں اور یہ بھی سمجھ لو کہ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔“

فریدی اور حمید بتائے ہوئے کام میں مشغول ہو گئے۔ ایک آدمی نے جدو جہد کرنی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحے میں زخمی ناک والے کے روپ اور کافراً اس کا کام تمام کر چکا تھا۔ اور..... بچیرہ لوگ کانپ کر رہے گئے۔

گارس ان شعلہ بازنطروں سے زخمی ناک والے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ناک پر ابھی تک پہنچی ہوئی تھی لیکن آواز سے اب ایسا نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی ناک زخمی ہے۔

”میں کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔“ اس نے بے دردی سے فس کر کہا۔ ”تم سب سینہ سو جاؤ گے۔“ ایڈنا ڈارنگ..... اب بتاؤ۔“ حمید ایڈنا کے قریب پہنچ کر آہستہ سے بولا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور سر جھکائے کھڑی رہی۔

سب کو باندھ پکنے کے بعد وہ دونوں گارس ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ لیکن جیسے ہی وہ اس کے قریب پہنچ وہ ان دونوں پر ٹوٹ پڑا۔ زخمی ناک والے کے روپ اور سے پھر ایک شعلہ لٹکا اور گارس ان چیخ کر پہنچے ہٹ گیا۔ اس نے اپنی بائیں ران داہنے ہاتھ سے دبارکھی تھی۔ گولی ران میں گلی تھی۔ لیکن اس نے اپنا ہاتھ ران پر سے ہٹا لیا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ فریدی اور حمید جیسے ہی آگے بڑھے اس نے پھر ان پر حملہ کر دیا۔ فائر ہوا۔ اس بار گولی اس کے داہنے بازو پر لگی تھی۔ لیکن اس نے فریدی اور حمید کی گردیں تھچھوڑیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی انگلیاں آہستہ آہستہ اس کی گردیں میں اترتی جا رہی ہوں۔

ایڈنا اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے زخمی ناک والے کو گھوڑرہی تھی۔

زخمی ناک والے نے آگے بڑھ کر روپ اور کا دست گارس ان کے سر پر مار دیا۔ وہ پھر ان دونوں کو چھوڑ کر پہنچے ہٹ گیا۔ اس کے سر سے بھی خون بہنے لگا تھا اس نے جھنجلاہٹ میا اپنا خون بھرا ہاتھ اپنے چہرے پر لیا اور پہلے سے بھی زیادہ خوفناک دکھائی دینے لگا۔ لیکن اس کے

بم کے ہاتھ میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح دھاڑ رہا تھا۔

”ہاں پیارے..... وہ بقیہ داستان.....!“ زخمی ناک والا بھی کر بولا۔ اب گارس ان پر بٹ پڑا۔ لیکن اس بار اس نے فائز کرنے کے بجائے صرف پتوں کے دستے سے کام لیا اور نکی پیشانی سے بھی لہور نے لگا۔

”خنوں ہے..... خبیث کے فرزند.....!“ زخمی ناک والے نے کہا اور اسے دھکا دے بی۔ گارس ان کلہوں کے مل دھب سے زمین پر آ رہا۔ وہ غصے میں شور مچاتا ہوا اپنے سر کے بال پر رہا تھا۔

”ہاں بیٹھے اور بقیہ داستان۔“ زخمی ناک والے کے لجھ میں بلا کی سفا کی تھی۔

گارس ان نے اس کی طرف تھوک دیا۔

”خیر بیٹھے۔ وہ پس کر بولا۔“ تم نے اپنی داستان بڑے فخر یہ انداز میں سنائی تھی۔ اب وزی ہی میری بھی سن لو۔..... جسے تم فریدی سمجھ رہے ہو۔ وہ فریدی کا ایک شاگرد انور ہے اور بیلی یہ خاکسار ہے۔“

حید نے انور کی طرف دیکھا، جو فریدی کی شکل میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کتنا کامیاب میک پتھر۔

”تمہارے ساتھیوں نے مجھے چلتی کر کے انتہائی حمact کا ثبوت دیا تھا۔“

فریدی پھر بولا۔ ”چاند ماری کے میدان میں اتفاق سے تمہارا آدمی شیفڑی میرے ہاتھ لگ لائی تھی۔ میں پہلے بھی ہار لے بلڈنگ میں دیکھ چکا تھا۔ بہر حال میں نے گا گھونٹ کر اس کا خاتمہ لولیا۔“

حید کے ذہن میں اس رات کے واقعات چکر لگانے لگے جب اس نے فریدی کو اپنے اندر پر ایک لاش اٹھائے دیکھا تھا۔

”ہاں تو اے دنیا کے پراسرار تین آدمی گارس ان۔“ فریدی بولا۔ ”میں نے شیفڑی کو دیں بلڈنگ میں دفن کر دیا اور خود پر اس کا میک اپ کر کے ہار لے بلڈنگ پہنچ گیا۔ میرا اندازہ سے تھا۔ تمہارے سارے ساتھی وہیں مقیم تھے۔ میں نے اپنی ناک پر پٹی باندھ لی تھی ناک

”ہاں تمہیں حرمت کیوں ہے۔“

”پس یہاں سے رام گنڈھ کا فاصلہ کیا ہے؟“ حمید نے کہا۔

”قریباً ڈریٹھ ہزار میل۔“

”اور ہم نے چند گھنٹوں میں یہ مسافت طے کر لی تھی۔ میرا خیال ہے کہ بمشکل دو گھنٹے
ب ہوئے ہوں گے۔“

”اُنکی وہ اڑنے والی مشین انتہائی حرمت انگیز تھی۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے اڑے تھے؟“
”مجھے ہوش نہیں تھا۔“

”تمہیں سن کر حرمت ہو گی کہ وہ مشین ہارے بلڈنگ کی چھت پر اترا کرتی تھی اور وہیں
پرواز بھی کرتی تھی۔ اس میں آواز اتنی کم پیدا ہوتی تھی کہ پڑوں والے تک اس کے وجود
ہلکتے اور اندر ہیری رات میں وہ لوگوں کی نظروں سے فجع کر پرواز کر جاتی تھی۔“

فریدی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر گارسال سے کہنے لگا۔ ”جانتے ہو تمہاری اڑنے
مشین کا کیا حشر ہوا.....؟“
”گارسال کچھ نہ بولا۔“

”یہ تمہارے ہی میگرین کے ایک ناممہم کا کرشمہ تھا۔ میں نے بھی رات کو اس عمارت کا
ایک گوشہ دیکھ لالا تھا اور وہ بم اس مشین میں آج صبح رکھا گیا تھا..... کیا سمجھے..... مجھے
لائیں آتا کہ تم وہی گارسال ہو جس کیلئے ساری دنیا حیران ہے..... مگر یار میں ناقص یہ کہہ رہا
لگا۔ مجھے تمہارا وہ ہاتھی نماڑا نسیمیز اور وہ چھڑی نہ لٹی تو میں بھی اندر ہیرے ہی میں رہتا۔“

”وقتیوں کو لے کر عمارت کے طبقے کے قریب آئے۔ ڈائری کا خیال فضول ہی تھا اس کی
لیبل اڑ گئی ہوئی گی۔“

”میداب بھی سوچ رہا تھا کہ اس ڈائری میں کیا تھا اور اس کا علم گارسال کو کس طرح ہوا
لیا۔ اسکی میں اس گیس کا فارمولہ درج تھا؟“

”یہ گاؤں.....!“ فریدی گھری وادی کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آج سے چھ سال قل
بانگا۔ بندھ نہ ہب کے لوگوں کی آبادی تھی۔ اچاکھ ہیضہ پھیلا اور پورا گاؤں صاف ہو گیا اور

ناک زخمی ہونے کا بہانتہ کر کے آزادی سے اپنی آواز بدل سکوں۔۔۔۔۔ تمہارے کسی آدمی کو مجھے
ذراہ بر ابر بھی شبہ نہ ہوا۔ پھر دوسرے دن جب وہ مجھے پکڑنے کی اسکم بنا رہے تھے میں نے ایک
زبردست قسم کھائی اور عہد کیا کہ میں یا تو فریدی کو پکڑ لاؤں گا یا پھر زندگی بھر انہیں اپنی ٹھیک
دکھاؤں گا۔۔۔۔۔ لہذا میں فریدی کو پکڑ لایا۔“

فریدی نے انور کو آنکھ ماری۔

”اور یہ چوہیا.....!“ فریدی نے ایڈنا کی طرف اشارہ کیا۔ ”جو بڑی داش مند تھی آزادی
چکر میں آئی گئی۔“

گارسال پھر چیخ کر فریدی کی طرف جھپٹا گرا سے پہلے ہی کی طرح زمین پر شٹھ جاتا۔
کیونکہ یہ اس کے سر پر تیسرا ذخم تھا۔۔۔۔۔ اور پہلے کے زغمون سے گہرا بھی۔

”اس کے بھی ہاتھ باندھ دو.....!“ فریدی نے حمید اور انور سے کہا۔
گارسال زیادہ دیر تک جدو جدد جاری نہ رکھ سکا۔ اس کے جسم سے کافی خون بہ گیا تھا۔

”حمد نے اس کے دونوں ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔“
”اور اس کا کیا ہو گا.....؟“ حمید نے ایڈنا کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اس کا آمیٹ ہے گا۔“ فریدی بھس کر بولا۔ پھر گارسال کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔
”ڈائری کہاں ہے؟“

گارسال پا گلوں کی طرح بھس پڑا اور اس نے اپنا چہرہ گھما کر اس خاک کے ڈھیر کی ط
اشارہ کیا جو کچھ در قبل ایک عمارت کی ٹھکل میں تھا۔

انور کو یقین نہ آیا۔ اس نے اس کی جامہ تلاشی لی لیکن ڈائری برآمدہ کر سکا۔
”ہم واپس کس طرح جائیں گے؟“ حمید نے پوچھا۔

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اپنی سرز میں میں نہیں ہو؟“
”میرا تو یہی خیال ہے۔“

”غلط خیال ہے۔۔۔۔۔ ہم رام گنڈھ سے بمشکل تمام دس یا پندرہ میل کے فاصلے پر ہوں۔“
”رام گنڈھ.....؟“ حمید اچھل کر بولا۔

واف رہتا تھا۔ ہاں تو پروفیسر درانی کو اپنے سکریٹری پر بڑا اعتماد تھا جس دن اس کنوئی سے بھری کا پچھر برآمد ہوا تھا اسی دن شاید اس خبر سے متاثر ہو کر درانی نے سکریٹری کو بتایا کہ بھری نے اپنی گشادگی سے دو دن قبل اسے اپنی ڈائریکٹری دی تھی اور کہا تھا کہ وہ اسے حفاظت کرنے کیونکہ اسے ان لوگوں میں کچھ غیر ملکی جاسوسوں کا شبہ ہو گیا تھا، جو اسے اس کے مدح بر کر گئے رہا کرتے تھے۔ سکریٹری خود بھی عرصے سے اس ڈائریکٹری کی تلاش میں تھا۔ اس وقت نے درانی سے اس کے متعلق کوئی بات نہ کی۔ اسی دن اتفاق سے اس کی ملاقات شلائر سے لی۔ وہ اسے ایک جرسن سائنسدان کی حیثیت سے جانتا تھا۔ اس نے اسے اکثر چودھری کے انہمی دیکھا تھا۔ غالباً اس نے سوچا ہو گا اگر اسے ڈائریکٹری میں بھی گئی تو وہ کہاں اس کا سودا کرتا رہے گا کیونکہ اس کا تذکرہ اس جرسن سائنسدان سے کرے۔ لہذا اس نے شلائر سے اس کا کرہ کیا۔ وہ تو تھا ہمی اسی چکر میں۔ معاملہ پہنچیں ہزار پر طے ہو گیا اور دونوں نے اسے پروفیسر انی کی کوئی میں تلاش کرنے کی ایکسیم بنائی۔ لیکن بھلا شلائر سے کس طرح گوارا کر لیتا کہ اس زمین اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ اس کے لئے اتنی ہی اطلاع کافی تھی کہ وہ ڈائریکٹری پروفیسر انی کی کوئی میں موجود ہے۔ اس نے اسی شام کو پروفیسر درانی کے سکریٹری کو ٹھکانے لگادیا۔ فریبی خاموش ہو کر سگار سماں کرنے لگا۔ وہ ابھی تک شیفرڈ ہی کے بھیس میں تھا اور اس کی لپرپنی بندگی ہوئی تھی۔ انور نے بھی اپنا میک اپ نہیں لگا۔

”ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا.....؟“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ٹھیک ہے..... اسی رات کو اڑ پروفیسر کی کوئی میں گھسا۔ فریبیک بھی اس کے پیچے لگا ہوا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر وہ ڈائریکٹر کے ہاتھ لگ بھی گئی تو وہ اسے اس سے بزور حاصل کر لے گا۔ لیکن وہ اس تیری لی سے خائف ضرور تھا۔ جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ مرتبے دم تک اسے اس کا علم کا کہر تیری پارٹی کا تعلق گارسیاں سے تھا۔ بہر حال شلائر اس کی تلاش میں تھا کہ اس کی پروفیسرانی سے۔ وہ اس کی خواب گاہ میں گھس گیا تھا۔ وہیں اسے پروفیسر سے دوچار ہونا

جوئی گئے..... پھر انہوں نے ادھر کا رخ نہ کیا۔“

کاروں پل پڑا۔

قیدی آگے تھے اور وہ تینوں ان کے پیچے پل رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں ریال تھے۔ ایتنا کے ہاتھ بھی انور نے اپنی نائی سے باندھ دیتے تھے۔ قیدی اس ریال کے پل پر سے لوث رہے ہوں۔

”بیقری داستان تو رہ ہی گئی۔“ انور پہن کر بولا۔

”بیقری داستان مجھے معلوم ہے۔“ فریبی نے کہا۔ ”فریبیک بیان دے کر مراد ہے۔ اس کے بیان سے میں نے جو منائج اخذ کئے ہیں میرے خیال سے وہ غلط نہیں۔ پروفیسر چودھری اور فن کر دینے کے بعد گارسیا عرصہ تک اس خیال میں رہا کہ چودھری نے اس فارموں سے متعلق کوئی تحریر ضرور چھوڑی ہوگی۔ فریبیک اور شلائر چودھری کی تلاش میں رہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ کہیں روپوش ہو گیا۔ شلائر بہت بڑا عمار تھا۔ اس نے کسی طرح چودھری کے استنسیوں سے معلوم کر لیا کہ چودھری کے سارے فارموں اس کی ڈائریکٹری میں رہا کرتے تھے۔ لیکن، بھی اسی خیال میں تھا کہ چودھری ان کے خوف سے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔ لہذا وہ اپنی ڈائریکٹری کی کوئی میں موجود ہے۔ اس کے برخلاف جب اس ڈائریکٹری کا علم گارسیا کو ہوا تو اس نے چودھری کی کوئی میں اس کی تلاش شروع کر دی اور پھر جب اس نے یہ دیکھا کہ شلائر اور فریبیک بھی اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ اس کے ساتھ اس کی ڈائریکٹری کا علم گارسیا کو ہوا تو اس نے چودھری کے پڑگے ہیں تو اس نے چودھری کے بہوت ڈھونگ رچایا تاکہ کم از کم چودھری کے گھروں اس کی سرگرمیوں میں حارج نہ ہو سکی۔ چودھری کے اسٹنٹ نے دو ماہ تک اس کا انتظار کیا۔ پھر اس نے پروفیسر درانی کے یہاں ملازمت کر لی۔ اس کا وہ سکریٹری جو لاتپت ہے وہی تھا۔ لاتپت کیا..... وہ بیچارہ بھی اب اس دنیا میں نہیں۔“

”کیوں اسے کیا ہوا.....؟“ انور پوچنکر کر بولا۔

”شلائر نے اسے بھی ختم کر دیا۔“ فریبی نے کہا۔ ”فریبیک سائے کی طرح شلائر کے پیچے لگا رہتا تھا اور اسے اس کے متعلق سب کچھ معلوم تھا۔ وہ اس کے معمولی پوچھا۔“

پڑا اور پھر اس نے اس سے چیخا چھڑانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ دوسری رات کو ڈالرز
ڈالرزی کا پتہ لگایا..... اور اس کے بعد تو تم جانتے ہی ہو۔“

”اس کا افسوس ہے کہ وہ ڈالرزی ضائع ہو گئی۔“ حمید بولا۔

”مجھے قطعی افسوس نہیں۔ اس کا ضائع ہو جانا ہی اچھا ہوا۔ کیونکہ آدمی ابھی ارتقا کی اس
منزل پر نہیں پہنچا جسas پر فرشتے کا گمان ہو سکے۔“

حید اکتا ہے میں بتلا ہو جانے کے خوف سے اپنا ذہن اور اہم ہٹانے کی کوشش کر رہا
تھا۔ وہ آگے بڑھ کر ایذا کے ساتھ ساتھ چلتے گا۔

”ہیلو ڈارلینگ..... اب ہم لوگوں کے متعلق کیا خیال ہے کیا میں اب بھی تمہیں بازش میں
بھیگا ہوا الومعلوم ہوتا ہوں؟“

”شٹ اپ.....!“ وہ بھٹاکر بولی۔

”خواہ تو وہ تمہاری عزت کرنے کو دل چاہتا ہے۔“

”خدا کے لئے مجھے پریشان مت کرو۔“

ایذنا پلتے چلتے رک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے
”کیا بات ہے؟“ فریدی نے پوچھا۔

”یا تو اس سے میرا چیخا چھڑاو۔..... یا مجھے گولی مار دو۔“

”اچھا..... چلو..... تم آگے چلو۔“ فریدی نے اس سے کہا اور حمید کی گردان پکڑ لی۔

”دیکھنے..... خدا کی قسم آپ ہر معاملے میں ٹائگ نہ اڑایا کیجئے۔“

”کیوں پریشان کر رہا ہے اسے؟“

”کیوں؟“ حمید جھلا کر بولا۔ ”کیا اسے منہے کرنے کا ارادہ ہے۔ اگر ایسا خیال ہے تو

میرے باپ کو بھی فرزندی میں قبول فرمائیے۔“

اور اس کی پیٹھ پر ایک دھول جما کر ہنسنے لگا۔

ختم شد

جاسوسی دنیا نمبر 26

دو ہرائل قتل

(مکمل ناول)

بیانات میں مشغول ہو جاتا اور یہ سلسلہ کافی رات گئے تک جاری رہتا پھر سوتے سوتے تین بجے اور اتوار کی صبح کو وہ معدے میں بھلی سی گرانی لے کر بیدار ہوتا۔ معدے کے انحرافات دل و ٹیکڑا تھے اور اختلال شروع ہو جاتا۔ آج بھی بھی ہوا تھا۔ بڑی دیر تک اس کا اکٹھا ہوا نہیں ہی کی جائے فریدی کی موجودگی میں وہ شاید اس کا خیال بھی دل میں نہ لاتا۔ بیرونی ہی کی طرح فریدی کی موجودگی میں وہ شاید اس کی چیزیں نکل گئی تھیں۔

ہر لمحہ اسے ایسا ہی محسوس ہوتا تھا جیسے تکوار اب گئی اور تباہ گئی۔

”پوری قوت سے حملہ کرو۔“ وہ بہاپ رہا تھا۔

”اگر تمہارا ہاتھ رکا تو..... گردن صاف۔“

”ارے باپ رے۔“ وہ لرزتی ہوئی آواز میں جیخ کر چیچھے ہٹا۔

”ذمہ بھجو کر حملہ کرو۔“ حمید نے کہا۔

نکر شروع ہی سے پیچھا چڑھا نے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن جان پچھی نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے جلا کر تکوار ماری اور حمید نے قبھر لگایا۔

”شباش.....!“

”اپے درپے وار کرتا رہا۔ ظاہر ہے کہ انہیں ہی تھا اس لئے جلد ہی ہانپتے لگا۔ وہ سمجھا تھا مثیلہ اسی طرح پیچھا چھوٹ جائے گا، لیکن چکن کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ لگا۔ آخر دہ تکوار بلکہ درآمدے کی طرف بھاگ نکلا۔ تقریباً سارے ہی نکر یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ انہوں ناقہ پہنکے۔

”پل بنے نصیر.....!“ حمید نے ایک دوسرے نکر سے کہا۔

”بیشتر کار.....!“

”پل بنے۔“ حمید طلق پھاڑ کر چینا۔

”هر حمید اسے گردن پکڑ کر لان پر کھنچ لایا۔

”ارے میں مر ا.....!“ وہ گھٹتی ہوئی آواز میں چلایا۔

ہمزاد

جہن جہنا ک.....

نکر کے ہاتھ سے تکوار نکل کر درجہ اگری اور وہ احتمالوں کی طرح منہ کھو لے اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے کھڑا رہا۔

”چلو اٹھاؤ..... پھر مددی۔“ حمید اپنی تکوار کو خلاء میں گردش دیتا ہو الکارا۔

”بیٹا یہ سپر گری ہے..... بھی کھیل نہیں۔“

”اب میں ہاتھ جوڑتا ہوں صاحب۔“ نکر ڈرگڑا کر بولा۔

”اب تم پڑھان ہو۔“

”باپ دادا رہے ہوں گے؟ میں تو.....!“

”چلو کچھ نہیں..... اٹھاؤ تکوار..... شباش..... بس دو دو ہاتھ اور.....!“

”اور جو ایک لگ ہی گئی؟“

”اچھا اچھا..... میں احتیاط کروں گا۔“

نکر نے طوعاً و کرہا پھر تکوار اٹھائی اور اٹھے سیدھے ہاتھ مارنے لگا۔ حمید کو صبح سے اختلال ہو رہا تھا۔ کئی بار کسی نے مشتعلی کی دریافت کے سلسلے میں ذہن کو مجھکلے دیئے، لیکن کچھ نہ سمجھا۔ اتوار کا دن تھا۔ فریدی بھی گھر پر موجود نہیں تھا کہ اسی سے تھوڑی دیر بکواس کر کے دل بہلانا۔ اس نے اپنے اس اختلال کے لئے بھی اتوار ہی کا دن مقرر کر کھا تھا۔ عموماً سپر کی شام ہے۔

”شوپ راؤ.....!“

مرتا کیا نہ کرتا..... اُسے بھی تکوار اٹھانی ہی پڑی، لیکن وہ اُسے اتنی اختیاط سے ہلا رہتا چیزیں شے کی ہو۔ حمید نے جھپٹ کر تکوار ماری اور بوڑھا نسیر اہمیت کر کے چاروں خانے چتگر پر اتنے میں ایک کار کپاڈ میں داخل ہوئی۔ حمید سمجھا شاہد فریدی آگیا۔ وہ نسیر کی طرف دھیان دیے بغیر مڑا..... کار فریدی کی نہیں تھی۔

ایک وجہہ اور کافی تدرست جوان آدمی کار سے اتر رہا تھا۔ صورت حمید کے لئے بالکل تھی۔ حمید نے تکوار کی نوک زمین پر ٹیک دی۔ دوسرا الجھ تینچھا چونکا دینے والا تھا نہ صرف حمید بل سارے نوک جھیت زدہ رہ گئے۔ ایک ہی ٹھکل و صورت کے دو آدمی ان کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کا لباس بھی پیاس تھا۔ قد میں بھی کوئی واضح فرق نہ نظر آیا۔ پھر وہ دونوں ان کی طرف بڑھے۔ دونوں کے پیر رابر سے اٹھ رہے تھے۔ ان کی پال میں بھی اختلاف نہیں تھا۔

”آداب عرض.....!“ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ ”آواز میں فرق رہا بھی ہو تو ایسے موقعے پر اس طرف دھیان دینے کا کے ہوش رہتا ہے۔“

”فرمائیے.....!“ حمید بوكھلا کر بولا۔

”انپکڑ فریدی صاحب سے ملتا ہے۔“ دونوں نے یہی وقت کہا۔

”وہ اس وقت موجود نہیں۔“

”یہ تو بہت نہ ہوا۔“ اس بار بھی وہ ایک ساتھ ہی بولے۔

حمدید ایک لٹھ انہیں گھوڑتا رہا پھر بولا۔

”آپ لوگ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔“

”میڈ غاسکر سے۔“ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

”ام شریف.....!“

”صغیر شاہد.....!“ دونوں نے کہا۔

”اور آپ کا.....!“ حمید دوسرا سے مخاطب ہوا۔

” صغیر شاہد.....!“ دونوں نے دہرایا۔

”یعنی آپ دونوں کا.....!“ حمید نے حیرت سے کہا۔

”دو.....!“ دونوں تھیر ہو کر بولے۔ ”دو کون! میں تھا ہوں! نہ جانے یہاں کے لوگوں کو آؤ گا ہے۔ اگر فریدی صاحب نے بھی دو ہی کہا تب تو مصیبت آجائے گی۔“

”یعنی.....!“ حمید چوک پڑا۔

”یعنی یہ کہ یہاں سب کے داماغوں میں فتوڑ معلوم ہوتا ہے۔“ دونوں نے کہا۔ ”ایک کے رکھائی دیتے ہیں۔ میں خان بھادر ظہیر شاہد کا چھوٹا بھائی ہوں۔ میڈ غاسکر میں میری تجارت پکجہ دونوں کے لئے یہاں آیا ہوں..... آیا نہیں بلکہ شامت لائی ہے۔“ حمید ناٹھ میں آگیا۔ اس نے پلٹ کر فوکروں کی طرف دیکھا، جو ایک ایک کر کے ماتے ہکتے جا رہے تھے۔

”فریدی صاحب سے آپ کیوں ملتا چاہتے ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”سی آئی ڈی والوں نے نجک کر رکھا ہے۔“ دونوں نے کہا۔

”کیوں.....؟“ حمید نے سوچے سمجھے بغیر سوال کیا۔

”انہیں بھی میں دو ہی نظر آتا ہوں۔“ دونوں بولے۔

”تو فریدی صاحب کیا کر سکتیں گے۔“

”وہ میرے بھائی صاحب خان بھادر ظہیر شاہد کے دوست ہیں۔ شاید کچھ کر سکتیں۔“

”کیا آپ میں سے ایک نہیں بول سکتا۔“ حمید نے کہا۔

”کیا غویت ہے.....!“ دونوں چیختے۔

حمدید چند لمحے انہیں گھوڑتا رہا پھر بولا۔

”میں فریدی صاحب کا استئنث ہوں۔“

”یہی خوشی ہوئی۔“ دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔ حمید کا ہاتھ بھی سکا طرف بڑھا لیکن اس کے ہاتھ میں اُن دونوں کے ہاتھ بیک وقت آگئے۔ وہ دونوں قطیعی پاہ تھے۔

”لیکن بیکار..... قطیعی بیکار.....!“ انہوں نے مایوسی سے کہا۔ ”آپ کو بھی ایک کے دو

”واہ جتاب خوب مذاق ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”یہ تو آدھا ہے..... میں نے آپ کو پورا پسپورٹ دیا تھا۔“

جید اسے بھی جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔ ”آپ کو دھوکہ ہوا ہے..... مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے آپ سے پاسپورٹ لیا ہی نہیں تھا۔“
”ہم ائیں.....!“ دونوں منہ کھول کر اسے گھونٹنے لگے۔
”آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔“

”مذاق نہ سمجھے.....“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں ہمیں رک کر فریدی صاحب کا انتظار کروں گا۔“

”اچھا تو پھر اندر تشریف لے چلے۔“ حید کی رگ شرات پھر کنے گی تھی۔ وہ انہیں زرائیک روم میں لے آیا۔ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنی جیبوں سے سکریٹ نکالے۔ یہ بھی ایک ہی قسم کے تھے۔ دونوں نے ساتھ ہی سکریٹ سلاکے۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ دونوں کسی میشن کے ذریعے حرکت کر رہے ہیں۔ دونوں کی یکساں حرکتوں میں توقف کا شیرہ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ حید انہیں تحریر آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ مگر کے سارے نوکر کمزیوں سے جھاگڑ کر رہے تھے۔

”مگر والوں نے الگ ناطق بند کر رکھا ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”زندگی حرام ہو گئی..... یہاں آ کر پچھلتیا۔“

”پاسپورٹ سنبھال لئے۔“ حید نے ایک پاسپورٹ ان کی طرف اچھال دیا جو ان کے ملنے والی جا کر گرا۔ لیکن انہوں نے اس کی طرف توجہ نکل نہ دی۔

”مڈغاسکر میں آپ کا کب سے قیام ہے۔“ حید نے تھوڑی دری بعد پوچھا۔ وہ انہیں لے آیا تھا لیکن اب اس کی سمجھی میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا گفتگو کرے۔

”ذیں سال سے..... آدھا بھی واپس کر دیجئے۔“ انہوں نے کہا۔

”شادی ہو چکی ہے آپ کی۔“ حید نے ان کی بات نظر انداز کر کے پوچھا۔

”شادی.....!“ دونوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ”ایسی لئے آیا تھا لیکن جس لڑکی سے رشتہ

دکھائی دیتے ہیں۔“

حید تحریر ضرور تھا لیکن اس پر چھینگلا گیا۔

”کیا آپ کو دوسرا نہیں دکھائی دیتا۔“ اس نے ایک سے کہا۔

”کہاں؟“ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر بولے۔ دریمک دیکھتے رہے ہیں انہوں نے ماہی سے اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”کس مصیبت میں پھنس گیا۔ لخت ہے اس سرز میں پر..... میں جلد سے جلد واپس چلا جاؤں گا۔“

حید نے ایک بار پھر آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف دیکھا اور اپنا سر اس انداز میں سہلان لگا جیسے دھنڈا ماغ میں گری چڑھ گئی ہو۔

”آپ مڈغاسکر سے ایک ہی پاسپورٹ پر آئے ہیں۔“ اس نے گھبرا کر پوچھا۔

”اور نہیں تو کیا دس پر آتا.....!“ وہ چھینگلا کر بولا۔

”پاسپورٹ موجود ہے۔“ حید نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“ دونوں اپنے کلوٹوں کی اندر ورنی عیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے بولے۔ انہوں نے پاسپورٹ نکالے اور حید کی طرف بڑھا دیے۔

حید انہیں دیکھنے لگا۔ دونوں ایک ہی آدمی کے پاسپورٹ تھے۔ دونوں پر ایک ہی نام تھا۔ ولدیت بھی ایک ہی تھی۔ روائی تاریخ اور مقام بھی ایک ہی تھے۔ اس نے دونوں پاسپورٹوں کو اپنی جیب میں ڈال لیا۔

”تو آپ.....!“ وہ بولا۔ ”خان بہادر ظہیری کے یہاں مقیم ہیں۔“

”جی ہاں.....!“ انہوں نے جواب دیا۔

”بہتر..... آپ تشریف لے جائیے۔ میں فریدی صاحب کو دیں بھیج دوں گا۔“

”پاسپورٹ.....!“ دونوں نے ہاتھ بڑھائے۔

”اوہ..... معاف کیجئے گا.....!“ حید نے ایک پاسپورٹ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں نے اپنے ہاتھ گرالے۔ ان میں سے ایک کی آنکھوں میں بھجن کے آثار آ رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں دونوں ہنسنے لگے۔

”دوسرا آدھا خود بخود مر جائے گا۔“ جواب ملا۔

جید دوسرے کمرے کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ درمیان ہی میں تھا کہ اس نے دوچینیں
نملا۔ یہ دونوں انہیں کروں سے بلند ہوئی تھیں۔ جید نے چھٹ کر دروازہ کھولا۔ ایک صیر شاہد
کرے کے فرش پر چاروں خانے چت پڑا تھا۔ اُس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور غشی کی ساری علامات
بوجو تھیں۔ پھر وہ بھاگ کر دوسرے کمرے کی طرف آیا۔ یہاں بھی وہی حال تھا۔ دونوں اپنی
لہبہوں پر بیہوش پڑے تھے۔ جید نے انہیں اٹھوا کر پھر کیجا کردیا۔ اور وہ اس طرح ہوش میں
جسی چیز بجلی کا کرنٹ لگتے ہی کوئی مشین چل پڑے۔
وہ چند لمحے سر اسیمگی کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے رہے پھر اس طرح اٹھ کر بیٹھ گئے جسے
ہیں کچھ در قیل کی کوئی بات یاد نہ ہو۔

”کیا آپ تھوڑا پانی پلا اسکیں گے۔“ انہوں نے جید سے کہا۔

”ضرور.....!“ جید خود ہی اٹھ کر پانی لینے چلا گیا۔ واپسی پر اس کے ہاتھ میں صرف ایک
گلاں تھا۔ اُس نے وہی اُن دونوں کی طرف بڑھا دیا۔ دونوں نے ایک ساتھ گلاں پر ہاتھ
الائے۔ جید بے ساختہ ہنس پڑا۔ دونوں ایک ساتھ پانی پینے کی کوشش کر رہے تھے اور ان کے
بیڑوں پر اس وقت بھی بلا کی سنجیدگی تھی۔ بلا آخر دونوں نے اپنے منڈ گلاں سے لگائیے اور سارا
پانی ان پر الٹ گیا۔ پھر خالی گلاں جید کی طرف بڑھاتے ہوئے رومالوں سے اپنے منہ پوچھے۔
ہبڑوں پر گرے ہوئے پانی کی طرف انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ حالانکہ شاید گریبانوں سے
لزکر کا پانی اُن کے سینوں تک پہنچ گیا تھا۔

”آٹھ اور آٹھ کتنے ہوتے ہیں۔“ جید نے بوکھلا کر پوچھا۔ اُسے کچھ کچھ یقین ہو چلا تھا
کہ وہ دونوں پاگل بھی ہیں۔

”آٹھ اور آٹھ ہوتے ہیں۔“ انہوں نے جواب دیا۔

”میرا مطلب ہے کہ آٹھ اور آٹھ کی جمع کتنی ہوگی۔“ جید جلدی سے بولا۔

”الھا۔“ انہوں نے کہا۔

”اگر میں آپ دونوں کے سر ٹکراؤں تو کیا باقی بچے گا۔“

ٹھہاؤں نے بھی مجھے ایک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

”آپ کی بھائی صاحب کیا کہتے ہیں۔“

”وہ بھی دوہی کہتے ہیں۔“

”وقتی یہ بہت بڑا ظلم ہے۔“ جید نے منہ بنا کر کہا اور دوسرا پاسپورٹ بھی ان کی طرف
چھینک دیا۔

”شکریہ۔“ دونوں نے اپنے اپنے پاسپورٹ اٹھا کر جیبوں میں ڈال لئے۔ جید تھوڑی دریک
بیٹھا کچھ سوچتا ہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”آپ تحریف رکھتے میں ایک منٹ میں حاضر ہوتا ہوں۔“

اندر آ کر اس نے سارے نوکروں کو اکٹھا کیا اور ان سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔ پھر
ڈرائیک روم میں لوٹ آئے۔ دونوں ہم ٹکل ایک ہی انداز سے خاموش بیٹھے تھے۔

”خیس آئے فریدی صاحب۔“ انہوں نے پوچھا۔

”جی نہیں.....!“ جید نے کہا۔ اس کے چہرے پر شرارت اور بے چینی کے مطابق آہار
نظر آ رہے تھے۔

دفعتاً دونوں طرف کے دروازوں سے چار چار نوکر برآمد ہوئے اور اُن دونوں پر ٹوٹ
پڑے۔ تھوڑی جدو جہد کے بعد وہ سست پڑ گئے۔ ایک ایک کو چار چار نے پکڑ کھا تھا۔

”اس بدتمیزی کا مطلب۔“ دونوں رک رک بولے۔

”ابھی بتاتا ہوں.....!“ جید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

پھر دونوں کو الگ الگ کروں میں بند کر دیا گیا۔

”اب کیا خیال ہے۔“ جید نے ایک کمرے کے باہر سے پوچھا۔ ”کیا نام ہے تمہارا۔“

”آدھا صیر شاہد.....!“ اندر سے آواز آئی۔ ”صیر شاہد ایک بنادو۔“

دونوں کمرے ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر تھے اور یہ بات ناممکن تھی کہ ایک کی آواز
دوسرے تک پہنچ سکے۔ جید نے دوسرے کمرے کے پاس آ کر بھی وہی سوال دھر لیا لیکن جواب

من عن تھا، جو پہلے آدمی سے ملا تھا۔

”اگر میں آدھے صیر شاہد کو گولی مار دوں تو۔“ جید نے پوچھا۔

”تجربہ گاہ میں لے چلو.....!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔
”انہیں فریدی کی کیمیاوی تجربہ گاہ میں لایا۔
”کرسیوں میں جڑ دو انہیں۔“ حمید نے نوکروں سے کہا لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی
”ذوں ہم شکلوں نے نہ تو اس پر احتیاج کیا اور نہ ہی گلو غلامی کے لئے ہاتھ پیر مارے اور
پانیں کرسیوں سے باندھا جا رہا تھا تو ان کے چہرے پر اتنا اطمینان تھا جیسے ان کی تائی پوشی
بللے میں یہ سارے انتظامات کے جارہے ہیں۔“

حمد نے دونوں کے چہروں کو خوب آجھی طرح ٹوٹ کر دیکھا۔ پھر پچھہ دیر تک مدب شٹے
اور دسے ان کے خدوخال کا جائزہ لیتا رہا اور وہ اس طرح بیٹھے رہے جیسے ان کا ڈاکٹری معاف
ہوا۔

”یہاں درد ہوتا ہے۔“ انہوں نے اس وقت کہا جب حمید ایک کا داہنا جزہ ٹوٹ رہا تھا۔
”دانٹ میں!“ حمید نے کہا اور میز سے زبرداٹھا ہوا بڑا یا۔ ”نکال دوں دانت۔“
”نکال دیجئے۔“ دونوں نے لاپرواٹی سے کہا اور حمید زبرد کر انہیں گھومنے لگا۔
تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ انہیں ٹھوک بجا کر دیکھتا رہا۔ اس نے وہ ستارے ذرا لمحہ اختیار
ہجن سے کامیاب ترین میک اپ بھی ختم ہو سکتا تھا..... مگر..... ان دونوں کے چہرے جوں
ملاؤں رہے۔ بال برابر فرق بھی ظاہر نہ ہوسکا۔

”یادوں میں ہار گیا.....!“ حمید بے بُسی سے بولا۔ ”اب ختم کر دیے مذاق۔“
”مذاق آپ کر رہے ہیں یا میں۔“ دونوں گرج کر بولے۔

”آپ دونوں ساتھ پیدا ہوئے تھے۔“

”اُنے خدا تمہیں غارت کرے۔“ دونوں طلق کے مل چیخے اور ان کی کرسیاں الٹ گئیں۔
نوکروں نے کرسیاں پھر سیدھی کر دیں۔ وہ سب بُھی سے دوہرے ہوئے جارہے تھے۔
”کیا، نگاہ مہے۔“ فریدی کی تیز آواز سنائی دی۔ حمید چوک کر مڑا۔ نوکروں طرح سنجیدہ
لٹکھ جیسے انہیں ملک الموت نظر آگیا ہو۔
”جاڈا پنا کام کرو۔“ اس نے سخت لمحہ میں کہا اور وہ سب چپ چاپ باہر چلے گئے۔ پھر

”بہت ہو چکا۔“ دونوں غصہ سے گھونسہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ ”اگر آپ سن
”دونوں“ کہا تو اچھا نہ ہو گا۔“
”بیٹھے بیٹھے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میں یونہی مذاق کر رہا تھا۔“
”آپ بڑی دیر سے مذاق کر رہے ہیں۔ یہ اچھی بات نہیں۔“
”اب نہیں کروں گا۔“ حمید نے یقین دہانی والے انداز میں کہا۔
دونوں بیٹھ گئے۔

”آپ فضائی راستے سے آئے ہیں یا بحری راستے سے۔“ حمید نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔
”بحری راستے سے۔“
”جہاز والوں نے بھی آپ کو دو ہی سمجھا ہو گا۔“
”جی ہاں..... آج کل مجھے پوری دنیا پا گل نظر آتی ہے۔“ دونوں بولے۔
”آپ شروع ہی سے دھصوں میں تقسیم ہیں۔“
”میرے نجی معاملات سے آپ کو کیا سوچ کار.....!“ دونوں نے کہا۔
”آپ یہاں سے ٹمغا سکر تھا گے تھے۔“ حمید نے پھر سوال کیا۔
”ہائیں..... پھر وہی.....!“ دونوں آنکھیں چھاڑ کر بولے۔
حمد بوكلا گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے گفتگو کس طرح کرے اور کا
پوچھے۔ اس سے قبل بارہا اس کی نظر وہ سے تحریخ و اوقات گذرے تھے، لیکن یہ اپنی نویت کا
ایک ہی تھا۔

”تو آپ فریدی صاحب سے مل کر ہی جائیں گے۔“ اس نے پوچھا۔
”جی ہاں..... اب اس بات کا فیصلہ ہی ہو جانا چاہئے۔“
”فیصلہ.....!“ حمید اور پری ہونٹ بھکر کر بولا۔ ”فیصلہ میں کسے دیتا ہوں۔“
پھر اس نے نوکروں کو پکارنا شروع کیا، جو دوسرے کمرے کی کھڑکیوں سے جماں رہے تھے۔
”پکڑو انہیں۔“
قبل اس کے کوہ سنجھلتے نوکروں نے انہیں پھر قابو کر لیا۔

”کیوں.....؟“ فریدی پھر حمید کو گھورنے لگا۔ حمید کچھ نہ بولا۔ وہ کسی سوچ میں پڑ گیا تھا۔
 ”مسن صغير..... مجھے فسوس ہے“ فریدی نے کہا۔ ”مطمئن رہئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”اچھا تو پھر کبھی ملاقات ہوگی۔“ دونوں نے اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھادیئے، فریدی
 بدھ حمید کی طرف مڑے۔
 ”اب آپ کو یقین آیا۔“
 ”بلاکل قطعی.....“ حمید نے مسکرا کر کہا۔

ان کے چلے جانے کے بعد حمید، فریدی کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے قہچہ
 اس کی ساری سمجھیگی رخصت ہو گئی تھی اور آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہو گئی تھی۔

”زمیں یے حمید صاحب عقل بڑی یا آپ.....!“

”میرے خیال سے یہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”واقعی تم نے بڑی گھری بات بتائی۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”میرا ذہن اتنا اوپنچا اڑھی
 ہلکا۔“

حمید نے بُرا سامنہ بنایا اور کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

فریدی بھی تھوڑی دیریکٹ خاموش رہا پھر خود بخوبی پڑا۔

”حمد صاحب۔“ اس نے کہا۔ ”شرارت اسے کہتے ہیں..... اچھے اچھے کا ناطقہ بند ہو گیا۔“

”لیا مطلب.....!“ حمید چوک کر بولا۔

”وہ جڑواں بھائی نہیں ہیں..... خود ظہیر بڑی طرح پریشان ہے اور وہ دُوق کے ساتھ یہ
 اکھیں کسکا کر اُن دونوں میں سے اسکا بھائی کون ہے۔ بیسی حال گھر کے سارے افراد کا ہے۔“

”تو جتاب ایک پر دوسرے کا میک اپ بھی نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میں اچھی طرح
 لانکر چکا ہوں۔“

فریدی بچھر بخوبی پڑا۔

”شرارت محض شرارت۔“ اس نے کہا۔ ”مگر ہمارے گھنے کی لئے ایک مستقل در درسری،
 مثلاً مفتر نے دنیا بھر کی شرارتلوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔“

وہ حمید کو گھور کر بولا۔ ”یہ کیا حرکت۔“
 ”ملاحظہ فرمائیے۔“ حمید نے اُن دونوں کی طرف اشارہ کیا۔
 ”کیوں باندھ رکھا ہے۔“ فریدی رُک کر بولا۔ ”ظہیر کے بھائی کو۔“
 ”مگر دوسرا کون ہے۔“
 ”دوسرًا.....؟“ فریدی کے لمحے میں حرمت تھی۔ ”بھنگ تو نہیں پی گئے۔ دوسرا کہاں ہے
 دوسرا کون؟“

اب جھن

حمد کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نہ صرف بھنگ بلکہ تازی، شراب اور انفیون وغیرہ وغیرہ
 کاک میل پی گیا ہو کیونکہ فریدی نے یہ جملہ بڑی سمجھیگی سے کہا تھا۔

”خداؤ آپ کا بھلا کرے۔“ دونوں نے خوشی کا نفرہ لگایا اور بیسانختہ اٹھ کھڑے ہوئے
 کوشش میں کری سمیت منہ کے مل بیچھے چلے آئے، فریدی نے دوڑ کر انہیں سیدھا کیا اور انہا
 رسیاں کھولنے لگا۔

”آپ فرشتہ ہیں۔“ دونوں نے کہا۔ ”رحمت کا فرشتہ..... اس ملک میں آپ پہلے آؤ
 ہیں جسے ایک کے دونبیں دکھائی دیتے۔“

”میں پاگل نہیں ہوں۔“ فریدی نے سمجھیگی سے کہا۔ ”محبے آپ کی دشواریوں کا
 ہے..... میں ابھی ظہیر ہی سے مل کر آ رہا ہوں۔“

”بھائی صاحب نے کہا تھا کہ آپ اُن کے دوست ہیں، لیکن آپ کے استثنے نے
 بے حد پریشان کیا ہے۔ نہ جانے کن کن چیزوں سے میرا منہ ڈھلوایا کہ اب تک جلن ہو رہی ہے۔“

”نماہر ہے کہ اب بھی دونوں کے تعلقات کشیدہ ہوں گے۔“ حمید نے کہا۔
”نہیں ایسا تو نہیں۔ شادی کے لئے ظہیرہ عیٰ نے اُسے بلا یا تھا۔“
”وہ دونوں گلکوڑتے ہوئے ذرا انگ روم میں آئے۔ فریدی کے بیڑوں میں میلی فون کی گھنٹی^۱ تھی۔ کمرے سے واپسی پر اُس نے حمید سے کہا۔ ”ظہیر شاہد کا فون تھا۔“

”کیا بات ہے؟“

”نیماں دنوں سے لڑپڑی ہے۔“

”نیماں کون۔“

”صغیر کی مگتی۔.....!“ فریدی تھس کر بولا۔ ”وہ دونوں اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”معاملہ بادلچشم ہے اگر اجازت ہو تو میں ان دونوں کو ایک کر دوں۔“

”وہ تو بڑی آسانی سے ہو سکتا تھا، لیکن دشواری یہ ہے کہ خود اس کے گھر والے اُسے شاخت
کر سکتے۔“

”گھر دونوں کی آوازوں میں خفیف سا اختلاف ہے۔“ حمید بولا۔

”میں نے بھی محبوس کیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن ظہیر اس کے باوجود بھی اُسے شاخت
کر سکتا۔“

”دنیا کا آٹھواں بجوبت۔“ حمید بولا۔ ”اگر مجھ شرارت ہے تو اس کے لئے واقعی بڑی بھاری
ناؤ کرنی پڑی ہوگی۔“

”اس میں شک نہیں۔“

”ان پر کون سی فرد جرم عائد ہو سکتی ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کوئی بھی نہیں۔ کیونکہ ایک کے خلاف دوسرا کو کوئی شکایت نہیں اور اس وقت تک تو
یا انہیں جا سکتا جب تک کہ اس حرکت کا مقصد نہ ظاہر ہو جائے۔“

”بہر آخڑ کیا ہو گا۔“

”کوئی بھی نہیں۔..... خاصی تفریخ رہے گی۔“ فریدی تھس کر بولا۔

”اگر ان دونوں کو بھاہا بلاؤ کر کھا جائے تو کیا ہرج ہے۔ ظہیر شاہد آپ کا خاصاً گھر اور دوست
” ہمید نے کہا۔

”لیکن یہ دونوں ایک ساتھ سفر کس طرح کر سکے۔“

”انہوں نے ایک ساتھ ہرگز سفر نہیں کیا۔“

”لیکن میں نے ان کے پاس پورٹ دیکھے ہیں۔“ حمید بولا۔ ”دونوں میڈیغا اسکر سے ایک
ہی تاریخ کو روائت ہوئے ہیں۔“

”تو کیا ہوا..... اس سے یہ بات کب ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ایک ہی جہاز پر سفر کیا
اُس تاریخ کو میڈیغا اسکر سے تین جہاز روائت ہوئے تھے۔“

”ظہیر شاہد صاحب کا کیا خیال ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”وہ قریب قریب پاگل ہو چکا ہے۔ وہی نہیں بلکہ گھر کا ہر فرد..... صاحبزادے میڈیغا
سے اس لئے بلاعے گئے تھے کہ ان کی شادی کر دی جائے۔ لڑکی گھری کی کی ہے۔ اُس کے مردو
بچا کی لڑکی۔“

”یہ حضرت میڈیغا اسکر میں کیا کرتے تھے۔“

”سو نے اور چاندی کی کئی کانوں کا حصہ دار ہے۔ کافی دولت مند آدمی ہے اور یہ دولت
خود اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ اپنی دولت کا بیشتر حصہ اپنی شرارتون کی نذر
کر دینے کا عادی ہے۔“

”تو اسے آپ کی کچھ شرارت ہی سمجھتے ہیں۔“

”پھر اور کیا سمجھوں؟ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اس صدی کی سب سے بڑی اور عجیب شرارت ہے۔“

فریدی غاموش ہو گیا۔ کچھ سوچتا ہا پھر خود بخونہس پڑا۔

”وہ ایک شرارت ہی کے سلسلے میں بھاہا کھا گا تھا۔“ اس نے کہا۔ ”وہ سال قبل کی بات
ہے اس کے بڑے بھائی ظہیر شاہد کی شادی ہوئی اس ظالم نے اس کی بیوی کو جملہ عروی سے عاب
کر کے کسی دوسرے کے کمرے میں پہنچا دیا اور یہوی کی جگہ ایک سانحہ سالہ بوڑھیا کو بھاہا، جو
کرائے پر حاصل کی گئی تھی۔ میاں ظہیر گھوگھٹ اللہ سے پہلے بڑی دریک رومانی قسم کے ڈالیاں
بولتے رہے۔ پھر جو گھوگھٹ اللہ ہے تو بس مزہ آگیا۔ جب بات کھلی تو صغر کے پچھے رائل لے کر
دوڑے۔ پھر صغير کو بھاہا سے بھاگنا پڑا۔ ظہیر حقیقت اسے مارڈا نے پر ٹل گیا۔“

ڈاپ ہاں کیفیت اس کی نرم دلی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کچھ عجیب انداز میں سکرا پڑا۔

”یار تم بھی میں کمال ہی کرتے ہو۔“ اس نے کہا۔ ”اُن بھوتوں نے تواب زندگی اجربن کر دی۔“
”کیا ہوا.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”کہتے ہیں ملکہ سراجِ رسانی نے انہیں ایک تسلیم کر لیا ہے۔“
”اگر میں یہ نہ کہتا تو کہتا کیا۔“ فریدی میں کر بولا۔

”ہم سب عک آگئے ہیں۔ آؤ اندر چلو..... مجھے ذر ہے کہ کہیں دادی جان جوتی لے کر دنوں پر پل نہ پڑیں۔ کل سے کئی بار دھمکا چکی ہیں۔“

”نیمہ سے کیا باتیں ہوئیں۔“

”ہوئیں کیا..... ابھی تک ہو رہی ہیں۔ یار کیا بتاؤں کبھی غصہ آتا ہے اور کبھی بھی۔“
”کمال باہر بیجئے۔“ حید نے کہا۔

”کے نکال باہر کروں..... ان میں سے ایک یقیناً صیر ہے اور میں دشوق کے ساتھ کہہ نہیں سکتا کہ کون ہے۔ شرارت کی حد کروی متور نے۔“

ظہیر رک کر کچھ سننے لگا پھر بولا۔ ”میرا خیال صحیح ہے۔ نیمہ ابھی تک ان سے ابھی ہوئی ہے۔ یار سنو..... تم بھیس وغیرہ بھی شاندار بدلتے ہو کچھ بتاؤ..... میری مدد کرو۔“

”ان میں سے کسی نے اپنی شکل تبدیل نہیں کی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دنوں ہم شکل ہیں۔“
”پھر میں کیا کروں۔“ ظہیر بے بی سے بولا۔

”ارے تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”دو چار دن عک کر کے راہ لاست پر آجائے گا۔“

”وہ تو نمیک ہے لیکن تمہارے لمحے والوں نے تو ناطقہ بند کر کھا ہے۔ مجھے ذر ہے کہ کہیں بیرونی حرast میں نہ لے لئے جائیں۔“

”بشت.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”قاتو نا وہ گرفت میں نہیں آتے۔ کیا ہم شکل اور ہم اہم تر جوں۔ دنوں الگ الگ پاسپورٹ رکھتے ہیں اور قطعی قانونی طور پر بہاں آئے ہیں۔“

”بجتنے آپ تینوں مل کر زندگی تلخ کر دیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”آؤ چلتے ہو ظہیر کے بہاں۔“
”ابھی آپ وہیں سے تو آ رہے ہیں۔“

”بلف تھا..... میں نے اُس سے صرف فون پر گفتگو کی تھی۔ لیکن ابھی جوفون آیا ہے اُس پر اُس نے مجھے گمراہنے کی دعوت دی ہے۔“

حمدید تیار ہو گیا۔ دنوں باہر آئے۔

”میرا خیال ہے کہ بہاں سے جانے کے بعد ان دنوں نے نیمہ کو چھیڑا ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔
کیڈی لاک کارخ ظہیر کے گھر کی طرف تھا جو فریدی کی کوئی سے آدمیں کے فاصلے پر بہا ہو گو
”نیمہ کو کیوں چھیڑا ہو گا۔“ حید نے سوال کیا۔ اُس کا ذہن ان دنوں کو نجک کرنے کی حرکت
سوچ رہا تھا۔

”انہوں نے اُس سے کہا کہ ملکہ سراجِ رسانی والوں نے بھی انہیں ایک تسلیم کر لیا ہے، لہذا اب شادی میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بھی میرا خیال تو یہ ہے کہ صیرنے پر جرکت
ہی اس لئے کی ہے کہ اس کی شادی نیمہ سے نہ ہو سکے۔“

”تو وہ انکار بھی تو کر سکتا تھا..... ظاہر ہے کہ ظہیر صاحب کا دست گمراہنیں۔“

”نمیک ہے..... وہ ظہیر کا کہنا تال سکتا ہے لیکن اپنی دادی کا نہیں۔ ہیں تو وہ ان کی سوتلی
ہی دادی، لیکن دنوں ان سے بہت محبت کرتے ہیں اور ذر تے بھی ہیں۔ غالباً یہ انہیں کی خواہ
ہے کہ صیر کی شادی نیمہ سے ہو۔“

”نیمہ کافی خوبصورت ہو گی۔“

”کیوں.....؟“

”یہ اُسی سے پوچھ کر بتاؤں گا کہ وہ کیوں کافی خوبصورت ہے۔“ حید نے کہا۔

کیڈی لاک خان بہادر ظہیر کی کوئی کے کپاٹ میں داخل ہو رہی تھی۔
انہوں نے خان بہادر ظہیر کو دیکھا جو بے چینی سے برآمدے میں ہل رہا تھا۔ یہ چالیسا
سال کا ایک تین اور سینہ آدمی تھا۔ پریشانی سے کچھ اور تھوڑے سے بالوں میں سفیدی تھی اور
ایک پتلی سی سفید لہر پیچھے کی طرف مڑے ہوئے سیاہ بالوں میں کچھ عجیب لگتی تھی۔ آنکھوں کی

مجھے تمہارا بھائی جینس معلوم ہوتا ہے۔ اتنی شاندار شرارت شاید ہی کسی نے کی ہو۔“

وہ لوگ نشست کے کمرے میں آئے۔ فریدی کو دیکھ کر دونوں ہم ٹکل بے ساختہ اچل پڑے اور نیمہ کو مخاطب کر کے بولے۔

”یہ لوگہ سراغ رسانی بھی آگیا۔ اب تمہیں میری بات ماننی ہی پڑے گی۔“

فریدی ہنسنے لگا۔ نیمہ اسے شکایت آمیز نظر وں سے دیکھ رہی تھی۔

”فریدی صاحب۔“ ہم ٹکلوں نے اس سے کہا۔ خدا را اپنی زبان مبارک سے یہاں بھی میرے متعلق اظہار خیال فرمادیجھے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ فریدی نے حیرت سے کہا۔

”بھی کہ میں ایک ہوں۔“

”قطیعی ایک ہیں آپ۔۔۔ ملکہ سراغ رسانی اسے تسلیم کر چکا ہے۔“

”آداب۔۔۔!“ دونوں نے جھک کر نیمہ کو سلام کیا۔

نیمہ بھنا کر انہی اور پیر پٹختی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔ اس پر دونوں نے تھقہ لگایا۔ نیمہ نے اندر جا کر دادی جان سے نہ جانے کیا کہہ دیا کہ وہ جان غپا ہو کر سیدھی نشست کے کمرے میں چلی آئیں۔ ان کی عمر سائھ ستر کے لگ بھک رہی ہوگی۔ چہرہ شفاف اور بارعب تھا لیکن اس پر مانتا کی نرمی تھی۔

”کیوں کمال میاں۔“ انہوں نے فریدی کو مخاطب کیا۔ ”تم نے بھی انہیں کم بخنوں کی ہاں میں ہاں ملا دی۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ سب اتنے پریشان کیوں ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”بس میاں بس۔۔۔ تم بھی جان جلانے آگے۔ میں ان نکشوں کامنہ جلس دوں گی۔“

”دادی جان۔“ دونوں ہم ٹکلوں نے ہامک لگائی۔ ”آخر آپ اپنے صیر سے اتنی بیزار کیوں ہو گئی ہیں۔“

”صیر باز آجائی حرکت سے، میں پھر سمجھاتی ہوں، درنہ جو ہیوں سے تم دونوں کی خبر لوں گی۔“

”ہائے پھر وہی دونوں۔۔۔ پھر وہی دونوں۔“ ہم ٹکلوں نے باقاعدہ اپنا سر پیٹنا شروع کیا۔

”بھا تھا تھا۔۔۔ تھا تھا۔۔۔ تھا تھا۔۔۔ تھا تھا۔۔۔“

اگر جید اور فریدی آگے بڑھ کر انکے ہاتھ نہ پکڑ لیتے تو یہ سلسلہ نہ جانے کب تک جاری رہتا۔

دادی جان انہیں ایسی نظر ووں سے دیکھ رہی تھیں جیسے بلما کرو پڑیں گی۔ غصے کے ساتھ

انہوں اگر بے بسی کا احساس بھی ہو جائے تو میں کیفیت ہوتی ہے۔ ظہیر نہس رہا تھا لیکن اس کی

یہی زیچ ہو جانے کی آخری منزیلیں جھلک رہی تھیں۔

”میں ابھی چلا جاؤں گا۔“ دونوں نے روہانی آواز میں کہا۔ ”بھیٹ کے لئے چلا جاؤں گا۔“

”دور ہو جاؤ کم بختو۔۔۔!“ دادی جان جو تی اتارنے کے لئے جھکیں۔

”ہائے پھر وہی کم بختو۔۔۔!“ دونوں بولے۔۔۔ ”مار لجھے گردوں نہ کھائیے۔“

”جانے بھی دیجئے۔“ فریدی اُن کے اور دادی جان کے درمیان میں آگیا۔

فریدی نے بدقت تمام دادی جان کو سمجھا بھجا کر ڈرائیکٹ روم سے رخصت کر دیا۔

”صیر مذاق کی بھی حد ہوتی ہے۔“ ظہیر جیدگی سے بولا۔

”میں ابھی اس ملک سے تو نہیں جا سکتا لیکن اس گھر سے ضرور چلا جاؤں گا۔“ دونوں نے ان کر کہا۔

”یار تم ہی سمجھاؤ۔“ ظہیر نے فریدی کو مخاطب کیا۔

”اگر آپ کا معاملہ نہ ہوتا تو میں سمجھا دیتا۔“ جید نے اپنے پاپ میں تباکو بھرتے ہوئے کہا۔

”کیا سمجھا دیتے۔“ دونوں نے بھولے پن سے پوچھا۔

”بھی کو لو مزی سال میں اٹھے دیتی ہے۔“

”سائزے تھیں۔۔۔!“ دونوں نے سخیدگی سے کہا۔ ”میڈ گاسکر کی لو مزیاں تو بعض اوقات

اچھے اکٹیں بھی دے ڈاتی ہیں۔ یہ تو مقدر کی بات ہے۔“

جید جھلک رکھا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دنیا میں کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہے، جو اس کا ناظر

لے سکے۔ سہر حال وہ خود کو جوابی کارروائی کی لئے تیار کرنے لگا۔

فریدی اس کا ارادہ بھانپ گیا تھا، اس لئے جلدی سے بولا۔

”اچھا بھی میں تو چلا۔۔۔ جب صیر صاحب کو تم لوگوں کی بے بسی کا پورا پورا احساس

ہو جائے گا تو معاملات خود بخود اعدال پر آ جائیں گے۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ دونوں نے فریدی کو روک کر کہا۔

”صغیر میاں.....ابھی بچے ہو۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔ باہر پوری بیوی میں نیزد دکھائی دی، جو ایک آدمی سے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہی تھی۔ یہ نوجوان اور قبول صورت تھا۔ وضع قطع سے اسپورٹ میں بھی معلوم ہوتا تھا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر خاموش ہو گئی اور وہ نوجوان بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

فریدی نے نیزد کی طرف دیکھ کر سر کو خفیہ جیبیں دی اور مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ نیزد بھی جواباً مسکرائی لیکن مسکراہٹ جاندار نہیں تھی۔ نیزد نہ بہت خوبصورت تھی اور نہ اسے بدصورت ہی کہا جاسکتا تھا۔ البتہ اس کی آنکھیں خمار آگیں ضرور تھیں اور غالباً اس میں یہی ایک کش تھی۔ لباس کے معاملے میں ہلکے رنگوں کی دلدادہ تھی۔ اس وقت وہ ہلکے نارنجی دوپے میں خامش ڈکش لگ رہی تھی۔

”یہ مرد کون تھا.....!“ حمید نے پوچھا۔

”آخر.....ظہیر کا پرانی بیویت سیکریٹری اور غالباً دور کے رشتے کا کوئی عزیز بھی، میں نے غور ان دونوں کو ہمیشہ ساتھ ہی دیکھا ہے۔“

پھر دونوں خاموشی سے کیڈی لاک پر بیٹھ گئے۔

”ہوٹل ڈی فرنس.....“ حمید نے اس انداز میں کہا جیسے اس نے کسی ٹھیکی ڈائیور کو ہدایت دی ہو۔

”اچھا جی.....!“

”ہاں مرے سرکار چھنگ رہے ہیں.....سماں ہے چھبیسے ہاں ایک شاندار پروگرام ہے۔“

”میرے پاس وقت نہیں ہے۔“ فریدی ہونٹ سکوڑ کر بولा۔

”اچھا تو اتر جائے گاڑی سے میں تو جاؤں گا۔“

”تشریف لے جائے۔“ فریدی نے کیڈی روک دی اور خود بچے اتر گیا۔

حمدید نے اسٹرینگ سنجال لیا۔

پراسرار قتل

ناشتہ کی میز جلد ہی ویران ہو گئی۔ ہوا یہ کہ کسی بات پر حمید کو بے ساختہ نہیں آگئی اور کافی گھوٹ جو طلاق سے نہیں اترا تھا۔ منہ سے نکل پڑا۔

پھر فریدی ناشتہ ختم کئے بغیر ہی اٹھ گیا۔

حمید تمباکو کا نیاش لینے کے لئے اپنے پیٹر روم کی طرف جاہی رہا تھا کہ فریدی کی خواب گاہ سائے ہوئے۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجتے گئی۔ فریدی ابھی تک کھانے ہی کے کمرے میں بیٹھا چکا بارہ کو رہا تھا۔ حمید اس کی خواب گاہ میں چلا گیا۔

”بیلو.....!“ اس نے رسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ ”کون؟ ہاں..... ہاں..... ارے؟

”کب؟ اور..... اچھا..... اچھا.....؟“

وہ رسیور کو کھیزی سے کھانے کے کمرے کی طرف بڑھا۔

”حقیقتاً ہم دونوں منحوس ہیں۔“ حمید نے فریدی کو مطالبہ کر کے کہا۔

”مجھے..... بیکار..... گھستے ہو..... اپنے ساتھ۔“ فریدی اخبار پر نظریں جمائے ہوئے سرک کر بولा۔

”نہیں آپ اور میں دونوں۔“ حمید کی آواز کپکار ہی تھی۔ ”جہاں ہمارے قدم پڑتے ہیں انہی شامت پہلے ہی سے ہماری خطرہ رہتی ہے۔“

”کیا ہوا.....!“ فریدی نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہی، جو اپنی تقدیر بن چکا ہے۔“

”تباہ کیا بات ہے۔“

”قتل..... میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ..... وہ دونوں.....!“

”جلدی سے کہہ چلو.....!“ فریدی سگار سلاگاتے سلاگاتے رک کر بولा۔

”خان بہادر ظہیر کا سیکریٹری اختر قتل ہو گیا۔ ابھی جلد نیش کا فون آیا ہے۔“

پورے کمرے میں خاموشی مسلط تھی۔ ذی۔ ایس۔ پی سئی سعی خیز انداز میں فریدی کی
ملف دیکھ رہا تھا۔

”گھر والوں کے بیانات لئے گئے۔“ فریدی نے جلدیش سے پوچھا۔

”سرسری پوچھ گجھ ہوئی ہے۔ دراصل آپ کا انتظار تھا۔“

”تمہیں کس وقت اطلاع ملی تھی۔“

”آٹھ بجے۔“

فریدی اپنی گھری کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہ دونوں ہم شکل.....!“ ذی۔ ایس۔ پی بڑیڑا۔

فریدی اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”وہ دونوں میڈی غاسکر سے آئے ہیں۔“ ذی۔ ایس۔ پی پھر بولا۔ ”خود کو ایک کہتے ہیں،

ایک ہی نام اور ولد ہت رکھتے ہیں..... پھر بھی آپ کے مگھے نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا۔“

”کریں کیا سکتا ہے میرا جگہ.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اگر وہ خود کو ایک کہتے ہیں تو

آن کا شمار صرف پاگلوں میں ہو سکتا ہے۔ رہ گئیں بقیہ باتیں تو ان کے لئے دنیا کا کوئی قانون

انہیں ہرم قرار نہیں دے سکتا۔“

”لیکن کم از کم میں تو اب انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔“ ذی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”آپ کی مرضی۔“ فریدی اپنے شانہوں کو لا پر واپی سے جبش دیتا ہوا بولا۔

پھر اس کی ہدایت کے مطابق فوٹوگرافروں نے کئی زاویوں سے اس لاش کے فوٹو لئے۔

”بڑی دریک محب شستے کی مدد سے لاش اور ترب و جوار کا جائزہ لیتا رہا۔“

”بجھ میں نہیں آتا کہ موت کس طرح واقع ہوئی۔“ فریدی آہستہ سے بڑیڑا۔ حمید

چنگ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید ذی۔ ایس۔ پی نے بھی یہ بات سن لی تھی اور طنزیہ انداز

گراہٹ کے ساتھ بولا۔

”واقعی یہ بہت الجھا ہوا مسئلہ ہے۔ شاید آپ رات بھر شراب پیتے رہے ہیں۔“

”میں اس نیک عادت سے محروم ہوں۔“ فریدی کی جوابی مسکراہٹ بھی بڑی زہریلی تھی۔

”ہاں..... صحیح ہم میں سے کسی آدمیوں نے اسے اسی حالت میں دیکھا اور کوئی دھیان نہ
دیا۔ پھر میں نے ہی اُسے پکارا اور جب کئی آوازیں دینے کے باوجود بھی اس کی حالت میں کوئی
تجدیلی نہ ہوئی تو میں چھنجلا کر لا بسیری میں گھس گیا..... اوہ..... میرے خدا..... جانتے ہو.....
اس کی پیٹھ میں دو خجڑیں..... دو خجڑ۔“

دوسری کھڑکی میں ذی۔ ایس۔ پی کا چڑہ دکھائی دیا۔ اس کے پیچھے جلدیش تھا۔

”اور وہ دونوں کہاں ہیں۔“

”اوہ..... وہ.....!“ اپاٹک ظہیر کی آواز بند ہو گئی۔ وہ تھوک ٹکل کر بولا۔ ”خدا کے لئے
صغریٰ کو بچاؤ۔“

”کیوں.....؟“

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں۔“ ظہیر مضطرباہہ انداز میں بولا اور انہیں چھوڑ کر تیزی سے اندر
چلا گیا۔

فریدی چند لمحے کھڑا اس کھڑکی میں دیکھتا رہا پھر وہ بھی اندر جانے کے لئے مڑا۔
لا بسیری میں پولیس والوں اور ملکہ سراغ رسانی کے فوٹوگرافروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
مقتول کھڑکی کے قریب رکھی ہوئی لکھنے کی میز پر ایک ہاتھ رکھ بیٹھا اور اس کی پشت
میں دو خجڑ پیوست تھے۔

”زراد سکھے۔“ حمید میساخت بولا۔ اس کی نظریں خجڑوں پر جمی ہوئی تھیں۔ دونوں ایک ہی
ساخت کے تھے اور ان کے دستوں پر چھوٹے چھوٹے جواہرات نصب تھے۔

”میرے خیال سے لاش کو ہاتھ نہ لکایا گیا ہوگا۔“ فریدی نے جلدیش سے پوچھا۔

”بھی نہیں.....!“

فریدی اور حمید لاش کے قریب آئے۔ فریدی جھک کر خجڑوں کو دیکھنے لگا۔ حمید نے اس
کے چہرے پر حرمت کے آثار دیکھے..... وہ تھوڑی دیریک لاش پر جھکا رہا پھر سیدھا ہو کر نہ خیال
انداز میں میز پر بکھری ہوئی چیزوں کی طرف دیکھنے لگا۔ مقتول کا ہاتھ میز پر اس طرح رکھا ہوا
چھیٹا۔ کسی چیز کو دیباۓ ہوئے ہو۔

یہ بجائے فرش پر نظر آتا یا اس کا سر اس میز پر ہوتا۔ مرنے کے بعد بھی چہرے پر تشنی کے جاتے۔ ایک ہاتھ گود میں اور دوسرا میز پر رکھ کر نہ رہتا۔

میں دو طاقتور آدمی اُسے کری ہی پر روکے رکھنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔“ پی نے کہا۔ ”آپ نے شاید پہلے بھی یہ بھی نہ دیکھا ہو کہ کسی آدمی کی جان لینے کے وقت دختر استعمال کئے گئے ہیں۔“

خیر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ ایک آدمی پر یہک وقت پانچ آدمی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔“ ہیوں کہ آپ کے ذہن میں وہی دونوں ہیں۔“

”میں تو انہیں نہیں چھوڑ سکتا۔“

فریدی اُس کے جواب میں کچھ کہے بغیر پھر لاش پر جھک گیا۔

”یہ کس اتنا تحریر خیز نہیں ہے جتنا کہ آپ سمجھ رہے ہیں۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے پھر کہا۔ ”میں ثابت کر سکتا ہوں کہ موت ان خجروں سے نہیں واقع ہوئی۔“ فریدی سر اٹھا کر لجھ میں بولا۔

”اگر اجازت ہو تو یہ خبر نکال لوں۔“

”بودل چاہے کہجے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے اس طرح کہا جیسے اُسے اس معاملے سے کوئی نامہ ہو۔

فریدی نے دونوں خبر نکال لئے۔ اس کے لئے اُسے کافی زور صرف کرنا پڑا۔ لیکن لاش کی جمل کی توں رہی، جسم بالکل اکٹھا تھا۔

”اب دیکھئے۔“ فریدی نے ڈی۔ ایس۔ پی کو مخاطب کیا۔ ”یہاں پر تو خون کے دریا پہنچتے۔ اس کے برخلاف ایک دھبہ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ کیا خیال ہے؟ لاش بجانے کے بعد یہ خبر گھوپنے گئے تھے یا نہیں۔“

”اگر آپ ان خجروں کو اُس کی موت کی وجہ قرار دیتے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”تو پھر اسے بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ مقتول کے جسم میں خون ہی نہیں تھا۔“

”یہ خبر..... جنہیں صرف اندر ہے ہی مٹول کر موت کا ذمہ دار قرار دے سکتے ہیں۔ میری خجروں میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔“

”کیوں.....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی کی بھنوں کیس تک گئیں۔

”موت ان خجروں کی وجہ سے نہیں واقع ہوئی۔“

”حمدید اُسے اس طرح گھوڑے لگا جیسے وہ سچ پچھلی رات شراب پیتا رہا ہو۔

”بہت خوب.....!“ ڈی۔ ایس۔ پی مسکرا کر بولا۔ ”آپ تو چونچ اب شرلاک ہوز کے بھی کان کترنے لگے ہیں۔“

”معاف کیجئے گا.....!“ فریدی نے سجدگی سے کہا۔ ”سراغ رسانی کافن میں نے جاسوی نادلوں یہاںی وڈی کلموں سے نہیں سیکھا۔“

”یعنی.....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی کے لبھ میں تلخی تھی۔

”یعنی یہ کہ ذرا محتقول کا پھرہ اور بیٹھنے کا انداز ملاحظہ فرمائیے۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ نے کبھی کسی ایسے آدمی کے چہرے پر اتنا سکون دیکھا ہے جس کی موت خبیر لگنے سے واقع ہوئی ہو۔“

”آپ تو شاعری کرنے لگے۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے کہا۔

”جی ہاں اور مقطع سنتے ہی آپ پھر اٹھیں گے۔“ فریدی پر سکون انداز میں بولا۔

”کیوں اپنی بھد کرائے گا۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ لیکن پھر جو ”ارے باپ“ کہہ کر اچھا ہے تو دروازے ہی کے پاس جا کر رکا۔

”کیا ہوا.....!“ جگد لیش اور ڈی۔ ایس۔ پی گھبرا کر یہک وقت بولے۔ حمید اپنی داہی ران دبائے اور ہونٹ سکوڑے فریدی کو گھور رہا تھا۔

”ایک شخصی ہی پن چھبوٹنے کا یہ تجھے ہوا کہ میاں حمید اچھل کرتی دور گئے۔“ فریدی نے اپنا ہاتھ اٹھ کر کہا۔ اُس کی چلکی میں ایک پن دبی ہوئی تھی۔ ”اور یہ۔“ اُس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ”خبیر لگنے کے باوجود بھی کرسی ہی پر جمارہ۔ وہ بھی اس انداز میں جیسے خبیر کی بجائے لڑ کھائے ہوں۔ کتوال صاحب! اس قسم کے سننی خیر مناظر صرف جاسوی نادلوں اور مارپیٹ کی

کلموں ہی میں دکھائی دیتے ہیں۔ حقائق سے ان کا تعلق نہیں۔ اگر یہ خبیر لگنے سے پہلے زندہ ہوئा تو

”پھر آخر یہ مرا کیسے۔“ ڈی-ائیس-پی نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

لایا تھا۔
”ستول آپ کے بیہاں کب سے تھا۔“ فریدی نے ظہیر کو مخاطب کیا۔
”ائز کی پروش ہی تھیں ہوئی تھی۔“ ظہیر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔
”رات کو آخری بار اسے کس نے دیکھا تھا۔“ فریدی نے گھروالوں پر اچھتی کی نظر ڈالی۔
” غالباً میں نے.....!“ ظہیر ہی بولا۔

”کس وقت.....!“
”ذی بجے۔“
”یا آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“
”میں بھی لاہری ہی میں تھا..... میرے اور اسکے علاوہ لاہری ہی سے کسی اور کوچکی نہیں۔“
”اس وقت وہ کیا کر رہا تھا۔“
” غالباً کچھ لکھ رہا تھا۔“

وہ لڑکی

”یادہ میز صرف اُسی کے استعمال میں رہتی تھی۔“
”اہ..... وہ اسی کی میز تھی۔“
لڑکی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے وہ دونوں خجنگ نکال کر میز پر ڈال دیئے۔
مان بھادر ظہیر کے چہرے پر زردی پھیل گئی اور وہ اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔
دونوں ہم شکلوں کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔
”یہ دونوں خجنگ میڈ غاسکر کے بنے ہوئے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ تو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی بتائے گی، بہر حال یہ صاف ظاہر ہے کہ قتل کا جو جا ظاہر کیا گیا ہے، حقیقتاً وہ موت کا باعث نہیں ہوا اور دیکھئے..... یہ زخم.....!“ فریدی کی چھوٹے سے زخم کی طرف اشارہ کر کے کہا، جو خجنگ والی جگہ سے کچھ اوپر تھا۔ ”پہلے بیہاں گھونپنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن پہلی کی ہڈی بیچ میں حائل ہو گئی۔“
ڈی-ائیس-پی تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

”میرے خیال سے اب بیہاں میری موجودگی ضروری نہیں۔ آپ تو آہی گھر جلد لیش صاحب میں چلا۔ ہاں ان دونوں کیلئے وارنٹ گرفتاری قابلِ خانست ضرور تکلایا ہے۔“
ڈی-ائیس-پی چلا گیا۔

”کیا چوتھوئی ہے سالے کو۔“ جلد لیش مسکرا کر بڑا دیا۔
فریدی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر مقتول کی جھینیں ٹوٹ لئے گا۔ پھر اس نے اٹھاٹھانے کی کوشش کی جو میز پر رکھا ہوا تھا۔ حمید اور جلد لیش بھی قریب آگئے۔ ہاتھ ایک لفاف تھا۔ فریدی نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ یہ بند تھا اور اس پر ڈاک کا نکٹ چپاں تھا۔ اور پہنچنے لکھا گیا تھا۔ فریدی نے لفافہ چاک کیا اور اندر کا خط نکال۔ حمید اسے بنورد کیا، فریدی کے ماتھے پر سلوٹیں لکھتی آ رہی تھیں۔ پھر اس نے خط کو تہہ کر کے لفافے میں ہوئے مقتول کے چہرے پر نظریں جدادیں۔

”کوئی خاص بات.....!“ حمید نے پوچھا۔

فریدی نے چوک کرنٹی میں سر ہلاتے ہوئے لفافہ جیب میں رکھ لیا۔

”لاش اٹھوادو.....!“ فریدی نے جلد لیش سے کہا۔

ایکبوالیں گاڑی پہلے ہی سے موجود تھی۔ لاش اٹھوا دی گئی۔ لاہری میں کاشیبلوں کی ڈیوٹی لگا کر وہ لوگ باہر نکل آئے۔ کوئی کے افراد ڈرائیکٹ روم میں اکٹھا نہ کہے تو آدمیوں پر مشتمل تھا۔ فریدی نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں، نیچہ ان میں نہیں دوںوں ہم شکل خاموش کھڑے تھے۔ دادی جان کی آنکھوں کے پوٹوں پر روئے

”اور سو فصدی میرے ہیں۔“ ہم شکلوں نے ایک ساتھ کہا۔
”صیر..... میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ خان بہادر یک بیک تیچ پر
”صبر..... صبر.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

جمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ ان دونوں نے ایسی حالت میں بھی اپنا ڈھونگ ختم نہیں کیا۔
”اسی لئے.....!“ فریدی انہیں گھور رہا تھا، اور پھر بولا۔ ”ذی۔ ایس۔ پی کا خیال ہے
تمہیں حرast میں لے لیا جائے۔“

”ٹھیک ہے۔“ دونوں نے پر اطمینان لجھے میں کہا۔ ”شہبے میں وہ ضرور مجھے گرفتار کرنے کے میں تمہارے ہاتھ جوڑتی ہوں۔“ داوی جان بلبلہ پریں۔ ”اب ختم بھی کرو یہ حماق۔
”تو یہ دونوں خچیر بھی ایک ساتھ ہی استعمال کئے گئے ہوں گے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”پڑنہیں.....!“ دونوں نے جواب دیا۔

”تو پھر تمہیں اختر کے قتل کے الزام میں حرast میں لے لیا جائے۔“

”لیکن حقیقتاً میں نے اسے قتل نہیں کیا۔“ اس بار پھر دونوں ساتھ ہی بولے۔ ”اگر مجھ کرنا ہوتا تو اپنا خچیر استعمال نہ کرتا اور پھر میں اسے قتل ہی کیوں کرنے لگا۔“
”خراں کا جواز میرے پاس موجود ہے۔ تم اسے قتل کر سکتے تھے۔“
کمرے کے سارے لوگ فریدی کو گھومنے لگے۔ لیکن دونوں کی ظاہری حالت میں تبدیلی روشناء ہوئی۔

”صف صاف کو.....!“ ظہیر خوفزدہ آواز میں بولا۔

فریدی اسے کوئی جواب دیئے بغیر جگد لش کی طرف مردا۔ ”ان سب کے بیانات قلم کئے جائیں گے۔“
جگد لش باہر چلا گیا۔

”یار یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ ظہیر ایک قدم آگے بڑھ کر آہستہ سے بولا۔

”پلیز خان بہادر..... ظہیر شاہد۔“ فریدی نے ہاتھ اٹھا کر جگد لش میں کہا۔

خود جمید کو فریدی کا کہنا بہت برا معلوم ہوا۔ ظہیر اور فریدی ایک دوسرے کے گھر۔“

خ اور ان دونوں میں کافی بے تکھی تھی۔ اسے فریدی سے اس طرز گفتگو کی توقع نہ رہی ہو گی۔
ٹھیر پر اپنے خٹک ہوتوں پر زبان پھیرنے لگا۔

دفعاً بیرونی برآمدے میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی اور ایک بھاری بھر کم نوجوان
وکھڑا ہوا کمرے میں گھس آیا۔ اس کی حالت بتا رہی تھی کہ وہ شراب پیے ہوئے ہے، فریدی
نے اسے نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ وہ کمرے میں بمحض دیکھ کر دروازے کے قریب ہی رک گیا تھا۔
”کیا یہ تیچ ہے۔“ اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں ظہیر کو خاطب کیا۔

ظہیر نے اثباتات میں صرف سرہا دیا، پکھ بولا نہیں۔

”آپ کی تعریف.....!“

”یہ..... یہ..... میرے خالہ زاد بھائی شش الحیات ہیں۔ پانچ دن قبل ولی سے آئے
ہیں۔“ ظہیر بولا۔

انتہے میں جگد لش ہیڈ محركو لے کر اندر آ گیا۔

”ظہیر صاحب کے علاوہ بقیہ حضرات باہر تشریف لے جائیں۔“ فریدی نے کہا۔
فریدی کے اس رویے کو ظہیر کے گھر کے لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن کوئی پکھ بولا نہیں۔
وہ ظہیر سے کافی دیر تک متقول کے متعلق معلومات فراہم کرتا رہا۔ پھر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ
کسی نے صیر اور اس کے ساتھی کو پھنسانے کے لئے ایسا کیا ہو۔ لیکن وہ بھی گھر ہی کا کوئی فرد
اہلکار ہے۔“

ظہیر خاموشی سے فریدی کے چہرے پر نظریں جمائے رہا۔

”تم نے لاش دیکھی ہے۔ قاتل نے نہیت اطمینان سے اپنا کام کیا ہے۔ اس نے متقول
کا پشت میں خبر مارے ہیں اور ساتھ ہی وہ اسے اس طرح سنجالے بھی رہا ہے کہ وہ کری سے
کردا ہے۔ یہ کام بہت اطمینان کا ہے اور یہ اطمینان کسی باہری کو نصیب نہیں ہو سکتا۔“

”میری الجھن دیوائی کی حد تک بڑھتی جا رہی ہے۔“ ظہیر آہستہ سے بڑھوایا۔ ”آخر گھر کا
لائف ریڈی کرنے ہی کیوں لگا۔“

”کوئی خاش! کوئی پر خاش! تم کسی کے دل میں تو بیٹھنے نہیں ہوئے ہو۔ بہترے لوگ کہنا

بڑی کی طرف جھٹا۔

”ارے.....!“ اس کے منہ سے بے ساختہ لکلا اور وہ احقوں کی طرح حید کی طرف

پہنچا۔

حید بھی آگے بڑھا۔

نیمہ کمرے کے فرش پر بے حس و حرکت پڑی تھی۔ ظہیر نے اسے پے درپے آوازیں دیں

بلیں اس میں جھنس بھی نہ ہوئی۔

”ارے تو کیا یہ بھی.....!“

”گھبرا یے نہیں۔“ حید نے کہا۔ ”وہ صرف بیہوش معلوم ہوتی ہیں۔“

پھر گھر کے سارے افراد اور پولیس آفیسر ہیں اکٹھا ہو گئے۔ دروازے کا شیشہ توڑ کر اندر

لی چکنی گرائی گئی۔

نیمہ بھی ٹک بیہوش تھی۔

”اس کمرے میں تالاڈاں کر چاہیاں اپنے پاس رکھو۔“ فریدی نے جکد لیٹ سے کہا۔

فوزیہ حید کے قریب کھڑی تھی۔ حید نے اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چک

بھی۔ حید نے محوس کیا کہ وہ حسین ضرور ہے، لیکن اس میں نسوانیت بہت کم ہے۔ اس کے

عہداء مضمبوط تھے اور چھرے پر زندگی آمیز توانائی کے آثار تھے۔ اس وقت گھر بھر میں اسی کا چھرہ

پر لونی نظر آ رہا تھا اور شاید آج صح بھی وہ اپنے لباس پر فلم چھڑ کر نہیں بھولی تھی۔

نیمہ کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اب فریدی خان بہادر کے مہمان شمس الحیات کی

لڑ تجوہ ہوا۔

” غالباً آپ کا کمرہ لاہبری کے مشرقی سرے پر ہے۔“ اس نے پوچھا۔

”مجی ہاں.....!“

”اور آپ کچھلی رات کو گھر پر نہیں تھے۔“

”مجی نہیں۔“

”کہاں تھے؟“

پرور ہوتے ہیں اور بلا کے شاطر بھی۔ مر جتے دم تک نہیں ظاہر ہونے دیتے کہ وہ کسی کی طرف سے کینہ بھی رکھتے ہیں۔“

”نہیں..... نہیں..... میری گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے۔ سب اسے چاہتے تھے۔“ غیر محضور بانہ انداز میں بولا۔

”تو پھر مجبوری ہے۔“ فریدی نے شاون کو جنش دے کر کہا۔ ”صغیر کی طرح نفع لے گا۔“

” صغیر..... یقیناً وہ دونوں پاگل ہیں۔“ اس نے پر خیال انداز میں کہا۔

”اگر پاگل نہ ہوتے تو آج انہیں ہوش آگیا ہوتا۔“

”لاہبری سے لمبی ہوئی کس کی خواب گاہ ہے۔“

”ایک سرے پر نیمہ کا کمرہ ہے اور دوسرے سرے پر شس کے لئے انتظام کیا گیا ہے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ کچھلی رات کوش صاحب گھر میں نہیں تھے۔“

”ٹھیک ہے۔ کل رات وہ اپنے کسی دوست کے گھر پر تھا۔“

”اور ابھی واپس آئے ہیں۔“

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”نیمہ کو بھیج دو۔“

ظہیر باہر چلا گیا۔ اسی کے ساتھ ہی فریدی نے حید کو بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔ حید بھی

اسی کے ساتھ باہر آیا۔ برآمدے میں دوسرے لوگ بھی تھے۔

”نیمہ کہاں ہے؟“ ظہیر نے اپنی یوں سے پوچھا۔

”بھی بھی میں نے اسے اختر کے کمرے میں دیکھا تھا۔“ ظہیر کی سالی فوزیہ نے کہا۔

بھی ظہیر ہی کے ساتھ رہتی تھی اور بنی ایں۔ سی کے دوسرے سال میں تھی۔

”ہم اختر کا کمرہ بھی دیکھیں گے۔“ حید بولا۔

”آئیے۔“ ظہیر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ایک کمرے کے سامنے رک گئے۔

ظہیر نے دروازے کو دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ برادر کی کھڑی کھلی ہوئی تھی۔ ظہیر

شاید وہ اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا، پچکا کر بولا۔ ”اور اگر میں نہ بتا سکوں تو۔“
”میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور دونوں ہم شکلوں کی طرف پلٹ پڑا۔
”وہ خیر آپ کہاں رکھتے تھے۔“
”سوٹ کیس میں۔“ دونوں نے جواب دیا۔
”میں صرف آپ سے پوچھ رہا ہوں۔“ فریدی نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”کیا جواب آپ کے کانوں تک نہیں پہنچا۔“ دونوں تنخ لبھ میں بولے۔

”نیمہ کی بیہوٹی کی وجہ بتا کتے ہو۔“

”میں ڈاکٹرنیہیں ہوں۔“ دونوں مسکرا کر بولے۔

”ایک کو الگ لے جاؤ۔“ فریدی بچھلا کر جگد لیش کی طرف مڑا۔

جگد لیش اور ایک دوسرا سب اسپکٹر نے ان سے ایک کو پکڑا اور دھکیلتے ہوئے ڈرائیکٹ روم کی طرف بڑھا لے گئے۔ دوسرا چپ چاپ دیں کھڑا رہا۔

”اب یہ ناق ختم کرو۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ دفتار اس کی پتلیاں اوپر کو چڑھنے لگیں جسم پر عرش طاری ہوا اور وہ ہلرا کر زمین پر آ رہا۔
پھر جگد لیش آتا ہوا دکھائی دیا۔

”وہ بیہوٹ، ہو گیا۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ اور پھر چونک کر بولا۔ ”ارے یہ بھی۔“
فریدی نے جھک کر دیکھا۔ اس کے دانت بیٹھ گئے تھے اور وہ بھاری بھاری سانسیں لے رہا تھا۔

”بظاہر بیہوٹ ہی معلوم ہوتا ہے۔“ فریدی بولا۔

”دونوں بیہوٹ ہو گئے۔“ حیدر پڑا۔

فریدی نے اُسے گھور کر دیکھا۔ خان بہادر ظہیر بہر حال اس کا دوست تھا اور اس کے گھر

میں ہونے والے حادثے کی وجہ سے گھر کی فضا پر ماتحت اثرات طاری تھے۔ فریدی کو اس کی بھی ہمار گز ری۔ حیدر بھی جلدی سے منجل گیا۔

”یہ وقت تک ہوش میں نہیں آئیں گے جب تک کہ انہیں سمجھانے کیا جائے۔“ اس نے کہا۔

”کیا مطلب.....!“

”مجھے ایک بار اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔“

فریدی نے اُسے بھی اٹھوا کر ڈرائیکٹ روم میں بھجوادیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد جگد لیش نے آکر اطلاع دی کہ انہیں حق بخ ہوش آ گیا۔

ظہیر نیمہ کے کمرے میں تھا۔ اُسے جب اس بات کی اطلاع میں تو وہ دوڑ آیا۔

”بھی اب تو صغير کی حرکتیں برداشت کی حد سے گذر گئی ہیں۔“ اس نے بے بی سے کہا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ فریدی بولا۔ ”نعمہ کیسی ہے۔“

”اُسے ہوش آ گیا ہے۔“

”کیا ایسی حالت میں ہے کہ اُس سے کچھ پوچھا جاسکے۔“

”میرے خیال سے تو ٹھیک ہی ہے۔“

وہ دونوں نیمہ کے کمرے میں آئے۔ وہ ایک بڑے بکھرے سے ٹیک لگائے بیٹھنی تھی۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے آنکھیں جھکالیں۔ اُس کے چہرے پر کچھ اس قسم کا اخھال تھا جیسے وہ بہول سے بیمار ہو۔

”صُن تم ہوا خوری کے لئے گئی تھیں؟“ فریدی نے زم لبھ میں پوچھا۔

”بھی ہاں.....!“

”کیا اسی دروازے سے۔“ فریدی نے اس دروازے کی طرف اشارہ کیا، جو لا ببری کیلئے مل کھلتا تھا۔

”تھیں.....!“

”رات کس وقت سوئی تھیں۔“

”گیراہ بیجے۔“

”بات یہ ہے کہ ان کے جانے کے بعد میں نے درز سے جھامک کر دیکھا تھا۔“ وہ پچکا کر بولی۔
 ”اس کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔“
 ”میرا سرچکار ہے۔“ نیسہ اپنی کپنیاں دبا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
 ”لوگی..... مجھے تم سے ہمدردی ہے۔“ فریدی نرم لمحے میں بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم دل
 کھول کر رو بھی نہیں سکتیں۔“
 ”دنخنا نیسہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں، چہرے کی زردی اور گھری ہو گئی۔
 ”میں سب کچھ جانتا ہوں۔ مجھے تم سے گھری ہمدردی ہے۔ ڈروٹیں..... یہ بات مجھ سک
 عورت ہے گی۔“
 ”نیسہ اہل پڑی۔ رکے ہوئے آنسوؤں میں طغیانی آگئی تھی۔
 ”اس کی پشت میں دنخبر پائے گئے ہیں اور یہ دونوں صیغہ اور اس کے ہم ٹھکل کے ہیں۔“
 فریدی نے کہا۔
 ”وہ کچھ نہ بولی۔ فریدی تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”تم اُس وقت اس
 کرے میں کیوں گئی تھیں۔“
 ”یونہی، پاگل پن۔“
 ”تم دونوں کے متعلق کی کو بھی علم تھا۔“
 ”میں نہیں جانتی..... کچھ نہیں جانتی۔ خدا کے لئے مجھے تھا چھوڑ دیجئے۔“
 ”میں تھیں پریشان کرنے نہیں چاہتا۔“ فریدی نے آہتہ سے کہا اور اس کے کمرے سے چلا آیا۔
 ”نیسہ کے پاس کسی کی موجودگی ضروری ہے۔“ فریدی نے ظہیر سے کہا۔
 ”آخر کیوں۔“
 ”یونہی! بہر حال یہ ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم جانتے ہو کہ میں کوئی غیر ضروری
 بات نہیں کرتا۔“
 پھر اس نے مشیں الحیات کو مخاطب کیا۔ ”ہاں جتاب ابرا کرم اُس دوست کا نام اور پڑے
 تائیں، جس کے بہاں آپ نے پچھلی رات گزاری تھی۔“

”تجھیں اس کا علم تھا کہ اختر لاہوری میں موجود ہے۔“
 ”مجی ہاں۔“
 ”کس طرح.....!“
 ”دروازے کی درزوں سے لاہوری کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔“
 ”اور تمہارے سونے کے وقت تک رہی۔“
 ”مجی ہاں۔“
 ”لیکن تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا کہ وہ اختر ہی تھا۔“
 ”بھائی جان اور اختر کے علاوہ رات کو لاہوری میں کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔“
 ”کیا تم تھوڑی دیر کے لئے باہر جاسکتے ہو۔“ فریدی نے ظہیر سے کہا۔
 ”یہ بھی میری بد نصیبی ہے کہ یہ کیس میرے پر دیکھا گیا ہے۔ تمہیں یقیناً مجھ پر غصہ آرہا ہو گا۔“
 ”نہیں بھی۔“ ظہیر بولا۔ ”میں تمہارے فرائض کی ادائیگی میں حارج نہیں ہو سکتا۔“
 ظہیر چلا گیا۔
 ”ہاں تو یہ تم کس طرح کہہ سکتی ہو کہ تمہارے سونے کے وقت تک ظہیر اور اختر دونوں ہی
 لاہوری میں موجود نہیں تھے۔“
 ”نہیں بھائی جان چلے گئے تھے۔“
 ”تم نے اٹھ کر دیکھا تھا۔“
 ”نہیں۔“
 ”پھر تم کو ان کے چلے جانے کے متعلق کس طرح معلوم ہوا تھا۔“
 ”میں نے ان کی گفتگو سنی تھی اور پھر قدموں کی آوازیں۔“
 ”کیا تم بتاسکوگی کہ ان میں کیا گفتگو ہوئی تھی۔“
 ”گفتگو کچھ میں نہیں آئی تھی۔“
 ”تم یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہو کہ وہ ظہیر ہی کے قدموں کی آواز تھی۔“
 نیسہ کچھ سوچنے لگی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کسی الجھن میں پڑ گئی ہو۔

"ججوری ہے۔"

"آپ قانون کوختی پر مجبور نہ کریں تو بہتر ہے۔" فریدی نے خشک لبچے میں کہا۔

303
"میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے۔" فریدی دانت پیس کر بولا۔
"آپ کو یقین شد آئے گا۔"
"پھر وہی کوس.....!"
"میں نے رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔"
"منٹو پارک میں۔" فریدی نے حیرت سے کہا۔
"جی ہاں.....!"
"کیا کرتے رہے۔ مگر نہیں..... اس وقت تم نشے میں ہو۔ خیر جب تک تمھیں ہوش نہ
اجائے..... تم حرast میں رہو گے۔"

"میں نے شراب ضرور پی رکھی ہے، لیکن میں قطعی ہوش میں ہوں۔"
"فضل.....!" فریدی باہر جانے کیلئے مڑا۔ "آپ بغیر اجازت کہیں جائیں گے نہیں۔"
اس پوچھ چکے دوران میں حمید نے محسوس کیا کہ فریدی اُن دونوں ہم شکلوں کے یہوش
ہجانے کے بعد سے انہیں قطعی طور پر نظر انداز کر رہا ہے۔

فراد افراداً گھر کے سارے لوگوں کے بیانات قلم بند کئے جا چکے تھے۔ حمید یہ بھی محسوس کر رہا
تھا کہ فریدی اُن سے مطمئن نہیں معلوم ہوتا۔ تھوڑی دیر بعد حمید نے جب انپکٹر جلدیں کا
ڈنامیچ دیکھا تو ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ وہ یہ کہ اُس میں نیمسہ کا بیان نہیں تھا..... اس کے
حقیقی اُس کے دل میں اُسی وقت سے خلش موجود تھی، جب اُس نے اُسے متول کے کمرے
لما یہوش دیکھا تھا۔ آخر اسی نے اختر کی موت سے اتنا اثر کیوں لیا تھا اور پھر وہ ایسے وقت میں
خدا کے کمرے میں کیوں گئی جب کہ پولیس گھر میں موجود تھی۔ ایک نادان بچہ بھی ایسے موقع پر
نالٹا ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پولیس کی نظر گھر کے ایک ایک فرد پر تھی اور اُن میں سے کسی کا بھی
بلکہ تینوں بھائیں نہیں تھا۔ خود حمید اُن میں سے کتنی پر شہبے کی نظریں ڈال کر تھا۔ دوسرا طرف خود
آخر کی موت کا معبد اسے الجھن میں ڈالے ہوئے تھا۔ آخر اس کی موت کس طرح واقع ہوئی۔
ایسا چیز وہ دونوں ہم شکل اس حادثے سے بے تعلق تھے۔ پھر اُن دونوں ہم شکلوں کا بیان جس
ملانہوں نے دونوں نجیروں کو اپنی ملکیت تسلیم کر لیا تھا اور اُن کی شرارت اس خطرناک موقع پر

تمھوڑی دیر کے لئے سناٹا چھا گیا، وہ دونوں ہم شکل پھر برآمدے میں آگئے۔ اُن کے
چہروں پر بے اطمینانی نہیں تھی۔

شم الحیات فریدی کو اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"بیاد رکھنے نا۔" فوزیہ آہستہ سے بولی اور وہ نشے کی جھونک میں اُسے کھا جانے والی نظر وہ
سے دیکھنے لگا۔

"بولو شم..... خدا کے لئے بولو۔" ظہیر نے چھنجلا کر کہا۔ "تم سب مجھے پاگل بنائے
دے رہے ہوں۔"

"چلے..... میں بتاؤں گا۔" شم نے فریدی کو الگ چلنے کا اشارہ کیا۔
وہ دونوں ڈرائیگ روم میں آگئے۔ فریدی کوچھ بچھے نصہ آ گیا تھا۔ وہ کافی ٹھنڈے دماغ
کا آدمی تھا لیکن اس وقت اس کی الجھنیں بڑھ گئی تھیں۔ یہ حادثہ ایک ایسے آدمی کے گھر میں ہوا
تھا جو اس کا بہترین دوست تھا اور وہ یہ بھی سمجھ چکا تھا کہ یہ حرکت گھر ہی کے کسی فرد کی تھی۔ اسی
صورت میں اُسے ایک طرف تو اپنے فرائض کا احساس تھا اور دوسری طرف اس دوستی کا خیال تھا،
جو قریب قریب خاندانی تھی۔

فریدی اُسے ابھی تک گھورے جا رہا تھا۔

"میں..... دراصل.....!" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہو سکتا ہے کہ اس کا قتل تمہاری ہی وجہ سے ہوا ہو۔“

”میری وجہ سے۔“ نیمہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”ہاں کیا تم اسے کوئی اہمیت نہیں دیتیں۔“

”کے.....!“

”نیمہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔“

”کیا معلوم ہے؟“

”تم اس کے ساتھ بھاگنے والی تھیں۔ تمہیں صغير پسند نہیں تھا۔ تم اس سے شادی نہیں کرنا ہتھیں۔“

نیمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ پھر اپا لک ہندیانی انداز میں بولی۔ ”نہیں..... نہیں..... یہ غلط ہے۔

” تو صغير نے قتل نہیں کیا۔ آپ غلط سوچ رہے ہیں۔“

”پھر ان دونوں کے خبر۔“

”کچھ..... نہیں..... کچھ بھی نہیں..... خدارا..... اس گھر کو تباہی سے بچائیے۔“

”تو پھر بتاؤنا کہ شس اور اختر کے تعلقات اچھے کیوں نہیں تھے۔“

”رشک اور حسد! دادی جان اختر کو چاہتی تھیں اور گھر کے سیاہ و سفید کامالک وہی تھا۔“

”ہوں..... کل رات کو شس گھر پر نہیں تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم جانتی ہو۔“

”نہیں۔“

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ نیمہ بولی۔

”مجھے حیرت ہے کہ لاہوری میں یہ سب کچھ ہو گیا اور میری آنکھ نہ کھلی۔ مجھے بھی گھری نہیں آتی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پچھلی رات مجھے غشی کی طرح نیند آتی ہے۔ بس دو دھنپی لٹکا اور سو گئی۔“

”ووھ.....!“ فریدی کی نظریں چینی کے ایک بڑے پیالے پر جم گئیں، جو نیمہ کے لامے والی چھوٹی سی گول میز پر رکھا ہوا تھا۔

”تمزی سے میز کی طرف بڑھا۔..... پیالے کی تہ میں تھوڑا سا مخدود دو دھنپ باتی تھا۔“ فریدی

بھی برقرار تھی کیا وہ حقیقتاً شarat تھی یا کوئی پراسرار سازش؟

گھر والوں نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ اب ایک نج رہا تھا۔ ضابطے کی کارروائی ختم ہو چکی تھی۔ فریدی نے شس اور نیمہ کے بیانات کو دوسرا فرست پر اٹھا کر کھا تھا۔ جگد لیش کو رخصت کرنے سے پہلے فریدی نے اس سے تھوڑی دریک گفتگو کی۔ یہ گفتگو ان دونوں ہم شکلوں کو راست میں لینے کے متعلق تھی۔

”میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم اپنی ذہنی۔ ایس۔ پی صاحب کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے اور تمہارے بھنگے میں کسی تم کی کوئی چیلش ہو جائے۔“

”بہتر ہے۔“ جگد لیش بولا۔ ”لیکن..... آپ.....!“

”کیا.....؟“

”میں نے اس سے پہلے کسی موقع پر آپ کو اتنی ابھنوں میں نہیں دیکھا۔“

”تم میرے اور ظہیر کے تعلقات سے واقف ہو۔“

پھر جگد لیش چلا گیا۔ گھر میں صرف دو کاشیل رہ گئے۔ ایک متول کے کمرے کے دروازے پر تھا اور دوسرا الائبریری میں جبال واردات ہوئی تھی۔

فریدی نے پھر نیمہ کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ سکنے پر کہیاں شیکے اور تھوڑی ہٹھیلیوں پر رکھے دیا۔ آنکھوں سے خلاء میں گھور رہی تھی۔ فریدی کو دیکھ کر اٹھ یہ بیٹھی۔

”شس سے اس کے کیسے تعلقات تھے۔“

”تعلقات.....!“ نیمہ تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔ ”دونوں ایک دھرے کو تاپند کرتے تھے۔“

”تاپند یہ گی کی وجہ۔“

”میں نہیں جانتی۔“ وہ کچھ بھجنے لایا۔

”میں جانتا ہوں کہ گھر بھر سے زیادہ تمہیں رنج پہنچا ہے۔ لیکن میں فرائض کی انجام دو کے لئے مجبور ہوں۔“

نیمہ پھر اسے خوفزدہ نظر دوں سے دیکھنے لگی۔

”کیا اختر کے ساتھ فرار ہونے کی صورت میں تم بدنامی سے بچ جاتیں۔“

”وہ بھی پاگل بن چکا۔“ نیمہ نے اپنا منہ چھپالیا۔

فریدی نے باہر آ کر اس نوکرانی کو طلب کیا، جو نیمہ کے لئے اُس کے کمرے میں دودھ لیا کرتی تھی۔ فریدی نے اس سلسلے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ وہ پیالے کے متعلق کیوں پوچھ رکھا ہے۔

”کل رات کا دودھ اتنا پک گیا تھا کہ اُس میں بوآ گئی تھی۔“ فریدی نے پوچھا اور حمید لارنے گھونٹنے لگا۔

”نہیں تو..... صرف ایک ابال کے بعد میں نے اُسے بڈیا کے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔“ ایسا بھی ہوتا ہے۔

”دودھ کی رنگت کیسی تھی۔“

”بھی ہوتی ہے۔“

”عورت! ٹھیک ٹھیک جواب دو۔“ فریدی چھنجھلا گیا۔ ”کیا تمہیں اس میں کچھ کچھ سیاہی مل ہوئی۔“

اس نے اُسے ہر طرح اطمینان دلانے کی کوشش کی کہ دودھ کی رنگت معمول کے مطابق ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ دودھ کراون ڈری فارم کی سربند بتوکوں میں آتا تھا اور اس نے اُسی تبلیغ توڑ کر دودھ کو پکنے کے لئے دیکھی میں ڈال دیا تھا۔

”کیا تم اُسے چھوڑ کر باہر گئی تھیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... میں شروع ہی سے باور چی خانے میں پہنچی رہی تھی۔“

”تمہیں یقین ہے کہ اس دوران میں کسی اور نے دودھ کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا۔“
لازم کچھ سوچنے لگی۔ فریدی بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

”میں اس کے متعلق یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔“

”کیوں.....؟“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے تھوڑی دیر کے لئے پیالہ برآمدے میں چھوڑ دیا تھا۔“

نے پیالے کو اٹھا کر سونگھا پھر کھدیا۔ اس کی نظریں نیمہ کے چہرے پر جھی ہوئی تھیں۔

”کیا تم نے اس میں انہوں کی خفیہ سی بونیں محسوس کی تھیں۔“

”ہیک سی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن میں نے اُسے کوئی اہمیت نہیں دی۔ کیا کہا؟ انہوں تھیں۔“

”سو فیصدی انہوں۔ تم نے دودھ کی رنگت پر بھی غور نہیں کیا تھا۔“

”ہیک اور رنگت ہی نے مجھے یہ سمجھتے پر مجبور کر دیا تھا کہ اُس میں دھواں لگ گیا ہے۔ اُنم ایسا بھی ہوتا ہے۔“

”غالباً مجرم یہ جانتا تھا کہ تمہاری نیند کھلکھل کی ہے۔“

”نیمہ کچھ نہ یوں۔ وہ حد درجہ تحریر نظر آ رہی تھی۔“

”کل رات کو کمرے میں دودھ کون لایا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”گاگا.....!“

”گاگا..... کون.....!“

”نوکرانی ہے۔ دودھ روائی ہی لاتی ہے۔“

”یہاں دودھ آنے کے بعد سے تم تینیں رہیں یا باہر بھی گئی تھیں۔“

”وہ عموماً دس بجے دودھ لاتی ہے کیونکہ میرے سونے کا وہی وقت ہے۔“

”بابر نہیں گئی تھیں۔“

”نہیں.....!“

فریدی تھوڑی دیر لک کر اپنے سوچتا رہا پھر دودھ کا پیالہ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”مٹھریے.....!“ نیمہ نے کیکپاٹ آواز میں کہا۔

فریدی رک گیا۔

”کیا آپ مجھے بدنامی سے نہیں بچا سکتے۔“

”میں نے سوچا تو یہی ہے، لیکن دراصل اس کا دار و مدار حالات پر ہے۔“

”میں برباد ہو چکی۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو امتد پڑے۔ ”لیکن بدنام ہونے کے بعد

زندہ رہنا میرے بس سے باہر ہو جائے گا۔“

”کیوں.....؟“

”میں دودھ لے کر جاری تھی کہ فوزیہ بیٹا اچانک پلتے چلتے گر پڑیں اور ان کے دنور گھٹنوں میں خاشیں آگئیں۔ انہوں نے مجھ سے تجھر آئیوں مانگا جو بڑی بیگم صاحبہ کے کمر میں رہتی ہے۔ میں پیالہ دین چھوڑ کر تجھر لینے دوڑی چلی گئی۔“

”وہ کہاں گری تھیں؟“ فریدی نے پوچھا۔

ملازمہ نے اسے وہ جگد کھائی اور وہ میز جس پر اس نے دودھ کا پیالہ رکھا تھا۔

”پھر جب تم تجھر لے کر واپس آئیں تو فوزیہ کہاں تھیں۔“

”اپنے کمرے میں۔“

”اور پیالہ!“

”وہیں تھا جہاں وہ رکھ گئی تھی۔“

”تم نے ان کے گھٹنے میں آنے والی خراشوں کو دیکھا تھا۔“

”جی ہاں دونوں گھٹنوں پر کی بہت سی کھال اور ہر گئی تھی اور خون رس رہا تھا۔“

”پھر تم نے وہ پیالہ نیچہ کے کمرے میں پہنچا دیا۔“

”جی ہاں۔“

”ہوں!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم جاسکتی ہو۔“

پھر اس نے اورہ اورہ دیکھا۔ اسے دراصل فوزیہ کی تلاش تھی۔ لیکن وہ دکھائی نہیں دی پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے۔ فریدی اسے بلوانے کی بجائے خود ہی اس کمرے کی طرف چل پڑا۔

فوزیہ کی پشت دروازے کی طرف تھی اور وہ کھڑکی پر دونوں کہیاں لیکے باہر کی طرف رہی تھی۔ فریدی کی آہت پر چونک کرمی۔

”میں آپ کو پھر تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”فرمائیے!“

”بچھلی رات آپ کس طرح گری تھیں۔“

”اوہ وہ کچھ نہیں۔“ فوزیہ جیپنی ہوئی مسکراہٹ کیا تھا بولی۔ ”کس نے کہا آپ سے؟“
”بس یونہی تذکرنا نہیں ہے۔ کیا آپ بتائیتی ہیں کہ وہ کیلے کا چھلکا ہی تھا جس پر آپ کا
سلاخا۔“

”جی نہیں کیا کچھ گاپو چھ کر۔“ فوزیہ نہیں پڑی۔

”یہ بھی ضروری ہے کیلے کا چھلکا۔“

”جی نہیں غرارے کے پائیچے میں اٹک کر گری تھی۔“

”گرنے کے بعد آپ فوراً ہی اپنے کمرے میں چلی آئی ہوں گی۔“

”جی نہیں کچھ دیر اٹھنے میں بھی لگی ہو گئی۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”مطلوب یہ کہاں نے اس ملازمہ کا انتظار برآمدے میں نہ کیا ہو گا جسے تجھر لینے کو بھیجا تھا۔“

”نہیں میں کمرے میں چلی آئی تھی۔“ وہ دفعتا سمجھدہ ہو کر بولی۔ ”کیا بات ہے۔“

”بہت سی خاص بات ہے۔ ہاں تو ملازمہ انداز اکٹھی دیر بعد واپس آئی ہو گی۔“

”دو یا تین منٹ تو ضرور ہی لگے ہوں گے۔“

”اُس وقت برآمدے میں آپ دونوں کے علاوہ کوئی اور بھی تھا۔“

”میرے خیال سے تو نہیں۔“

”یہ شش صاحب کیسے آدمی ہیں۔“

”زیادہ اچھے تو نہیں لیکن اتنے نمرے بھی نہیں کہ کسی کو قتل کر دیں۔“

”میرا یہ مطلب نہیں۔ کیا وہ ہر وقت نشے میں ہوتے ہیں۔“

”میں نے تو عموماً انہیں نشے ہی میں دیکھا ہے۔“

”گھر میں کوئی انہوں بھی استعمال کرتا ہے۔“

”اُبھر نہیں پڑی۔“

”میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔“

”دادی جان۔“

”تھا ہے دادی جان اختر کو بہت چاہتی تھیں۔“

”جی ہاں.....لیکن.....افون....!“

”پچھلی رات نیمہ نے جو دودھ استعمال کیا تھا اس میں افون می ہوئی تھی۔“

”ہو سکتا ہے دادی جان اُسے بھی افونی بنانا چاہتی ہوں۔“ فوزیہ نے شرات آمیر لے
میں کہا۔

”جی نہیں..... غالباً آخر کے قاتل نے اسی میں بہتری سمجھی ہو کہ نیمہ کو بیویوں کو دے کر کوئی عنزا
اُسے گہری نیند نہیں آتی اور اسے یہ تو معلوم ہی رہا، وہ کاش کرنے کے لئے کہا تھا اس کے پردوں سے ملکرا
تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ جب عورتوں سے پردہ اٹھ گیا تو کافنوں کے پردوں کی موجودگی کیا
نا رکھتی ہے۔ کاش کان کا پردہ ٹیلی فون کے موجود کی عقل پر پڑ گیا ہوتا..... مگر یہ سب کچھ
پنے کے بعد بھی ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی..... حمید چھپلا کر اٹھ بیٹھا۔ پھر اُس نے بلند آواز
ہاؤ تین بار ٹیلی فون کے موجود کی ماں بہن کی عزت افزائی کی اور جو ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا
تو غصے کے مارے بھیجا تک کا پنے لگا۔ دو آدمی بیک وقت ”بیلو.....بیلو“ کر رہے تھے۔

”فریدی صاحب ہیں۔“ دو آوازیں سنائی دیں۔

”جہنم میں گئے۔“ حمید حلق چھاڑ کر چینا۔

”کب آئیں گے۔“

”جہنم سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا ہے۔“ حمید بگڑ کر بولا۔

”معاف بکھجے گا.....!“ آوازیں آئیں۔ میں سمجھا شاید سرکاری آدمی ہونے کی وجہ سے۔

”شتاپ.....!“ حمید چینا۔

”بہت بہتر.....!“

سلسلہ مقطوع ہو گیا۔

حمدید نے پنگ پر بیٹھ کر کھوپڑی سہلانی شروع کر دی۔ ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بج رہی تھی۔

بلکہ حمید نے ٹیلی فون کے موجود کی دادی اور نانی تک بات پہنچا دی۔

”بیلو.....!“ اُس نے ریسیور اٹھا کر جھکتے دار آواز میں کہا۔

”معاف بکھجے گا۔“ اس بار پھر دو آوازیں سنائی دیں۔

”نہیں معاف کروں گا۔“ حمید بچھ پڑا۔ میں نے تم دونوں کی گرفتاری کا انتظام کر لیا ہے۔“

”دیکھنے کیا وہ دونوں انہیں کے خبر نہیں تھے۔“ فوزیہ بولی۔

”تھے کیوں نہیں..... لیکن وہ اتنے احمق بھی نہیں معلوم ہوتے کہ اپنے خبر کسی لاش میں
چھوڑ جائیں اور پھر خود ہی اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ وہ خبر انہیں کے ہیں۔“

”پھر مجھے تو کم از کم اس گھر میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو آخر کو ختم کر دینے کی قدر میں
ہو۔“ فوزیہ بولی۔

”دیکھنے ہے یہ حرکت کسی باہری کی ہو۔“

”نہ ممکن.....!“ فوزیہ بولی۔ ”کوئی باہری آدمی اس کی ہمت نہیں کر سکتا اور پھر آپ یہ بگو۔

کہہ رہے ہیں کہ نیمہ کو اسی لئے افون دی گئی تھی کہ قاتل اپنا کام بے کھلے ہو کر کر سکے۔

”نہ آپ یہ تسلیم کرتی ہیں اور نہ ہو۔“

”عقل چکر میں ہے۔“ فوزیہ اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

پھر فریدی نے اُس سے مزید سوالات نہیں کئے۔

پھانسی کی خواہش

”ہمیں.....!“ حیدا چھل کر بولا۔ ”آپ کی طبیعت تو بھی ہے تا۔“
”بکوٹ!“ فریدی کری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“
کتنک لگا ہوا پارچہ کھاچنے کے بعد اگلے ہوئے ٹکڑے کو چنانے لگا۔
فریدی دوسرے پارچے پر نکٹ چپ کراہتا۔

”اے پروردگار.....!“ حیدا انھیں چھاڑ کر بولا۔ ”یہ خواب ہے یا بیداری میں زندہ
ہم یا مردہ.....!“

”کیا بک رہے ہو؟“ فریدی نے کہا۔
”اڑے یہ نکٹ کیوں..... کیا ویسے پارچہ بیرگ ہو جائے گا۔ ابے او کتے تو کتا ہے یا
پٹ ماڑے۔“

کتے نے اس کی مطلق پرواہت کی۔ ممکن ہے اس نے سوچا ہو کہ آدمی بھونکا ہی کرتے ہیں۔
”مت نائیں نائیں کرو۔“ فریدی بڑا کر رہا گیا۔

اس نے پھر ایک پارچہ پھینکا۔ کتے نے اُسے اوپر ہی اوپر روک کر چبانا شروع کر دیا۔
لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی آواز نکلی، جو بتدریج کم ہوتی گئی اور
ساتھ ہی ساتھ اس کے اگلے چیر بھی آگے کی طرف پھیلتے گئے۔ وہ دونوں پیروں کے درمیان سر
رکھ پہلیں چپکتا ہوا خاموشی سے مر رہا تھا۔
فریدی جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔

”ٹھنڈا ہو گیا۔“ اس نے سیدھے کھڑے ہو کر کہا۔

حید کا عجیب عالم تھا۔ کبھی وہ فریدی کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی نکتے کی طرف۔

فریدی کے ہاتھ میں تم نکٹ اور تھے..... اس نے انہیں احتیاط سے جیب میں رکھ لیا۔

”یہ کیا ہوا.....!“ حید نے احتقنوں کی طرح پوچھا۔

”دکھانی نہیں دیتا۔“

”دکھانی دیتا ہے..... لیکن اس کی روائی بذریعہ رجسٹری ہوئی ہے یا ہوائی ڈاک سے۔
اڑاپ مجھے الو کیوں سمجھتے ہیں۔ کیوں جان لی اس غریب کی۔“

”دونوں پھر وہی دونوں۔ خدا تمہیں عارت کرے۔“
”بکواس بند کرو۔“ حید نے چیخ کر کہا۔

”کیا؟“ دونوں نے کہا۔ ”معاف سمجھنے گا سنہیں۔“

”میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔“ حید اتنی زور سے چینا کر آواز پھٹ گئی۔

”پھر نہیں سن! کیا آپ زور سے نہیں بول سکتے۔“
”ہاں تمہاری!“ حید نے رسیور میز پر ٹھیخ دیا۔

وہ ان دونوں ہم شکلوں سے نکل آگی تھا اور کل سے بھی سوچ رہا تھا کہ ان کی جامن
کس طرح بنائے، لیکن کوئی معقول تدبیر ابھی تک نہیں سمجھی تھی۔

فریدی رات سے غائب تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں حید اُسی کے کمرے میں سو گیا تھا۔
لیکن اب سوچ رہا تھا کہ اُس سے بڑی بھاری غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اگر وہ اپنے کمرے میں مونا تو
انتہ سویرے کیوں اٹھنا پڑتا۔ حالانکہ اُس کے سونے کے کمرے اور فریدی کے بیڈ روم میں ایک
ہی دیوار حائل تھی، لیکن اگر وہ اپنے کمرے میں سویا ہوتا تو فریدی کے کمرے میں رکھے ہوئے
فون کی گھنٹی اُسے نہ جھا سکتی۔

اس نے رسیور کو میز ہی پر پڑا رہنے دیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔
سورج طلوع ہو رہا تھا۔ شاید حید نے کئی ماہ بعد سورج طلوع ہونے کا ناگوار منظر دیکھا تھا۔
اس نے اسے زیادہ دیریک اُس سے طبیعت بیزار کرنا مناسب نہ سمجھا۔
بیرونی برآمدے میں آ کر اُس نے دیکھا کہ فریدی ایک دیسی کتے کو کچے گوشت کے
پارچے کھلا رہا ہے۔

”کیوں؟ کیا اب دیسی کتوں سے بھی شوق فرمایا جائے گا۔“ اس نے بوکلا کر کہا۔
فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کتے کو انہاں سے دیکھ رہا تھا جو اپنا سر جھنک جھنک کر
ایک بڑے سے پارچے کو نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔
فریدی نے ایک دوسرے پارچے پر ڈاک کا ایک نکٹ چپکایا اور کتے کے آگے ڈال دیا۔
وہ پہلا پارچہ اگل کر اس کی طرف لپکا۔

”اسی طرح بیچارہ اختر بھی۔“
”کیا.....؟“ حمید پھر اچھل پڑا۔
”ہاں حمید صاحب۔ اس کی موت کا باعث بھی ایک نکٹ ہی ہوا ہے۔“
”یعنی.....!“

”تمہارا سر..... اتنی معمولی معمولی باتوں کی وضاحت مت چاہا کرو۔“
”بخدا میں نہیں سمجھا۔“

”کیا تمہیں وہ لفافہ یاد نہیں، جو متول کے ہاتھ کے نیچے دبا ہوا ملا تھا۔“
”اُسے تو میں بالکل ہی بھول گیا تھا۔“

”لفافہ کا وہ حصہ ہاتھ کے نیچے تھا جس پر نکٹ چکا ہوا تھا۔ غالباً اس نے نکٹ کو زبان پر رکھ کر فرم کیا ہو گا اور پھر اسے چپکاتے ہی چپکاتے ختم ہو گیا۔“

”زہر.....!“ حمید آنکھیں چھاڑ کر بولا۔ ”اتا سریع الاشر۔“

”اس کتے کی موت تو دیکھ ہی چکے ہو۔ دیکھو ہا۔۔۔ اس پار بچے کو کچلتے ہی کچلتے اس کی موت واقع ہو گئی۔ حق کے نیچے اتارنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ نکٹ کے پیچھے لگی ہوئی گوند زہر لی ہے۔“

”کون ساز ہر ہو سکتا ہے۔“

”پوٹاشیم سائینیا نیڈ.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس سے زیادہ سریع الاشر زہر دنیا میں کوئی اور نہیں۔ زبان پر رکھا اور یہڑا اپا۔۔۔ اختر کی لاش کی پوسٹ مارٹم روپورٹ بھی بھی کہتی ہے کہ موت پوٹاشیم سائینیا نیڈ سے واقع ہوئی ہے۔“

”یہ نکٹ تھے کہاں۔“

”اسی میز پر جہاں اُس کی لاش پائی گئی تھی۔“

”اور پوسٹ مارٹم کی روپورٹ ملنے سے پہلے ہی آپ نے ان نکٹوں پر قبضہ کر لیا تھا۔“
”قطی.....!“

”آپ کا ذہن ادھر پہنچا کیسے تھا۔“

”نہایت آسانی سے۔ یہ تو پہلے ہی ثابت ہو چکا تھا کہ موت خیبروں سے نہیں ہوئی تھی۔“
”کوئی زہر ہی رہا ہو گا۔ لیکن اس موت میں بھی لاش کی وہ حالت نہ ہوئی چاہئے تھی جس میں اُنے اپنا، کیونکہ پوٹاشیم سائینیا نیڈ کے علاوہ ہر زہر تھوڑی دیر تک روپا ضرور ہے۔ لفافہ اُنہوں تھے ہی میراڑا ہن پوٹاشیم سائینیا نیڈ کے امکانات پر غور کرنے لگا تھا۔“
”اُن لفافے میں کیا تھا؟“

”ایک خط، جو اس نے اپنے کسی دوست کو لکھا تھا۔ اُسی خط کے ذریعہ مجھے معلوم ہوا کہ وہ رنیہ فراہ ہو کر اُس دوست تک پہنچنے والے تھے۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ یہ انہیں دونوں مردوں کی حرکت ہے۔“ حمید بولا۔

”وہ اتنی دیدہ دلیری کے ساتھ قانون کو بے سی کر سکتے ہیں، قتل کی بھی ہمت رکھتے ہوں گے۔“
”فریز نہ من.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”پوٹاشیم سائینیا نیڈ استعمال کر چکنے کے بعد خیبروں لحاظت کی کیا ضرورت تھی۔“

”ہمیں اُلو بیانے کے لئے۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر ہم مجرم ہوتے تو لاش میں پہنچر چھوڑنے کی حجامت بھی نہ کرتے۔“

”خوب.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”آج کل کافی عقل مند ہو رہے ہو۔“

”اب آپ پوچھیں گے کہ انہیں یہ ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیوں محسوس ہوئی کہ اُن کا قتل اُن قتل سے ہے۔“

”ضرور پوچھوں گا۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”ظاہر ہے کہ انہوں نے اُسے اسی لئے قتل کیا کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ تھیش لا اگر یہ بات ظاہر ہو جاتی تو اُن دونوں پر ضرور شہر کیا جاتا۔ لہذا انہوں نے ملی الاعلان خود ہی اُڑا کر ہمیں شبہ ہی نہیں بلکہ یقین کر لینے کی دعوت دے دی۔ اس طرح ہم اس بھجن میں لکھے ہیں کہ ممکن ہے کسی اور نے انہیں پھنسانے کے لئے ان کے خیبر استعمال کئے ہوں۔“

”مہت اچھے..... تم یقیناً سوچنے کی عادت ڈال رہے ہو۔“ فریدی بولا۔

”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔“

”نہیں..... تمہارے دلائل مان لینے کے قابل ہیں۔“

”چھر.....؟“

”چھر کیا.....؟“

”ان دونوں کو حرast میں لے لیا جائے۔“

”لیکن شس کے لئے کیا کرو گے“ فریدی بولا۔ ”کوئکہ ابھی تک اس نے گھر سے عابر رہنے کی کوئی معمول وجود نہیں بتائی۔ لیکن وہ تمہاری نظرؤں میں مشتبہ نہیں ہے۔“

”اسی حد تک!“ حمید نے کہا۔ ”جہاں تک اس کے اس بے شکے بیان کا تعلق ہے کہ اس نے وہ رات منٹو پارک میں گزاری تھی۔ وہ ہمیں ابھی تک نئے ہی کی حالت میں لا ہے۔ اس لئے اس کے بیان کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی۔ ایسی صورت میں اگر وہ منٹو پارک کے بجائے سعادت حسن منٹو پارک کا بھی حوالہ دے تو آپ کو براہما نانتا چاہئے۔“

فریدی سکرانے لگا۔ پھر اس نے نہیں کر کہا۔ ”تم اب بھی صح اٹھنے کے فوائد کے قائل نہ ہو تو تم پر تین حرف۔“

حمدی ضرورت سے زیادہ سمجھدہ نظر آرہا تھا۔

”اگر آپ تسلیم کئے لیتے ہیں کہ وہ گھر میں نہیں تھا تو آپ کو یہ بھی مانتا پڑے گا کہ نیبہ کے دودھ میں انfon اس نے نہیں ملائی تھی۔ پھر اس سے تو آپ انکا ذکر ہی نہ کیں گے کہ سازش کا تعلق ایک سے زیادہ آدمیوں سے ہے۔“

”تم یہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”پھر آپ انہیں حرast میں کیوں نہیں لیتے۔“

”نہ لینے میں کیا حرج ہے ظاہر ہے کہ وہ کہیں جاتے ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس پورٹ میرے پاس ہیں۔“

”لیکن میرا بھیجا تو کھا سکتے ہیں صح سے فون کر کر کے دماغ خراب کر دیا سا لوں نے۔“

”کیا کہہ رہے تھے۔“

”کچھ نہیں فضول کو اس۔ آپ کو پوچھا تھا۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر

پک کر بولا۔ ”یہ تو بتائیے! کیا آپ کی دانست میں مجرم کو یہ یقین تھا کہ مرنے والا رات کو کوئی نا ضرور لکھے گا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں تھا کہ وہ رات ہی کو اسے لفافے میں بند کر کے لکھ بھی سکتا ہے۔ آخراں نے لکھت ہی کو کیوں زہر آ لود کیا؟“

”میں اسی پر غور کر رہا ہوں۔“ فریدی نے کہا ”اور اب اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس نے اور زبان بھی استعمال کئے ہوں گے۔ نیمکت کے دودھ میں انfon ملانے کا مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مجرم کو اپنی کامیابی کا سو فیصدی یقین تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ یقین محض لکھت کی بناء پر نہیں ہو سکتا۔“

”ہو سکتا ہے اس نے اختر کے استعمال میں آنے والی دوسرا چیزوں کو بھی زہر آ لود کیا ہے۔ مثلاً اور حمید صاحب۔ میں اُس صراحی کو تو بھول ہی گیا جو اُسی میز کے قریب رکھی ہی تھی۔ یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ میں نے لا بھری یہی کو مقفل کر دیا تھا۔“

”اچھا انfon کے متعلق کیا خیال ہے؟“

”اگر انfon اس ملازمہ نے نہیں ملائی تو وہ اس وقت دودھ میں ڈالی گئی جب وہ پیا۔ لے کو بآمدے میں چھوڑ کر پھر آیو ڈین لینے چلی گئی تھی۔“

”ظیم صاحب کی دادی انfon کی عادی ہیں۔“ حمید بولا۔

”تو اس سے کیا؟“

”مطلوب یہ کہ شاید انہیں کی انfon استعمال کی گئی ہو۔“

”کیا وہ خود ہی استعمال نہیں کر سکتیں۔“

”اچھا کیا اُن پر بھی شبہ ہے۔“ حمید بولا۔

”کیوں نہیں جب ٹکوک کے اسباب موجود ہوں تو شبہ نہ کرنا بھی کفر ہے۔“

”یعنی!“

”اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ وہ دونوں قاتل ہیں تو اس معاملے میں دادی ہی اُن کی مددگار لکھنے ہے۔ یہ دادی ہی کی خواہش تھی کہ صغیر کی شادی نیبہ سے ہو۔ فرض کرو کہ طرح اسے یہ علم لیا گوئے کہ نیمکت کے ساتھ فرار ہو رہی ہے لہذا ختر کی احسان فراموشی پر غصہ آن لازمی ہے۔“

فریدی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”مگر یا ری یہ پوتا شم سائیں ماند۔“

آخر جرم نے اسے کس طرح حاصل کیا۔ عام زہروں کی طرح وہ آسانی سے نہیں دستیاب ہوا۔ حید بھی کسی سوچ میں پڑا۔ فریدی نے ایک نوکر کو بلا کر مردہ کتے کے متعلق کچھ ہدایات دیں اور پھر وہ دونوں اندر چلے گئے۔

میر پر شہر کے سارے روزتاءں بکھرے ہوئے تھے۔ ناشتے کے دوران میں وہ دونوں انہیں اللٹ پلتے رہے۔ خان بیبار ظہیر کے یہاں ہونے والے حادثے کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہوتی تھیں، لیکن کسی اخبار نے بھی موت واقع ہونے کی صحیح وجہ نہیں لکھی تھی۔ صرف ان دونوں بخوبیوں کے سلسلے میں انواع و اقسام کی بحثیں تھیں۔ ظہیر کے خاندان میں دو ہم ٹکلوں کی موجودگی اور ان کے یکساں عادات و اطوار کی داستان بھی شائع ہوتی تھی اور قتل کے متعلق ساری بخشش کا مرکزی خیال وہی دونوں تھے۔

”یہ تم نے رسیور میز پر کیوں ڈال دیا ہے؟“ فریدی نے فون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس وقت وہ دونوں بیڈروم ہی میں ناشتہ کر رہے تھے۔ فریدی نے انھوں کو رسیور فون پر رکھ دیا۔“ ”فون کی گھنٹی کا شور مجھے پسند نہیں۔“ حید نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

فریدی نے اسے گھوڑ کر دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔

”بیلو.....!“ فریدی نے رسیور اٹھایا۔

”کون صاحب بول رہے ہیں؟“ دوسرا طرف سے دو آوازیں سنائی دیں۔

”فریدی.....!“

”اوہ..... آخر آپ نے ڈس کلکٹ کیوں کر رکھا ہے۔ ایک گھنٹے سے کوشش کر رہا ہوں۔“

”کہنے..... کیا بات ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”خدارا مجھے حرast میں لے لیجئے۔“ دو آوازیں آئیں۔

”کیوں.....؟“

”گھر والوں نے پریشان کری رکھا تھا اب اخبار والے بھی پچھے پڑ گئے۔ سب نے مجھے دو لکھا ہے کوئی کے سامنے خلقت کا اثر دھام ہے، جو مجھے دیکھنے کیلئے بے قابو ہے۔ یا تو ان سے

”یہ میر ایجپیا چھڑا یے یا پھر میرے خلاف جلد سے جلد جرم ثابت کر کے مجھے چھانی دلوادیجھے۔“

اور وہ تصویر

حادثے کے تیرے دن فریدی نے شش الحیات کو مغلل کر رے سے نکلا۔ اس نے اسے پچھلی رات کو ایک کمرے میں بند کر دیا تھا تاکہ اسے شراب نہ مل سکے۔ اس نے یہ سب اپنی ہی کوئی میں کیا تھا۔ وہ اسے تفریخ کے بہانے ظہیر کے یہاں سے لایا تھا۔ اس وقت بھی وہ شراب پے ہوئے تھا۔

مجھے ہی فریدی نے اسے کمرے سے نکلا اس کے منہ سے مغلفات کا طوفان امنڈ پڑا۔ جب وہ اچھی طرح بک چکا تو فریدی مسکرا کر بولا۔

”میرا احسان مانو کہ میں نے تمہیں ایک بہت بڑی ذلت سے بچالیا۔ کیا تمہیں حق مجھے والات ہی پسند ہے۔“

”حوالات..... شش جیج کر بولا۔“ کیسی حوالات! تم مجھے دھونس میں نہیں لے سکتے۔“

”دھونس کی ایک ہی رہی۔“ حید بھی پڑا۔ ”یار تم بھی اپنے ہم ہی کی طرح عجیب معلوم ہتھ ہو۔ تمہارا ہام شش الحیات نہ جانے کیوں ہے؟ تمہیں تو ہفت تخفیفات (Seven Bitter) ہماچاہے تھا۔“

”میں ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دوں گا۔“

”اس میں بہت عرصہ لگے گا۔“ حید نے کہا۔ ”لیکن یہ ضرور ہے کہ خود تمہارا دارث کفاری ناقابل حضانت بھی ہو سکتا ہے۔“

قبل اس کے کشش الحیات کچھ کہتا فریدی اسے مخاطب کر کے بولا۔

”تو کیا تم رات بھر اس کا انتظار کرتے رہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”ہاں..... اس نے بارہ سے تین بجے کا وقت دیا تھا۔“

”خوب.....!“ فریدی مکر اکر بولا۔ ”منو پارک میں..... بارہ سے تین بجے رات تک کا وقت۔“
”میں کہہ رہا تھا کہ میں اپنی صداقت کا کوئی ٹھوٹ ثبوت نہ پیش کر سکوں گا۔“ میں بڑا بڑا
”کیونکہ وہ خط بھی ناٹپ کیا ہوا تھا اور تصویر..... تصویر بھی آسانی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔“
پھر اس نے فریدی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پھنس گیا..... میں بُری طرح
پھنس گیا فریدی صاحب۔“

”کیا تم بغیر پہ بھی بہکنے لگتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔
”میں بہک نہیں رہا ہوں۔“ میں اپنے خلک ہوتوں پر زبان پھیر کر بولا۔ ”مجھ پر یقیناً
شہپر کیا جاسکتا ہے۔ میرے اور اختر کے تعلقات ابھی نہیں تھے۔ حادثے سے ایک روز قبل میری
اں سے لڑائی بھی ہو گئی تھی۔“

”کس بات پر.....؟“
”بس یونہی! اُس میں ایک خاص عادت تھی۔ جب بھی وہ لڑکیوں میں بیٹھتا اور میں بھی
 موجود ہوتا تو مجھے تجھے مش بنانے کی کوشش کرتا تھا۔“
”کیا اس دن بھی اس نے یہی حرکت کی تھی۔“
”جی ہاں۔“
”کون کون موجود تھا۔“

”نیمہ، فوزیہ اور ان کی تین شہیلیاں۔“ میں نے کہا۔ ”تو وہ میں نہیں بے باکی سے اس بات
کا انتراف کرتا ہوں کہ اگر نیمہ اور فوزیہ درمیان میں نہ آ جاتیں تو میں اس کا گلاضرو گھونٹ دیتا۔“
”تمہیں گھر میں اس کی مقبولیت بھی ناپسند تھی.....؟“ فریدی نے پوچھا۔
”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ میرا اگر نہیں۔“

”تم اکثر ظہیر کے یہاں آتے رہتے ہو۔“

”جی ہاں اور اکثر زیادہ ڈنوں تک بھی قیام کرتا ہوں۔“

”دو شنبہ کی رات کو تم کہاں تھے؟“
”مش اُسے پچھہ دیریکٹ گھوٹا رہا پھر اس نے جھلا کر کہا۔“ کتنی بار بتاؤں کہ منو پارک میں تھا۔
”کیوں.....؟“ فریدی کی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔
”میں نہیں بتا سکتا۔“

”سب تم جھوٹے ہو۔“

”یہیں سکی۔“ میں لاپرواں سے بولا۔ ”میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ میں سچا ہوں۔“

”تب تو مجبوراً.....“ فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

”مش احیات کی جاہی درمیان ہی سے ختم ہو گئی۔ وہ آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر فون کی طرف
دیکھ رہا تھا۔ فریدی نے اپنی انگلی ڈائل پر رکھی ہی تھی کہ اس نے کہا۔
”مہہریے۔“

فریدی ریسیور اٹھائے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

”ایک شرط ہے۔“ میں پھر بولا۔

”کیا.....؟“ فریدی نے کہا۔ اس کی انگلی بھی تک ڈائل ہی پر تھی۔

”آپ وہ بات اپنے ہی سک رکھیں گے۔“

”بات کی نوعیت معلوم کئے بغیر میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔“

”تو جانے دیجئے۔“

”مش ایک بار پھر سمجھ لو۔“ فریدی سمجھی گی سے بولا۔ ”محض ظہیر کی خاطر میں وہ طریقے
اختیار کرنے سے احتساب کر رہا ہوں جس سے اسکے خاندان کی بدناہی ہو۔ اگر تم حالات میں بند
ہوئے تو تمہارا نام معده ولدیت اور سکونت اخبارات میں ضرور شائع ہو گا اور تم تو یہ جانتے ہی ہو کہ
مجھے اپنا فرض ہر حال میں ادا کرنا ہے۔ میں اپنے فرائض پر دوستی یا تعلقات کو ترجیح نہیں دے سکتا۔“
”مش تھوڑی دیریکٹ خاموش رہا پھر پچھاٹا ہوا بولا۔“

”میں ایک لڑکی کا انتظار کر رہا تھا۔“

”ویری فائیں.....!“ حید اسے تعریفی نظر وں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”کوئی خاص دلچسپی۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”مطلب یہ کہ..... خیر مجھے اس سے بحث نہیں۔ ہاں وہ لاکی کون ہے۔ جس نے تمہیں منٹو پارک میں بلایا تھا۔“

”آپ نے پھر وہی سوال کیا.....؟“ ”میں کچھ سوچتا ہوا بولا۔“ کیا آپ یقین کریں گے کہ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

یک بیک حید اور فریدی دنوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔

”یقین کیا جاسکتا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”تو سنے..... میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ البتہ اس دوران میں مجھے اس کے تین خطوط موصول ہوئے ہیں۔ آخری خط کے ساتھ اس کی تصویر بھی تھی اور یہ سارے خطوط انگریزی میں تاپ کے ہوئے تھے۔“

”کیا بذریعہ ذاک موصول ہوئے تھے۔“

”جی ہاں..... اسی شہر سے پوسٹ کئے گئے تھے۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ مجھے عرصے سے جانتی ہے اور محبت کرتی ہے..... وغیرہ وغیرہ۔“

”وغیرہ بھی کرتی ہے۔“ حید نے جلدی سے کہا۔

”ش اپ.....!“ فریدی اس کی طرف تیزی سے مڑا۔

”تصویر کے ساتھ والے خط میں اس نے منٹو پارک میں ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ وہ ملاقات ہونے پر اپنے متعلق سب کچھ بتائے گی۔ حقیقتاً میں اسے کسی کی شرارت ہی سمجھا تھا۔ سو فیصدی شہر اختر پر تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ مجھے کسی طرح یوقوف بنا کر لا کیوں اور ان کی سہیلیوں کی دلچسپی کا سامان بھی پہنچائے۔“

”پھر بھی منٹو پارک دوڑے گئے تھے۔“ حید نے۔

”یہ خیال بھی تو تھا..... مگر تھہریے..... بس ایک گھونٹ کہیں سے مل جاتی۔ صرف ایک گھونٹ۔“ اس نے اپنے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

فریدی نے حید کو اشارہ کیا اور وہ چلا گیا۔ فریدی اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ میں عادی قسم کا والا ہے، ایسے لوگ اعتدال کے ساتھ پینے پر بہکانہیں کرتے۔
تمہوزی دیر بعد حید، سکی کا ایک برا گپ لایا۔

”جیو..... میرے دوست.....!“ میں بچوں کی طرح کھل گیا۔ ”بڑے معاملہ فہم معلوم ہے۔ بندہ امیں نئے دن کا آغاز پڑیا گپ عی سے کرتا ہوں۔“

ایک بیک سانس میں اس نے گلاں خالی کر دیا۔ پھر تمہوزی دیر تک اس طرح منہ چلاتا رہا ہے کہ اندر گوئی ہوئی یو سے لف اندوز ہو رہا ہو۔

”میں عورت کے معاملے میں خاصاً الو ہوں۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ اس کے بے جان پر جوانی کا خون پھر سے جھکلایا مارنے لگا تھا۔ وہ تمہوزی دیر تکھر کر بولا۔ ”بڑی جلدی غلط میں ڈلا ہو جاتا ہوں، حالانکہ مجھے سو فیصدی یقین تھا کہ کوئی مجھے الو بنا رہا ہے لیکن پھر..... پھر بھی میں نے اپنی وہ رات منٹو پارک میں بر باد کی، سوچ رہا تھا ممکن ہے بچ ہی ہو۔“

”لیکن وہ نہیں آئی۔“ فریدی نے کہا۔

”بالکل نہیں۔“

”وہ خطوط کہاں ہیں۔“

”گھر پر.....!“

فریدی نے متین خیز انداز میں حید کی طرف دیکھا۔

”کسی سے ان خطوط کا تذکرہ بھی کیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں..... کسی سے بھی نہیں اور آپ کو کبھی بتانے کا ارادہ نہیں تھا۔ مگر مفت کی رسائی کوں لے۔“ ”میں تمہاری عقل مندی کی داد دیتا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا چلو..... میں ذرا ناظرو پر بھی ایک نظر ڈال لوں۔“

مگر وہ ظہیر کی کوئی پر آئے۔ اس درمیان میں فریدی اور حید نے یہ بات محسوس کی تھی کہ تمہارا دنوں کی آمد پر کچھ اکتا یا اکتا یا سانظر آنے لگتا ہے۔ حید نے اس کے متعلق فریدی کوئی پوچھا تھا لیکن اس نے کوئی تشقی بخش جواب نہیں دیا۔

”آخراً آپ ہی کو مجھ سے اتنی دشمنی کیوں ہے۔“ دونوں نے حمید سے کہا۔

”دشمنی نہیں محبت کہو..... جب تم بیہاں سے جانے لگو گے تو تمہارا ڈپلی کیٹ اپنے لئے گا۔“

”ہائیں..... ڈپلی کیٹ..... پھر وہی۔“ دونوں نے سنجیدگی سے کہا۔ ”معلوم نہیں یہ مذاق بزم ہو گا۔“

”چنانی کے تختے پر.....!“ حمید ان پر زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”پیارے بھائی! کاش آپ بچ کہہ رہے ہوں۔ اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے۔ حد ہم طریفی کی۔ کبھی آپ کو بھی اسی طرح ایک سے دو ہونے کا اتفاق ہوا تو پتہ چل جائے گا۔“

فریدی اس طرح سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جیسے وہ ان کی گفتگوں ہی نہ رہا ہو۔

”میں کیا بتاؤں..... میرے دوستو!“ حمید نے غم ناک لبھ میں کہا۔ ”میرا بس ہی نہیں صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو یقینوں بنانے کے لئے ہی لکھے گئے ہیں۔ فریدی اس خطوط پر غور کر رہا تھا اور حمید ان کے ساتھ والی تصویر میں ڈوبا ہوا تھا۔

”کیوں بس نہیں چلتا۔“ دونوں نے بھولے پن سے کہا۔ ”بس چلایے۔ ورنہ میری زندگی ادا ہو جائے گی۔ میں ہر لڑکی کو دو نظر آتا ہوں۔ نیمہ نے بھی شادی کرنے سے صاف انکار دیا۔“

”نیمہ.....!“ حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فریدی نے اُسے گھوکر دیکھا۔

نالباً اُسے خدا شیدا ہوا کہ کہیں حمید، نیمہ اور اختر کے تلققات پر روشنی ڈالنا نہ شروع کرے، اُس نے ابھی تک یہ بات کسی پر ظاہر نہیں کی تھی۔

فریدی انہیں وہیں چھوڑ کر ظہیر کے پاس چلا آیا۔ اس نے وہ تصویر حمید سے لے لی تھی۔

”تمہارا ناٹپ رائٹر ٹھیک چل رہا ہے۔“ اس نے ظہیر سے پوچھا۔

”ہاں..... کیوں.....!“

”ایک خط ناٹپ کرنا ہے۔“

ظہیر فریدی کو اپنے دفتر والے کمرے میں لے آیا۔ فریدی ناٹپ رائٹر کے سامنے بیٹھ گیا۔

”میری موجودگی ضروری تو نہیں۔“ ظہیر نے پوچھا۔

حمد نے اُن دونوں ہم شکلوں کو بھی دیکھا جو بیٹھے ایک ساتھ سر کھمار ہے تھے اور دونوں نے ایک ہی انداز میں اپنے ہونٹ بھی سکوڑ رکھے تھے۔

برآمدے سے فوز یہ گزر رہی تھی۔ انہیں دیکھ کر اپنے مخصوص انداز میں مکرانی اور حمید سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ اس کی مکرانی اہم میں بڑی سکس اپیل ہے۔

”کہاں رہ گئے تھے شش بھائی۔“ اس نے کہا۔

”میرے ساتھ تھے۔“ فریدی نے مکرانی کہہ لیا۔ ”چھلی رات ہم ایک بجے تک شلنگ کھیلتے رہے۔“

پھر فوزیہ، فریدی اور حمید سے دو ایک رنگی باتیں کرنے کے بعد چل گئی۔ اس دوران میں،“ شش کو پچھے ایسی نظر دوں سے دیکھتی رہی تھی جیسے وہ اُسے پرے سرے کا یقینوں سے بھیتی ہو۔

ٹھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید وہ خطوط دیکھ رہے تھے جن کے لئے وہ بیہاں آئے تھے۔

تینوں خطوط انگریزی میں ناٹپ کئے ہوئے تھے اور ان پر بھیجنے والے کا نام نہیں تھا۔ خطوط سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کو یقینوں بنانے کے لئے ہی لکھے گئے ہیں۔ فریدی اس خطوط پر

غور کر رہا تھا اور حمید ان کے ساتھ والی تصویر میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ کسی حسین لڑکی کی تصویر تھی۔ خدو خال کافی دلکش تھے۔

”دوسری رات.....!“ فریدی شش کی طرف مڑکر بولا۔ ”چھر تم دوسری رات منٹو پارک نہیں گئے۔“

”نہیں.....!“

”کیوں.....؟“

”دوسرے دن کالی عقل آگئی تھی۔ حقیقتیہ اُسی کی شرارت تھی۔“

”کس کی.....؟“

”اختر کی؟ اگر وہ زندہ ہوتا تو ابھی یہ سلسلہ قائم ہی رہتا۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے وہ خطوط جیب میں ڈال لئے۔ تصویر حمید کے پاس تھی۔

”کیا میں اندر آسکا ہوں۔“ کمرے کے دروازے پر دونوں ہم شکل کھڑے تھے۔

”صرف ایک.....!“ حمید بھتنا کر پلنا۔

”قطی نہیں۔“ فریدی نے کہا اور میشن پر کاغذ چڑھانے لگا۔ پھر اس نے ان خطوط سے ایک نکال کر اس کی نقل کرنی شروع کر دی۔

پھر وہ تا مجو ہو گیا کہ اسے نیمہ کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی، جو پچھلے دروازے سے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

فریدی اس وقت چونکا جب وہ اس کی پشت سے میساختہ میز پر کچھ دیکھنے کے لئے بھل۔ وہ ایک طرف سرک گیا۔ نیمہ وہی تصویر دیکھ رہی تھی، جو فریدی کی بے خیال کی وجہ سے میز پر پڑی رہ گئی تھی۔

”یہ تصویر.....!“ وہ سیدھی کھڑی ہو کر آہستہ سے بڑبوائی۔ پھر جواب طلب نظر والے فریدی کی طرف دیکھنے لگی۔

”کیوں.....؟“ فریدی کی ٹوٹنے والی نظر اس کے چہرے پر جنم گئی۔

”یہ بھاں کہاں.....؟“ نیمہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”میں سمجھا نہیں۔“

”کچھ نہیں۔“ نیمہ نے کہا اور تصویر اٹھا کر اپنے بلاڈز کے گریبان میں رکھ لی۔

”تمہیں شاید یہ نہیں معلوم کرنی الحال یہ تصویر سرکاری ملکیت ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“ نیمہ نے کہا۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھانکنے لگا۔

”کیا تم اسے جانتی ہو۔“

”جاننا کیا۔۔۔ یہ میرے ہی ایم کی ایک تصویر ہے۔ نہ جانے کس نے نکال کر بھاں ڈال دی۔“

”اوہ.....!“

”یہ میری ایک مرحوم سہیل کی تصویر ہے۔“

”مرحوم سہیل۔“ فریدی کی آنکھیں چکنے لگیں۔ ”کیا بھی حال ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔ ایک سال کے لگ بھگ۔“

”اسی شہر میں رہتی تھیں۔“

”جی نہیں۔۔۔ لکھنؤ میں تھی۔“

”اچھا تو یہ تصویر مجھے دے دو۔“ فریدی نے کہا۔ ”تم نے اپنا ایم کب سے نہیں دیکھا۔“

”آخراً آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔“

”میونگی۔۔۔ ضرورتا۔۔۔ تم اسے کہاں رکھتی ہو۔“

”بکس میں۔۔۔!“

”وزرا اسے لاو تو۔۔۔!“

”مگر اس وقت۔۔۔ وہ دراصل فی الحال میش بھائی کے پاس ہے۔ نہیں وہ ابھی واپس آئے یا نہیں؟“

”میش کے پاس۔۔۔!“ فریدی چوک کر بولا۔ ”ان کے پاس کب سے ہے۔“

”کل ہی لے گئے تھے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”نیمہ بیٹھ گئی۔ وہ بہت زیادہ تمیز نظر آ رہی تھی۔“

”انہیں ایم کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی۔“

”یہ تو میں نے نہیں پوچھا تھا۔ البتہ خود انہوں نے اپنی اکاہٹ کا تذکرہ کر کے دل بھلانے کے لئے ایم یا کوئی اور بال تصویر قسم کا رسالہ مانگا تھا۔“

”کیا یہ تصویر اس وقت اس میں موجود تھی۔“

”یہ بتانا مشکل ہے۔۔۔ میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔“

”خیر۔۔۔ تصویر مجھے دے دو۔ کسی وقت واپس مل جائے گی۔“

”آخر بات کیا ہے۔۔۔؟“ نیمہ نے اس کی طرف تصویر بڑھاتے ہوئے کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں۔ یہ بھی تقاضی سلطے کی ایک کڑی ہے۔“

نیمہ کے چہرے پر پائے جانے والے بے اطمینانی کے آثار بدستور قائم رہے۔

”میش اپنے کرے کرے میں موجود ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”مگر ٹھہرو۔ تم یہ کس طرح کہہ سکتی

مانتے ہو۔“

زہر کی گمشدگی

پش کے چلے جانے کے بعد بھی فریدی اور حیدر اسی کمرے میں بیٹھ رہے۔ فریدی اسے اس تصویر کے متعلق بتا رہا تھا۔ اتنے میں نعیمہ واپس آگئی۔

”کیوں.....؟“ فریدی اس کی طرف مڑا۔
”نہیں ہے۔“ نعیمہ آہستہ سے بولی۔

”ہوں..... اس کا تذکرہ کسی سے مت کرنا۔ لیکن الجم واپس ملنے پر پش سے یہ ضرور پوچھتا کرو وہ تصویر کہاں گئی۔“

”آپ نے مجھے ایک نئی لمحن میں ڈال دیا۔“

”بہتر یہ ہے کہ تم اپنی پرانی ہی الجھنوں میں جتار ہو۔“ فریدی نے خلک لمحہ میں کہا۔
نعمہ تھوڑی دریکھڑی رہی پھر چپ چاپ کمرے سے چل گئی۔
”آپ کا کھردا الہبہ مجھے پسند نہیں۔“ حیدر نے کہا۔

فریدی اس کی بات پر دھیان دیجے بغیر جیب سے تاپ کیا ہوا کاغذ نکال کر دیکھنے لگا۔
”ان خطوط کے لئے بھی یہی تاپ رائٹر استعمال کیا گیا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔
”تو کیا شس ہی.....!“ حیدر نے کہا۔
”ہو سکتا ہے۔“

”گویا اب بھی آپ کو یقین نہیں ہے۔“ حیدر نے کہا۔
آخراتی ذرا سی بات پر یقین ہی کیوں کر لیا جائے۔“

ہو کر یہ تصویر تھمارے الجم ہی سے نکالی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اسی پوز کی دوسرا کاپی ہو۔“
نعیمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تمہیں تکلیف تو ہو گی۔“ فریدی پھر بولا۔ ”مُش اب درجنت حید کو یہاں بیچ دو..... و نیعمہ جانے کے لئے آئی۔

”اور ہاں.....“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”مُش سے اس تصویر یا الجم کا تذکرہ بت کرنا ہو سکے تو پش کے چلے آنے کے بعد الجم پر بھی ایک نظر ڈال لیتا۔ میں جانتا چاہتا ہوں کہ یہ تصویر تھمارے ہی الجم کی ہے یا نہیں۔“

نعمہ چل گئی۔ فریدی نے تاپ رائٹر سے کاغذ نکال کر جیب میں رکھ لیا اور سکار سکانے لگا۔ فریدی یہ بھی سوچ رہا تھا کہ نعیمہ اس طرف اتفاقاً آنکھی یا کسی مقصد کے تحت۔

حیدر اور پش جلد ہی آگئے۔ فریدی نے دونوں کو بینخنے کا اشارہ کیا۔
”تصویر کا معاملہ صاف ہو گیا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا اور پش کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

”کیا.....!“

”حقیقتاً تمہیں کسی نے بیوقوف بنا لایا تھا۔“

”کیسے معلوم ہوا۔“

”بن معلوم ہو گیا..... تمہیں یہاں سے اس لئے ہٹایا گیا تھا کہ مجرم بہ آسانی اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔“

پش کے چہرے سے اطمینان حملکنے لگا۔

”اب تم پر کوئی پابندی نہیں۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن تفتیش کے دوران میں تمہیں مٹھرا پڑے گا۔“

”اس لئے مجرم نے مقصد برداری کے لئے تمہیں بھی استعمال کیا ہے۔“

”بھی کا کیا مطلب..... کیا کوئی اور بھی تھا.....؟“

”کیا تم نے اور چڑھا لی ہے..... عادت اچھی نہیں کیا چھوڑ نہیں سکتے۔“ فریدی نے گا لگاتے ہوئے کہا۔ ”خر میں نے بھی بتانے کے لئے تمہیں بلا یا تھا۔ اب اگر تم کہیں جانتا چاہو تو

”کیا بات ہے۔“ فریدی انہیں گھوننے لگا۔
 ”کوئی مجھے انfonی بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔“
 ”کیا مطلب.....!“
 ”کسی نے میرے بکس میں انfon رکھ دی ہے۔“
 ”اوہ.....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”کہاں..... چلو دیکھیں۔“
 جس بھی صندوق سے کافی مقدار میں انfon برآمد ہوئی۔ حمید نے جواب طلب نظرؤں سے
 ریڈی کی طرف دیکھا۔
 ”میں اب یہاں نہیں پھر سکتا۔“ دونوں نے کہا۔ ”میرے قیمتی خبر گئے اور اب کوئی میری
 جمی بھلی تدرستی برپا کرنے پر چلا ہوا ہے۔“
 ”اسے ہاتھ تو نہیں لگایا۔“ فریدی انfon کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ”یہ ایک برا ذائقہ رنگ کے
 کانڈ میں لٹپا ہوئی تھی۔“
 ”نہیں..... لیکن یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“
 ”کچھ نہیں۔“ فریدی نے کہا اور اسے احتیاط سے اپنی جیب میں ڈال لیا۔
 ”ایک دوسرا جرم.....!“ حمید نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔
 ”میں نہیں سمجھا.....!“ دونوں بولے۔
 ”انfon کی تاجارت تجارت.....!“
 ”پیارے بھائی! میرا معنگہ مت اڑا۔“ دونوں آبدیدہ ہو کر بولے۔ ”میں بہت مظلوم ہوں۔“
 ”تم صیغہ ہو.....!“ دفعتاً فریدی نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
 ”جی ہاں.....!“ دونوں تحریر ہو کر بولے۔
 ”صرف تم.....!“
 ”صرف کیا مطلب.....؟“ دونوں نے معصومیت سے پوچھا۔
 ”جہنم میں جاؤ۔“ فریدی نے جھلا کر اسے دھکا دے دیا۔
 ”لتنی بے عزتی ہو رہی ہے..... میں یہاں کیوں آیا..... کیوں آیا..... کیوں آیا۔“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی..... کیا اس نے ہمیں اس تصویر اور خطوط کے ذریعہ بتاؤ
 بنانے کی کوشش نہیں کی۔“
 ”ہو سکتا ہے۔“
 ”ہو سکتا ہے..... نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے۔“ حمید جھلا کر بولا۔
 ”ہو سکتا ہے کہ حقیقت ہی ہو۔“
 ”پھر وہی گول قسم کی بات.....!“ حمید بولا۔
 ”پھر کیا چاہتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
 ”میں چاہتا ہوں کہ اب اس قسم کو ختم کیجھ۔“
 ”کیے ختم کروں۔“
 ”آپ معاطلے کو خواہ خواہ طول دے رہے ہیں۔“
 ”تو کچھ بکھری نا۔“
 ”ظاہر ہے کہ شس نے ہمیں دھوکا دیا۔“
 ”ذرا آہستہ بولو۔“ فریدی نے کہا۔ ”ممکن ہے وہ خود ہی دھوکا کھا گیا ہو۔ اکثر فریب
 خورده ہمیں فریب کا معلوم ہوتے ہیں۔“
 ”میرے خیال سے اب آپ کو بچی۔ ہی ترک کر دینا چاہئے۔ پہلے آپ گھما کرنا ک
 پڑلتے تھے اور اب۔“
 ”مش.....!“ فریدی نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ باہر قدموں کی آوازیں سنائی
 دے رہی تھیں۔
 ”ارے خدا تمہیں غارت کرے۔“ حمید آہستہ سے بڑا بڑا۔ ”دونوں ہم شکل دروازے
 میں کھڑے ہاتپ رہے تھے۔“
 ”فریدی صاحب..... پانی سر سے اوپجا ہو چکا ہے۔“ دونوں نے ہانپتے ہوئے کہا۔
 ”تب تو تمہیں المانگا کر تمہارے پیٹ سے پانی نکالنا پڑے گا۔“ حمید میساختہ بولا۔
 ”پیارے بھائی! اس وقت میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔“ دونوں نے سمجھ دی کہا۔

ہمیں زہر کی آمیزش نہیں تھی۔

”اب بتائیے۔“ اُس نے چکلی لی۔ ”آخر کی موت مجرم ہے یا نہیں۔“

”یا پھر ہو سکتا ہے کہ قاتل و مقتول میں پہلے ہی سے کوئی سمجھوتہ رہا ہو۔ اس نے مقتول کے ائمہ ہی نکل پڑ زہر لگایا ہوگا اور پھر اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ہو گا لوپیارے چپکا دوئے لفافے پر..... اُس نے مجرم کا شکریہ ادا کر کے نکل پر لب لگا کر اسے لفافے پر چپکا ترے بنے ہنسی خوشی جان دے دی ہوگی۔“

”واقعی..... اب پورا نظریہ بدلا پڑے گا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”مجھے اُس پانی میں زہر کی آمیزش کی توقع تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر صرف ان نکشوں کے میں بوتے پر مجرم کو اپنی کامیابی کا یقین کیونکر ہو گیا تھا۔ لیا مجرم کو یقین تھا کہ مقتول خط ضرور لھے گا۔ میرے خیال سے یہ تو اس صورت میں ممکن ہے کہ خود مجرم ہی نے اسے نہ صرف خط لکھنے لائز غیب دی ہو بلکہ رات ہی کو اسے پوسٹ کر دینے پر بھی اکسالیا ہو۔“

”سرجنٹ حیدر کبھی کوئی غلط رائے نہیں قائم کرتا۔“ حید نے اپنی پیٹھ خود ہی ٹھوکتے ہوئے کہا۔ ”تو پھر اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ خود نیمہ ہی مجرم ہے۔“

”اب کیمی آپ نے کچھ بات۔“ حید سنجیدگی سے بولا۔

”لیکن.....؟“

”لیکن ویکن کچھ نہیں..... سو فیصدی وہی ہے۔“

”بیٹھے خال..... اگر وہی ہوتی اس نے وہ لفافہ اس کے ہاتھ کے نیچے کبھی نہ چھوڑا ہوتا کیونکہ وہ خود اسی کی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس میں اس کی بدنائی تھی۔“

”چلے پھر مجرم ہاتھ آتے آتے نکل گیا۔“ حید ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ اُس کی پیشانی پر ابھری ہوئی لیکر اس کے نکل کی غمازی کر دی تھیں۔

ٹھاں جدیش نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”میں سمجھ سے کہی بار آپ کو نون کر چکا ہوں۔ لیکن ہر بار لائیں آنچھ تھی۔“

”آج بھی رسیور میز پر ڈال دیا گیا ہوگا۔“ فریدی نے حید کو سمجھوتے ہوئے کہا پھر

پھر جو انہوں نے کیوں آیا کیوں آیا، کی سکدار کے ساتھ سرجنٹنا شروع کیا ہے تو فریدی اور حید سے بھاگتے ہی بی۔

دونوں انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر باہر آگئے۔

”میں پھر کہتا ہوں کہ انہیں حرast میں لے لیجئے۔“ حید نے کہا۔

”فضول باقی ملت کرو۔“

”آپ آن دونوں سے زیادہ عجیب نظر آ رہے ہیں۔“ حید بھنا کر بولا۔

تمہوڑی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک کو تو ای کی طرف بجائی تھی۔

”اب کہاں.....!“ حید نے پوچھا۔

”کوتوالی! لاہوریہ والی صراحی کے پانی کے تجزیہ کی روپورٹ آگئی ہوگی۔“

”آپ بیکار وقت ضائع کر رہے ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”اگر یہ معلوم ہی ہو گیا کہ اس صراحی کا پانی بھی زہر آسودہ تھا تو آپ کیا کر لیں گے۔“

”تم نے پھر بے نکلی ہائکنی شروع کر دی۔“

”میں حق عرض کر رہا ہوں حضور والا..... آپ صحیح مجرم کو زندگی پکوں سکیں گے۔ حالانکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے۔“

”بڑی جلد، افضل کر ڈالتے ہو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”چلو میں اسے شروع ہی سے جلدی کر رہا ہوں کہ مجرم گھر ہی کا کوئی فرد ہے..... پھر.....!“

”پھر یہ کہ آخر مر جوم کا باقاعدہ عرس ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کی موبت بڑی پر کرامت ہوئی ہے۔ دو دن بخیر لگے لیکن جسم سے خون نک نہ کلنا۔ بہر حال میرا اوز آپ کا فرض ہے کہ اس کے مریدوں کی صحیح تعداد معلوم کر کے کسی اہل دل کو اس کا بجاداہ نہیں بنا دیں۔“

”بکومت.....!“ فریدی آہستہ سے بولا اور پھر کسی خیال میں ڈوب گیا۔

کوتوالی پیچھے کر حید کو اپنی ہنسی جنط کرنا دشوار معلوم ہونے لگا کیونکہ صراحی والے پانی کیسا داوی تجزیہ کی روپورٹ اس کی دامتست میں فریدی کے لئے مایوس کن تھی۔ پانی صرف پانی تھا

”اُس ایک بخے کے دران میں آپ نے آج ہی الماری کھوئی تھی۔“

”بھی ہاں۔“

”آپ کے استھن کتے ہیں۔“ فریدی نے پوچھا۔

”چار.....!“

”کیا وہ سب موجود ہیں۔“

”بھی ہاں۔“

فریدی نے باری باری سے ان چاروں استھنوں سے بھی گفتگو کی لیکن جگد لش اور حمید کو بعلوم ہو سکا کہ اس نے اس سے کیا نتاں اخذ کئے۔

بہر حال ان چاروں کے بیان کے مطابق وہ الماری متعدد بار کھوئی گئی تھی لیکن ان میں کسی کو بھی زہر کی گشادگی کا احساس نہیں ہوا۔ پوری الماری بخے سے اوپر تک چھوٹی بڑی بیوں سے بھری پڑی تھی۔ ایسی صورت میں صرف اسی چیز پر توجہ دی جاسکتی ہے جس کی نت ہے۔

فریدی ایک بار پھر لیبارٹری انچارج کی طرف پلتا۔

”اتی شیشیوں کے درمیان آپ نے یہ بات کیسے مارک کر لی کہ پونا شم سائینیا نیڈ کی شیشی بھے۔“

لیبارٹری انچارج شاکر اس سوال کے لئے تیار نہیں تھا۔

”بات یہ ہے۔“ وہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بولا۔ ”میں یہاں رکھے ہوئے زہروں پر خاص طور پر کفر کرتا ہوں۔“

”اس الماری میں کتنے قسم کے زہر ہوں گے۔“ دھڑا فریدی نے سوال کیا۔
”کئی قسم کے۔“ لیبارٹری انچارج نے کہا۔

”آپ کو ان شیشیوں کی تعداد تو معلوم ہی ہو گی جن میں مختلف قسم کے زہر ہیں۔“

”تعداد.....بھی ہاں.....لیکن نہیں ٹھہریے۔“ وہ الماری کی طرف بڑھا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔“ فریدی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھنے سے

جگد لش سے پوچھا۔ ”کیوں۔“

”یونورٹ سے ایک ایسی رپورٹ ملی ہے جس سے آپ کو ڈپچی ہو سکتی ہے۔“
”کیا.....!“

”وہاں کی لیبارٹری سے پونا شم سائینیا نیڈ چایا گیا ہے۔“
”اوہ.....کب.....!“

”وہاں کا مختتم بھی اس کے متعلق وثائق سے نہیں کہہ سکتا۔“ جگد لش نے کہا۔
”لیکن یہ بات آج ہی معلوم ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پچھلے دنوں چایا گیا ہو۔ بہر حال آج اس کی شیشی غائب تھی۔“

”تحقیقات کیلئے کوئی گیا یا نہیں۔“

”ابھی نہیں۔“ جگد لش نے جواب دیا۔

”آؤ تو جلدی کرو۔“

جگد لش نے روزتا پچے میں روائی کی اور وہ سب یونورٹ کی طرف چل پڑے۔
شعبہ سائنس کی عمارت میں پہنچ کر انہیں لیبارٹری تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔

فریدی نے وہ جگد دیکھی جہاں سے زہر کی شیشی غائب ہوئی تھی۔ لیبارٹری کے انچارج نے بتایا کہ نہیں کہا جا سکتا کہ شیشی کب چ رائی گئی۔

”لیکن پچھلی بار کب دیکھی گئی تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میں ہر ناہ اشاك چیک کرتا ہوں۔ چنانچہ آج سے ایک ہفتہ قبل جب میں نے اشاك چیک کیا تھا تو وہ موجود تھی۔“

”اس کے بعد بھی الماری کھوئی گئی ہوگی۔“

”یقیناً.....!“

”لیکن کسی نے اس کے متعلق غور نہیں کیا۔“

”بھی نہیں.....آج دراصل مجھے الماری کھولنے کا اتفاق ہوا اور میں نے محosoں کیا کہ“
غائب ہے۔“

چور کے ہمدرد

سرجنٹ جمیں نے بیٹھے ہی بیٹھے اکتا کہ ایک طویل انگڑائی لی اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ نونج پکھ تھے لیکن فریدی ابھی تک اپنے سونے کے کمرے سے نہیں نکلا تھا۔ دروازہ بھی اندر سے بند تھا۔ تو ہوئی دیر بعد اس کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی اور پھر سننا چھا جاتا۔ جمیں صبح سے کئی بار دروازے پر دستک دے چکا تھا لیکن جواب نہ آ رہا۔

پہچلنے والے دن کی حرمت انگریز گرفتاری کی یاد کچھ عجیب سے احساسات میں لپٹی ہوئی اب بھی جمیں کے ذہن پر مسلط تھی۔ فریدی نے اسے کس آسانی سے اپنے دلائل کے جال میں جکڑایا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر صرف پولیس ہی والے تفتش کے لئے گئے ہوتے تو اتنی جلدی اس نتیجہ پر پہنچا مشکل تھا لیکن یہ بات اب بھی اس کے دل میں کھٹک رہی تھی کہ آخر ظہیر کے گھر میں ہونے والے حادثے سے اس کا کیا تعلق؟ فریدی اسے کس بناء پر اس سے نسلک کر رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ یونیورسٹی سے چلایا ہوا زہر وہاں بھی استعمال کیا گیا ہو اور پھر سب سے یہی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک لیبارٹری انسارج نے اقبال جرم نہیں کیا تھا۔ ویسے ہر ایک کو یقین تھا کہ وہ یا تو خود جرم ہے یا پھر زہر کی گشਤی کے راز سے واقف ہے۔

جمیں نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی اور چین کر بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ زندہ یہ، لیکن میں ضرور مر جاؤں گا۔“

”کیوں.....؟ کیا ہے؟“ فریدی نے ایک جھلکے کے ساتھ دروازہ کھول کر کہا۔ اُس کی انگلیں سرخ تھیں اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ کمرے سے سگار کی بوکاریلا آیا۔

”ناشترے کا وقت تو نکل گیا.....؟“ جمیں نے مایوسی سے کہا۔

”تو مجھے کھا جاؤ.....کھاؤ.....!“ فریدی نے جمیں کا گریبان پکڑ کر زور سے جھکا دیتے کئے کہا۔ ”کس گدھے نے تم سے کہا تھا کہ اکیلے ناشترے نہ کرنا۔“

”تو اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے۔ ناشترے کی ایسی کی تیسی میں ویسی.....میں دوپہر کا

وہ اُسے چند لمحے گھوڑتا رہا پھر بولا۔ ”آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں پھر بھی آپ ان کی شیشیوں کی صحیح تعداد نہیں بت سکتے۔ لیکن پوتا شم سامنہ بینڈ کی شیشی کی گشਤی کا احساس آپ کو ہو جاتا ہے.....کیا یہ عجیب بات نہیں۔“

”بھلا میں شیشیوں کی صحیح تعداد کس طرح بتا سکتا ہوں۔ ممکن ہے اسنٹوں نے ان الماری کی بعض شیشیاں دوسری الماری میں رکھ دی ہوں۔“

”آپ کی یہ دلیل بھی کچھ بے تکلی ہی سی معلوم ہوتی ہے۔ کیا آج آپ نے یہ بات ظاہر ہونے پر کہ اک شیشی غائب ہے بقیہ شیشیاں نہیں چیک کیں۔“ ”بھی نہیں۔“

”لہذا آپ کا یہ بیان سرے سے غلط معلوم ہوتا ہے کہ آپ زہروں پر خاص طور سے نظر رکھتے ہیں۔“

”نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ انچارج کچھ چھکھلا گیا۔

”ماں ڈیزرس.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”اس بات کا جواب آپ ہی دیں گے کہ وہ شیشی کہاں گئی۔ آپ کے چاروں اسٹنٹ اس بات پر تفتیش ہیں کہ آپ کے حکم کے مطابق جو چیز جہاں سے اٹھائی جاتی ہے وہیں رکھی جاتی ہے۔ وہ بیچارے سہوا بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ اس الماری کی کوئی شیشی کسی دوسری الماری میں رکھ دیں۔ پھر دوسری بات یہ کہا گر آپ کے خیال۔ مطابق اس الماری کی شیشیاں دوسری الماری میں بھی پہنچ سکتی ہیں تو پھر آپ صبح سے صرف اس ایک الماری پر کیوں زور دیتے رہے۔ آپ نے دوسری الماریاں بھی کیوں نہیں کھلوائیں۔“ ”کھلوائیں تھیں۔“

”یکو اس۔ اگر آپ نے کھلوائی ہوتیں..... تو ہمیں ان کی زیارت سے محروم نہ رکھتے کیا آپ کے اسٹنٹ جھوٹے ہیں۔“

”آپ کی گفتگو تو ہیں آمیز ہے۔“ انچارج نے احتاجا کہا۔

”شش اپ۔“ فریدی نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ”آپ خود کو حرast میں تصور کریں۔“

زیری کچھ سوچتا ہوا بولا۔ پھر مسکرا کر کہنے لگا۔ ”آخڑ ظہیر اس کی حمانت لینے کے لئے اپناء ہے۔“

”لیا.....؟“ حمید اچھل پڑا۔

”جاتا..... ظہیر کل سے کئی بار مجھے اس کے متعلق فون کر چکا ہے۔“
”تو کیا ظہیر.....؟“ وہ حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”بُشش..... بنائج اخذ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ بُس سنتے جاؤ۔ ظہیر نے مجھے لروہ صدر کو بہت عرصہ سے جانتا ہے اور اس کی نیک چلتی کی حمانت بھی لے سکتا ہے۔ ایک نہیں اس کے بیہاں اس کی آمد و رفت بھی تھی اور وہ دراصل فوزیہ کا ٹیوشن کئے ہوئے تھا۔“
”لیکن یہ ساری باتیں آپ کو اس وقت تو نہیں معلوم تھیں جب آپ نے اُسے گرفتار کیا تھا۔“
”ٹھیک ہے..... میں کب کہتا ہوں کہ معلوم تھیں۔ میں نے تو اسے اس جرم میں پکرا تھا
لے نے زہر کی گشادگی کی روپورث دے کر پولیس کو دھوکہ دینے کی کوشش کی تھی۔“

”تو اختر کو اسی نے زہر دیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں..... ظہیر کے بیان کے مطابق وہ پچھلے کمی ماہ ہے وہاں نہیں تھا۔ تم بھی عجیب امن کیا وہ سارے حالات تمہارے ذہن سے سکر جو ہو گئے جن کی بناء پر یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ اگر ہی کا کوئی فرد ہے۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اُس گھر کے کسی فرد نے صدر سے زہر حاصل کیا۔“

”بڑی دیر میں سمجھے حضور۔“

”ناشر آگیا تھا اس لئے پھر حمید کو کچھ پوچھنے کا ہوش نہ رہ گیا۔“

”اس نے دو تین لمبے لمبے ہاتھ مارے اور چائے اغذیلئے لگا۔“

”ایک اور دوچھپ طالع۔“ فریدی اس کی بدحواسی پر دھیان دیئے یقین بولا۔ ”صدر اس الماس کے ذریعہ متعارف ہوا تھا۔ دونوں کسی زمانے میں ہم جماعت رہ چکے ہیں۔“

”وہ ما.....!“ حمید نے مغل پھاڑ کر چلانے کی کوشش کی لیکن منہ کا نوالہ غیر ارادی طور پر لٹک پھنس گیا اور ”وہ مارا“ کا نفرہ مکمل نہ ہو سکا۔

”کھانا بھی نہ کھاؤں گا۔“

”کھانا.....!“ فریدی نے اوپری ہونٹ سچنی کر کھا۔

حمدید کمرے میں گھس گیا۔ پنگ کے قریب والی میر پستعد چیزیں بکھری ہوئی تھیں، جن میں انہوں بھی تھیں، جو ان دونوں ہم شکلوں کے پاس سے برآمد ہوئی تھیں۔ ٹھیک کے خطوط بھی تھے اور خطوط کے ساتھ والی تصویر بھی۔ حمید فریدی کی طرف پلاٹا۔

”یہ بات تھی۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ ”عورت انہوں اور عشقیہ خطوط۔ معلوم ہوتا ہے تھوڑی سی چکھی بھی گئی ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔“

”بکونہیں..... ناشتے کے لئے کہہ دو۔“

”وہ تو خود بخود آجائے گا..... لیکن مجھے بک لینے دیجئے۔“

”بکو.....!“

”پہلی بات تو یہ کہ اس بار آپ بُری طرح نکست کھائیں گے۔ دوسرا بات یہ کہ آپ کی نکست مجھے کھائے گی۔ تیسرا بات یہ ہے کہ اب آپ ہوائی قلعے بنانے لگے ہیں۔“

”تیسرا بات کی وضاحت چاہتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”نیو یارک میں کسی نے ایک دو اخانے سے زہر چایا اور یہاں ایک آدمی کی موت واقع ہو گئی۔ ممکن ہے اسی دن لندن، جیس اور انقرہ میں بھی زہر چایا گیا ہو۔ آخر آپ نیو یارک ہی کے کام کیوں اپنھنے لگے۔“

”بہتر ہے کہ پہلے ناشتے کرلو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”ورنة ممکن ہے کہ پھر تمہیں ہاشمی کی بھی مہلت نہ ملے۔“

”معقول مشورہ ہے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور باہر چلا گیا۔

باور پی خانے میں ناشتے کے لئے کہہ کر وہ پھر وابس آگیا۔

”تم دراصل.....!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”بھی ہاں..... میں دراصل کیا.....؟“

”ایک بڑی انجصار ج صدر اور اختر کی موت کا تعلق نہیں سمجھ سکے۔“

”تم بالکل جنگلی ہی ہو کیا۔“ فریدی بھنا کر بولا۔

حید اپنائیں پیٹ رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔

پھر اس نے چاہا کہ پھنسا ہوا القہر چائے کے گھونٹ سے اتارا جائے تیکن فریدی نے اس پر ہاتھ پکڑ لیا۔

”انغ..... انغ..... بچ..... بچ.....!“ پھر بھی شروع ہو گئی۔

”خیں..... تم آج اسی طرح مر جاؤ۔“ فریدی نے کہا اور اس کی چائے کی پیالی چھین لی۔

”مرا..... بچ.....!“ حید سینہ پیٹتا ہوا بولا۔

”ضرور مرو.....!“ فریدی نے اس کی پیٹھ پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ جھکٹے سے نوال ملنے کے نیچے اتر گیا۔

یہ داردات کھانے کی میز پر ہوئی تھی اب لئے حید کو ذرا بھی غصہ نہ آیا۔ اس کے ماتھ پر شکن سک نہ تھی۔

”میں شروع ہی سے کہہ رہا تھا۔“ حید حلے کی پلیٹ پر ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔ ”میرا بھائی شبدی شبہ شس ہی پر تھا۔“

”تب تم بالکل چقدھو۔“ فریدی نے چائے کی پیالی اس کی طرف سر کادی۔

”افسوں کا آپ کو آج ہی اس کی اطلاع ملی۔“ حید منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”ہاں تو میں یہ کہ رہا تھا کہ اگر میرے کہنے پر عمل کرتے تو اتنے دنوں تک پریشان نہ ہونا پڑتا۔“

”یعنی.....!“

”شش کو پہلے ہی گرفتار کر لیتا تھا۔“

”شش مجرم نہیں ہو سکتا۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیوں.....!“

” غالباً اس وقت تھا را دماغ بھی معدے میں چلا گیا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”اگر شش عا م مجرم ہے تو اسے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ وہ گھر میں تھا ہی نہیں۔ فرض کرو اور وہ مجرم ہے بھی تو معمولی ذہانت کا آدمی نہیں۔ عکشوں کو زہر آؤ در کے کسی کی جان لئے والا“

نہیں ہو سکتا کہ اپنی برہت کیلئے اس قسم کے بھوٹے اور مغلک بثوت پیش کرنے اور پھر ہے بڑی بات تو یہ ہے کہ جب وہ گھر میں موجود ہی نہیں تھا تو دودھ میں انہوں کس نے ملائی۔“

”نہیں تو میں بھی کہتا ہوں کہ وہ اس وقت گھر میں داخل ہوا جب سب سو گئے تھے۔“ حید

”پھر بھی انہوں کا مسئلہ رہا جاتا ہے۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ اس میں بچ انہوں تھی۔“

”محبوب احتق آدمی ہو۔ ارے اس پیالے کی پیندی میں لگئے ہوئے دودھ کا باقاعدہ طور پر یہ تجویز ہوا تھا۔“

”پھر آپ کی دانست میں مجرم کون ہے۔“

”سارے واقعات تمہارے سامنے ہیں۔ تم خود ہی اس کا فیصلہ کرو۔“

”میں غیب داں نہیں ہوں۔“

”تو کیا تم مجھے غیب داں سمجھتے ہو۔“

ٹاشٹھ کرنے کے بعد فریدی بس تبدیل کرنے لگا۔

”تیار ہو جاؤ۔“ اس نے حید سے کہا۔

”ہر وقت تیار رہتا ہوں۔“

”جلدی کرو..... زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”کہاں چلتا ہے۔“

”جنم میں۔“

”لی امان اللہ..... بندہ وہاں کی موجودہ اقتصادی حالت معلوم کئے بغیر ہرگز نہ جائے گا۔“

”گھوٹسہ تیار ہے۔“ فریدی اُسے گھوٹتا ہوا بولا۔

”تو کیا گھونسے ہی پر تشریف لے جائیے گا۔“

”چلو.....!“ فریدی نے اس کی گردن پکڑ کر اسے اس کے کمرے میں دھکیل دیا۔

”محمودی دیر بعد فریدی کی کیڈی لاک ٹھیکر کی کوئی کی طرف جاری تھی۔“

”بیچارا صادر دھو کے میں مارا گیا۔“ فریدی آہستہ سے بڑھ دیا۔
”کیوں.....؟“

”اگر اندر کی موت کی صحیح وجہ اخبارات میں شائع ہوئی ہوتی تو وہ قیامت تک پولیس کو زہر کی گشتنگی کی اطلاع نہ دیتا۔ وہ غریب بھی سمجھتا رہا کہ پولیس اس معاملے میں دھوکہ کھائیں اور اب بھی بھی سمجھتا ہے اسی لئے اس نے ابھی تک اقبال جرم بھی نہیں کیا۔“

”کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے ظہیر کو بھی نہیں بتایا کہ اس کی موت زہر سے واقع ہوئی تھی۔“
”اسے پولیس ہی کے چدآدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اصل مجرم اب بھی مطمئن ہو گا۔“
”قطیعی..... لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے یہ خوف بھی ہو گا کہ کہیں صدر کچھ اگل تھے۔“

”صدر نے اس کی گشتنگی کی روپورٹ ہی کیوں کی۔“
”اگر روپورٹ نہ کرتا تب بھی ایک نہ ایک دن اس سلسلے میں اسے جواب دہ ہونا چاہتا۔“

”پشاہیم سائینیا نیڈ آسانی سے دستیاب نہیں ہوتا۔ آخر وہ اٹاک کہاں سے پورا کرتا۔“
”لیبراٹری کے تجربات میں اس کی کھپت دکھار دیتا۔“

”اتفاق سے وہ کسی قسم کے تجربے میں کام نہیں آتا۔ وہ صرف اس لئے رکھا جاتا ہے کہیں شری کے طبلاء اس کی نوعیت سے واقف ہو سکیں۔ بہر حال اس نے روپورٹ کرنے میں اس لئے جلدی کی کہ اس کے دل پر بوجھ تھا۔ وہ جلد از جلد اس الجھن سے گلوخلاصی حاصل کرنا چاہا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ پولیس کی نظر تھے تک نہیں پہنچ سکی اور لاش دفن بھی ہو گئی تو اس روپورٹ کر دی۔“

”حمدیک سی سوچ میں پڑ گیا۔“
”آن کی ملاقات سب سے پہلے ظہیر ہی سے ہوئی۔“

”میں خود ہی تمہارے یہاں آنے کے متعلق سوچ رہا تھا۔“ ظہیر نے کہا۔
”کوئی خاص بات.....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ابھی تک اس نے اقبال جرم نہیں کیا..... جب تک پولیس اس میں کامیاب نہ ہو جا۔“

لی، مہانت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“

”تم لوگوں کے معاملات سمجھ ہی میں نہیں آتے، جب اُس غریب نے چرایا ہی نہیں تو

قابل جرم کہاں سے کرے گا۔“

”پولیس کو یقین ہے کہ چور وہی ہے۔“

”آخ رکس بناء پر۔“

”بناء وہاں وہی لوگ جانیں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کرو، بہت نیک آدمی ہے۔“

”ہر نیک آدمی اسے نیک ہی سمجھے گا۔“ حمید بولا۔

”غم کے سب لوگ موجود ہیں۔“ فریدی نے ظہیر سے پوچھا۔

”ہاں..... کیوں.....؟“

”میں ان سب کی موجودگی ایک جگہ چاہتا ہوں۔“

وہ سب ڈرانگ روم میں اکٹھا ہو رہے تھے۔ نیسہ پر ابھی تک وہی سو گوارا نہ اثرات طاری

تھے۔ میں اپنی نیلی آنکھوں سے فریدی اور حمید کو گھوڑا رہا تھا۔ دونوں ہم ٹکل آج کچھ بیزاریز اس سے نظر آ رہے تھے۔ ظہیر کی آنکھوں میں ایک طرح کا احتجاج تھا جسے وہ اپنی طبی خوش اخلاقی میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ حرف فوزیہ اسی تھی جس کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہ دکھائی دی۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک فائل دبارکا تھا شاید وہ یونورسٹی جانے کے لئے تیار تھی۔

”اب آپ لوگ یونورسٹی پر بھی حملہ کرنے لگے ہیں۔“ اس نے مسکرا کر فریدی سے کہا۔

”یونورسٹی خود ہی اس نیک کام کی دعوت دیتی ہے۔ میں کیا کروں۔“

”کیا آپ کی دانست میں کوئی چور بھی پولیس کی مدد لے سکتا ہے۔“

”یہ چور کی ذہنی حالت پر منی ہے۔ لیکن افسوس کہ صدر بہت زیادہ ذہن ہے۔ اسے یہ

کوچتا چاہئے تھا کہ کم از کم پوست مارٹم کرنے والے اتنے احمق نہیں ہوا کرتے۔“

”کیا مطلب.....؟“ ”فوزیہ اسے گھومنے لگی۔

”آپ لوگوں میں سے ایک فرد کی سمجھ میں میرا مطلب بہ آسانی آ گیا ہو گا۔“ فریدی

”ہائے پھر وہی دنوں۔“ ہم شکلوں نے اپنی پیشانوں پر ہاتھ مارے۔
”شش اپ.....!“ حید نے انہیں گھونسہ کھایا۔

مجرم

ڈرائیک روم میں مکھیوں کی سی بھجننا ہٹ گو بخجے گی۔ فریدی خاموشی سے اُن کے چہروں کا
ہاتھ لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔

” مجرم نے براشا ندار پلان بنایا تھا۔ بیچاری نیمہ کو دو دھ میں افون دی گئی۔ شش صاحب
کو دھ کر دے کر باہر کھا گیا۔“
”میں نہیں سمجھا.....!“ ظہیر نے کہا۔

”شاید شش صاحب مجھے دھاخت کی اجازت نہ دیں۔“ فریدی نے مسکرا کر شش کی طرف
دیکھا۔ جو اپنے نیک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔ فریدی نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں
اور آہستہ سے بولا۔

”لیکن مجرم نے یہ طریقہ اس لئے نہیں اختیار کیا تھا کہ وہ اختر کو آسانی سے ختم کر سکے۔
ظاہر ہے کہ پوشاش سائینیا نیڈ اتنا زود اثر ہوتا ہے کہ اس کے شکار کو ایک بار کرائے تک کہ مہلت
نہیں ملتی۔“

”پھر.....!“ نیمہ کی پرسکون آواز سنائی دی۔

” مجرم نے یہ طریقہ اس لئے استعمال کیا کہ وہ اُن دنوں تھجوں کی موت کی وجہ ظاہر
کر سکے۔ تھجھ لگنے پر آدمی جیتا اور ترپا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُس چیز پکار کی وجہ سے کم از کم
لاابری کے قریب کے کروں میں سونے والے تو بیدار ہوئی سکتے ہیں لہذا مجرم نے تمہیں افون
دی تاکہ تم صح پولیس کو یہ بتا سکو کہ تم گھری نیند سوئی تھیں، جو کم از کم تمہارے لئے ناممکن تھا۔ گھر
بھر جانتا ہے کہ تمہاری نیند ذرا سی آواز پر بھی ختم ہو سکتی ہی۔ اس طرح وہ پولیس کو اس بات کا
لیکن دلانا چاہتا تھا کہ اس نے وہ حالات پیدا کر دیئے تھے کہ قریب کے کروں والے بھی قتل
سے بے خبر رہے۔“

پورے مجھ پر نظر ڈالتا ہوا بولا۔

”کیا.....؟“ ظہیر کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

”ہاں.....!“ فریدی اس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ ”میں ایک حرمت انجمن بات
باتانے آیا ہوں۔“

”بھی بتاؤ تا..... مجھے الجھن ہو رہی ہے۔“ ظہیر بے چینی سے بولا۔

”اختر کی موت تھجوں کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی۔“

”پھر.....!“ متعدد آوازیں کمرے میں گونج کر رہے گئیں۔ دنوں ہم شکلوں نے قہقہہ لگایا۔
”انپکٹ فریدی زندہ باد۔“ دنوں چیختے لگے۔ ”میں زندہ باد..... تم زندہ باد..... سب زندہ بار۔“
”شور نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم دنوں بھی ادھیرے جاؤ گے میں اپنی طرح
جاناتا ہوں کہ تم میں سے صغیر کون ہے۔“

”ہاں میں پھر وہی دنوں۔“ دنوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ ”زندہ باد..... واپس..... بالکل واپس۔“

”بیٹھ جاؤ..... زیادہ بچپنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی حد درجہ سجدہ نظر آنے لگا تھا۔

”ہاں تو ظہیر صاحب۔“ اُس نے ظہیر کی طرف مڑ کر کہا۔ ”تم صدر کے لئے انتہے بے
چین کیوں ہو۔“

”تمہارا ہبھر ڈا عجیب ہے۔“

”اس کی بھی وجہ ہے۔“

”لیعنی.....!“

”میرے خیال سے یونیورسٹی سے چلایا ہوا پوشاش سائینیا نیڈ اسی گھر میں استعمال کیا گیا ہے۔“

”سائینیا نیڈ.....!“ فوزیہ فریدی کو گھوڑنے لگی۔ ہر ایک کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔

”حرمت کی بات نہیں۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”تم تو سائنس کی طالیہ ہو..... پوشاش سائینیا بنا
کی زد اثری سے واقف ہی ہوگی۔ بیچارا اختر اسی کا شکار ہو۔“

”لیکن تھجھ.....!“

” تھجھ..... تھجھ ان دنوں کو پھنسانے کے لئے اس کی موت کے بعد استعمال کئے گئے۔“

”خون نیمہ نے ابھی ابھی اس کا اعتراف کیا ہے۔“
 ”کیا کہا ہے..... اُس نے کچھ نہیں کہا۔“ ظہیر بدحواسی سے بولا۔ پھر اُس نے بدقت تمام دادی جان کے ہاتھوں سے فریدی کا کارچھڑایا۔
 ”ٹھیک ہے..... اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن کیا آپ لوگوں میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ ان کو زہر کس طرح دیا گیا۔“
 سب لوگ نیمہ کو اسی حال میں چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھ رہے تھے۔
 ”بتابیے نا.....!“ فریدی نے پھر پوچھا۔
 کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔
 ”آپ نہیں بتائیں گے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”لیکن نیمہ میرا اشارہ سمجھ گئی تھی۔
 اُس نے سمجھ لیا تھا کہ مجھ پر پوری پوری حقیقت واضح ہو گئی ہے۔
 ”یعنی.....!“

”زہر لفافے پر چپکائے جانے والے نکٹ کی پشت پر لگایا گیا تھا۔“
 ظہیر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”لیکن کیوں..... نیمہ نے اُسے کیوں مارا.....؟“
 ”یہ نیمہ ہی بتائے گی، لیکن اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ وہ صیغر کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی۔“
 ظہیر کی دادی پھر اہل پریس۔
 نیمہ ابھی نکٹ بیہوش تھی۔
 فریدی نے مختصر اساری داستان دہرا دی اور اُس نے اس لفافے کا تذکرہ بھی کیا جس کے ذریعہ اُسے اختر اور نیمہ کے تعلقات کا علم ہوا تھا۔

”اگر یہ بات تھی تو اس نے اسی کو کیوں بارڈالا۔“
 ”یہ تو وہی بتائے گی۔“

”غلط ہے..... قطعی غلط۔“

فریدی ان ہم شکلوں کی طرف مڑا۔
 ”صیغر..... تم متاؤ..... وہ انگوں۔“

”لیکن افسوس!“ فریدی تھوڑی دیر رک کر مغموم آواز میں بولا۔
 ” مجرم کو اس بات سے واقعیت نہیں تھی کہ لاش میں ختم چھانے سے خون نہیں لکھا۔“
 ”اوہ..... خون تو واقعی نہیں تھا۔“ کمی آواز میں آئی۔
 ”اب میں اس قتل کی وجہ جانتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نیمہ کی طرف مڑا۔
 ”میں کیا بتائیں سکتی ہوں۔“ وہ آہستہ سے بولی۔
 ”وہ تم نے ہی اس سے لکھوایا تھا۔“
 ”مجی ہاں لیکن آپ نے وعدہ کیا تھا۔“
 ”میں ابھی تک اس وعدے پر قائم ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”تم اُس رات کو ظہیر کے چلے آئے کے بعد لاہوری میں گئی تھیں۔“

”مجی ہاں۔“
 ”وہ خط لکھ چکا تھا۔“
 ”مجی ہاں۔“

”اور تم نے اُسے اس وقت پوسٹ کر دینے پر مجبور کیا تھا۔“
 نیمہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کا چہرہ دفعتا زدہ ہو گیا تھا اور آنکھیں اس طرح غیر متحرک ہو گئی تھیں جیسے پتھر اگئی ہوں۔
 ”کیا وہ نکٹ چپکاتے ہی چپکاتے ختم نہیں ہو گیا تھا۔“ فریدی کی گردبار آواز نئے میں گوشی اور نیمہ کری سے لڑھ کر زمین پر آرہی، بیتے لوگ اٹھ کر اس کی طرف دوڑے وہ بیہوش تھی۔
 ”کیا ہے یار..... آخر کیا معاملہ ہے۔“ ظہیر چھملا کر بولا۔
 ”معاملہ بالکل صاف ہے۔“ فریدی نے نرم لجھ میں کہا اور پھر ظہیر کے کانوں پر پاٹھ رکھ کر بولا۔ ”میرے دوست مجھے افسوس ہے کہ یہاں کوارڈنیشن مجھے ہی انعام دینا پڑا۔“
 ”تو کیا نیمہ!“ ظہیر بے ساختہ چیڑا۔

”مجھے افسوس ہے۔“
 ”تم جھوٹے ہو۔“ ظہیر کی دادی نے فریدی کے کوٹ کا کارپکڑ کر جھوڑ ڈالا۔

”ٹھیک ہے۔“ صغیر مکرا کر بولا۔ ”وہ اردو میں صرف دو جملے بول سکتا ہے، جو میں نے ہے بڑی دشواری سے رٹائے ہیں۔“ آدھا صغیر..... شاہد..... صغیر شاہد ایک بیادو۔ جب آپ بھری بار اس کے پاس جانے لگے تھے تو میں نے چیخ ماری تھی، جس کا مطلب یہ تھا کہ اب بیوش ہو جانے کا وقت آگیا ہے۔ لہذا ہم دونوں بیوش ہو گئے۔ بیوش ہو جانے کا ذھنگی ہی اسی لئے رجایا تھا کہ وہ مجھ سے الگ ہو کر اردو نہ بول سکے گا۔“

”لیکن تم نے یہ سب کیا ہی کیوں تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔
”مخف فناق..... شرارت۔ میر الادھ تھا کہ دو ایک دن گھروالوں کو محک کرنے کے بعد حقیقت ظاہر کر دوں گا..... لیکن.....!“
”لیکن کیا.....؟“

”اسی دوران میں اختر قتل کر دیا گیا اور میرے خبر استعمال کئے گئے۔ اس لئے میں نے کہا پلوپنی دیکھو اب قانون تمہارے لئے کیا کر سکتا ہے۔“
”کیا تم خائف نہیں تھے۔“

”تھوڑا بہت خوف ضرور تھا۔ لیکن میں نے کہا چلنے دو۔..... پھر نیمہ سے متعلق بتیری باقی میں معلوم ہو گئیں۔ وہ اول درجے کی آوارہ لڑکی ہے۔ میں نے اسے اختر کے ساتھ۔.....!“
”مجھے معلوم ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تمہیں یہ ہم کھل کہاں سے ملا تھا۔“

”میڈی غاسکر سے۔..... یہ ایک اطاولی ہے۔ اب سے تین سال قبل میں نے اسے بکاریوں کے ایک گروہ میں دیکھا تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر کھنی ڈاڑھی تھی۔..... لیکن میرا ہم کھل۔.... مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ یہ عموماً ڈاڑھی رکھتا ہے۔..... ورنہ میرے جانے والوں کو بڑی دشواری ہو جائے۔ اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ آوازوں کا بہترین نقال ہے۔“
”بہترین نہیں بلکہ حرمت انگریز کہنا چاہئے۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تواب تم نے یہ ذرا مہے بالکل ختم کر دیا۔“

”قطعی۔“

”اس تفریخ میں تمہارے لئے روپے صرف ہوئے ہوں گے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”میرے صندوق میں کسی نے رکھ دی تھی۔“
”ستام نے..... ان دونوں کو مشتبہ بنانے کے لئے یہ نیمہ کا دوسرا حرب تھا۔“
”پھر وہی دونوں۔“
”بکومت.....!“ فریدی انہیں گھور کر بولا۔ پھر ظہیر سے کہنے لگا۔ ”اس افون پر نیمر کی انگلیوں کے نشانات صاف موجود ہیں۔“
”حید کو تو اسی فون کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان پکڑ جلد لیش زنانہ فورس کے ساتھ ظہیر کی کوئی پیچنے گیا۔ نیمہ گرفتار کر لی گئی۔ انہوں نے لاکھ لاکھ کوشش کی وہ اُسی وقت اقرار جرم کر لے لیں اُس نے چپ سادھہ لی تھی۔ ظہیر اور اُنہیں وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ گھروالوں میں سے صرف وہی دونوں ہمہ کل موجود تھے۔ جب نیمہ کو پولیس کی لاری پر چڑھایا جانے لگا تو وہ دونوں اپنے ہاتھ ہلا کر بولے ”تانا“ اور پھر اندر چلے گئے۔
”حید اور فریدی دونوں ظہیر کے خاندان کے لئے معروف تھے۔ انہیں کی گھنٹے تک کوتولی میں ٹھہرنا پڑا۔ شام کو واپسی پر انہوں نے ان دونوں ہم شکلوں کو
”بہت براہوا۔“ دونوں نے ہاک کلکای۔
” صغیر.....!“ فریدی نے اُن میں سے ایک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”شرارت ختم کرو۔..... ورنہ میں تمہارے لئے بھی کوئی سکیل نکال لوں گا۔“
اس نے دوسرے کو آنکھ ماری اور فریدی سے بولا۔ ”کس طرح اندازہ لگایا آپ نے۔“
”دوسرا طبعی خاموش تھا۔ حید بولکلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔
”میرا خیال ہے کہ یہ صرف آوازوں کا مقابل ہے۔“ فریدی نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ ”ویسے نہ یہ ہماری زبان سمجھتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔ جب تم بولتے ہو تو یہ من عن تمہاری آوازوں کی نقل کرتا چلا جاتا ہے۔“
”خدا کی قسم آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔“ صغیر حیرت سے بولا۔ ”دوسرا بھی خاموش اور ان دونوں سے بے تعلق نظر آ رہا تھا۔“
”لیکن میں نے اس دن تم دونوں سے الگ الگ بات کی تھی۔“ حید نے کہا۔

س کے تعلقات صدر سے بھی تھے۔
”اوہ.....!

”آخر سے اس کا جھگڑا ہو گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ شادی تو کرتا ہی نہیں چاہتی تھی۔
س نے شادی سے بچتے کے لئے آخر کو اس بات پر آمادہ کرتا چاہا تھا کہ وہ اُسے لے کر کہیں چلا
جائے۔ آخر اس پر تیار نہیں ہوا۔ اس پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا۔ نیمہ فطرت پا خدیدی اور زور درن قسم
کی بوکی ہے۔ اُس نے آخر کا خاتمہ کر دینے کا تھیہ کر لیا۔ صدر سے پہلے ہی اُس کی راہ و رسم تھی
اور شاید کبھی شادی کے سلسلے میں بھی عہد دیاں ہوئے تھے۔ لہذا اس نے تمہیں ختم کر دینے کے
لئے اس سے پوتا شیم سائینیا یڈ طلب کیا۔ صدر کا بھی بیان ہے کہ اس نے تمہارے ہی لئے ایک
ہائی تھی اور اس نے اسے کچھ اس طرح بھلا کیا کہ اُسے پوتا شیم سائینیا یڈ دینا ہی پڑا۔ صدر اسے
ہر طرح چاہتا تھا۔ نیمہ نے اس سے کہا تھا کہ وہ دونوں ہم شکلوں میں سے صیر کو پہچان گئی
ہے۔ صیر کی موت کا الزام آسانی سے دوسرے کے سرخو پا جائے گا۔“

”بہت خوب.....!“ صیر مسکرا کر بولا۔

”اگر وہ ایسا کر گزرتی تو واقعی بڑی دشواریاں پیدا ہو جاتیں کیونکہ تم دونوں انجھائی پر اسرار
بنے ہوئے تھے۔ کم از کم میں تو لاکھ برس پتہ نہ لگا سکتا کہ تمہیں کس نے اور کیوں مارا۔ ہاں تو وہ
اپنی محبت کا واسطہ دے کر زہر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اس نے صدر سے یہ بھی کہا تھا
کہ اگر صیر مر گیا تو خاندان والے اس کیلئے اسی کو منصب کریں گے کیونکہ انہوں نے پہلے ہی یہ سوچ
لکھا تھا کہ صیر نہ آیا۔ اس نے شادی سے انکار کر دیا تو پھر اس کی شادی صدر سے کروی جائے گی۔“

”کمال کر دیا۔“ صیر بڑا بڑا۔

”بہر حال زہر حاصل ہو جانے کے بعد اس نے پھر آخر کی خوشامد کرنی شروع کر دیں کہ
”اُسے بھگالے جائے لیکن آخر کسی طرح تیار نہ ہو۔ قصہ مختصر یہ کہ اس نے اس بات پر
تیار کر لیا کہ وہ اپنے کسی دوست کو خط لکھ دے کر وہ فلاں دن اپنی محبوبہ کو لے کر اس کے یہاں پہنچ
نہا ہے۔ پھر وہ اکیلی ہی وہاں چل جائے گی اور اس سے یہ کہہ دے گی کہ آخر کہیں راستے میں
لک گیا ہے، بعد کو آجائے گا اس نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ کسی کی کردی کی ایسے آدمی سے
لک گیا ہے۔“

”تقریباً ساڑھے سات ہزار۔“ صیر نے ہنس کر کہا۔ ”میں اس قسم کی تغزیبات پر بے
دریغ روپیے صرف کرتا ہوں۔ میرے جانے والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔ لیکن میں کیا کروں، میری
تغزیت کا معیار ہی بھی ہے۔ معیار نہیں بلکہ نوعیت کہیے۔ خود یہ تو قوف بننا اور درودوں کو یہ تو قوف
بنانا۔ پھر بھلا، بلکہ چکلی شرارت میں کیا رکھا ہے۔ بہر حال اس شرارت سے مجھے اتنا فائدہ ضرور تھا
کہ آپ جیسی عظیم شخصیت سے ذاتی طور پر واقفیت ہو گئی۔ میرا دعویٰ تھا کہ مجھے کوئی نہ پکر کے
گا۔ مگر..... اچھا یہ بتائیے۔ آپ نے کیسے اندازہ لگایا کہ میں ہی صیر ہوں۔۔۔۔۔ ایک بار اور
آپ نے اتنی ہی خود اعتمادی کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑا تھا۔“

”کوئی خاص بات نہیں..... یہ بولتا تو ہے تمہاری ہی جیسی آواز میں لیکن ایسا معلوم ہوتا
ہے جیسے یہ آواز کسی مشین سے نکل رہی ہو۔۔۔۔۔ اس کے چہرے کا اتار چڑھا، الفاظ کا ساتھ نہیں
وہیتا۔ اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا کر یہ اردو جانتا ہی نہیں۔“

”حقیقتاً آپ اس دور کے ذریک تین آدمی ہیں۔“

”اچھا..... آپ بھی مجھے یہ تو قوف بنانے لگے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”نہیں خدا کی قسم نہیں۔“ صیر نے سنجیدگی سے کہا پھر حمید سے بولا۔ ”اور آپ کے متعلق
میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ میں اور آپ مل کر ساری دنیا کو انگلیوں پر نجا سکتے ہیں۔“

”نہیں اس کے لئے میں اکیلا ہی کافی ہوں۔“ حمید نے فٹک لجھ میں کہا۔
اس جواب پر صیر کچھ چھپنے لگا۔

”نیمہ نے اقرار جرم کیا یا نہیں۔“ اس نے فریدی سے کہا۔ ”سبھی میں نہیں آتا کہ اُس نے
آخر کو کیوں مار ڈالا۔“

”کیا تمہیں اُن دونوں کے تعلقات کے بارے میں پہلے سے معلوم تھا۔“

”معلوم چہ مقنی دارد..... میں نے حادثے سے قبل والی رات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا
تھا۔ آخر اسی لئے کافی رات گئے تک لاہریہ میں بیٹھا کرتا تھا کہ دونوں کو عیاشی کے موئے
نصیب ہو سکیں۔“

”نیمہ کو میں ایسی لڑکی نہیں سمجھتا تھا۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”ایک آخر ہی پر منحصر نہیں۔“

وائق نہیں جس کے بیہاں وہ کسی دوسرے شہر میں جا کر قیام کر سکے۔ اس طرح وہ اس کے لئے ایک تعارفی خط ہو جائے گا۔ پھر کچھ دنوں بعد وہ خود ہی کہیں اپنا انتظام کر لے گی۔ شاید اختر نے اپنی جان چھڑانے کے لئے اس قسم کا خط لکھنا منظور کر لیا۔ شام ہی سے نیمہ نے اس کی اشیشی میں زہر لگے ہوئے ٹکٹ رکھ دیئے تھے اور اسی دوران میں وہ تمہارے خبر بھی جا چکی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ مشش والے خطوط کا الطیف بھی سنو..... و خطوط اُسے اختر ہی نے بھیجے تھے۔ وہ دراصل اُسے بیوقوف بنا کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔ نیمہ کو اس کا بھی علم تھا۔ تیراخط خود اُس نے لکھ دیا اور اس کے ساتھ اپنے الیم کی ایک تصویر بھی کر دی۔ تصویر دیکھ کر مشش صاحب کے الوسید ہے ہو گئے اور انہیں بچ مجھ منشو پارک کی سو جھٹی۔ بہر حال وہ بیچارا مفت میں مارا گیا اور پھر جب اس کے ہاتھ کے نیچے سے وہ خط برآمد ہوا تو قتی طور پر مجھے یعنیں ہو گیا کہم نے ہی اُسے قتل کیا ہے۔“

”بڑا الجھا ہوا کیس تھا۔“ صغیر بولا۔

”صرف دو غلطیوں کی بناء پر وہ پکڑی گئی۔ ایک تو وہ افیون جس میں اس کی انگلیوں کے نشانات تھے..... دوسری غلطی تھی صدر کی جلد بازی۔ اس نے زہر کی گشادگی کی روپورث دینے میں بڑی جلدی کی۔“

”خیر صاحب..... یہ تجربہ بھی زندگی بھر یاد رہے گا۔“ صغیر انگڑائی لے کر بولا۔

”مقدمے کے دوران میں تم دنوں کو سیہیں ٹھہرنا پڑے گا۔“

”ہاں..... پھر وہی دنوں۔“ صغیر کے ساتھ اس کا ہم شکل بھی بول پڑا۔ شاید اس نے اسے اشارہ کیا تھا۔

فریدی اور حمید نہیں پڑے۔

”اطالوی کے علاوہ کوئی اور زبان بھی جانتا ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں.....!“ دنوں نے ایک ساتھ کہا۔ ”اچھا اب اجازت چاہوں گا۔“

دنوں نے ایک ساتھ اپنے ہاتھ مصافحہ کے لئے بڑھا دیئے۔

ختم شد